مولانا آزاد لائبریری
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
ڈاکٹر رام بابو سکسینہ کلکشن
(عطیہ: مسز آفتاب سکسینہ)

ایم۔ آر۔ بیگ ۱۰۲

حرف ب

باب (مادھو رام) ۱۰۳
براق ۱۰۸
برق (جوالا پرشاد) ۱۰۹
بزمی (مرزا محمد اشرف) ۱۱۲
بسمل (گدا علی) ۱۱۴
بسمل ۱۱۴
بسمل (فتح الدین) ۱۱۴
بقا (بقاء اللہ خاں) ۱۱۵
بکائی ۱۱۷
بلیغ ۱۱۷
بلبلے (پنڈت رام نرائن) ۱۱۸
بندریہ ۱۱۸
بو اسحاق اطعمہ ۱۱۹
بوبک ۱۲۰
بوم (شیر محمد خاں) ۱۲۳
بھسنت ۱۲۴
بیدھب (ایثار علی) ۱۲۶
بیکس (مرزا محمد) ۱۲۸
بیگم (رشک محل) ۱۲۹

حرف پ

پاگل داس ۱۳۰
پری (جھمن) ۱۳۰
پنچھا ۱۳۱
پیٹنٹ ۱۳۱
پیام (شرف الدین ملتانی) ۱۳۳

حرف ت

تبسم (مرزا علی قدر) ۱۳۴
تپش (مرزا محمد اسمٰعیل) ۱۳۵
تجلی (منتخب الدین) ۱۳۵
تجلی (میر محمد حنیف) ۱۳۶
تصور (میر تصور علی) ۱۳۶
تسکین (غلام بتول) ۱۳۶
توتی ۱۳۷
توتی آتون ۱۳۷

حرف ٹ

ٹٹیری ۱۳۹
ٹریڈ مارک ۱۳۹
ٹیسو پرشاد ۱۴۱

حرف ث

ثریا (جمعیت علی) ۱۴۴

حرف جیم

جان (میر یار علی) ۱۴۶
جعفر (مرزا مومن بیگ) ۱۵۴
جعفر زٹل (میر جعفر) ۱۵۵
جعفر زرکوب ۱۶۹
جگت (جگت موہن) ۱۶۹
جمیل (جمیل الدین) ۱۷۲
جوش (رحیم الدین) ۱۷۳
جوکر (حسن جعفر) ۱۷۳
جو بندہ یا بندہ ۱۷۷

حرف چ

چچا (سید اسحاق) ۱۷۸
چرکین ۱۷۸
چناب ۱۸۴
چونچ ۱۸۸
چہ خوش (سید اقبال) ۱۸۹

حرف ح

حالی (خواجہ الطاف حسین) ۱۹۱
حجام (عنایت اللہ) ۱۹۷
حجام ۱۹۸
حرق (میر حسن مرزا) ۱۹۸
حریف (لالہ شیام لال) ۱۹۹
حزیں ۱۹۹
حکیم (محمد سمیع ارادت اللہ خاں) ۲۰۰

حرف خا

خضر ۲۰۲
خلیفہ (رجبی حجام) ۲۰۲
خلیق ۲۰۳
خندہ (میر شجاعت علی) ۲۰۵
خنداں (عبد الحمید) ۲۰۵

حرف دال

داؤد (محمد داؤد) ۲۰۷
دبنگ (سراج احمد) ۲۰۹
دگانا ۲۰۹
دل (عبد الرحمٰن) ۲۱۰
دلسوز (خیراتی خاں) ۲۱۰
دلمیر (منور خاں) ۲۱۰
دو پیازہ ۲۱۸
دوزخی (لالہ ہر سیچند) ۲۱۹
دھیے ۲۲۰

حرف ڈال

ڈاکٹر ۲۲۲

ڈھینڈس ۲۲۲

حرف ذال

ذاکر (شیخ زکریا) ۲۲۳
ذبیح (محمد اسمٰعیل خاں) ۲۲۴
ذکی ۲۲۵
ذلیل (نوبہار) ۲۲۶
ذوقا ۲۲۶
ذولق (میر عبدالواحد) ۲۲۷

حرف را

راحت ۲۲۹
رحیم ۲۲۹
رسوا ۲۳۰
رسم ۲۳۰
رشک (میر علی اوسط) ۲۳۱
رفیع الدولہ ۲۳۲
رنگ (حریف خاں) ۲۳۴
رنگیلے (محمد اسمٰعیل خاں) ۲۳۴
رنگین (میرزا سعادت یار خاں) ۲۳۵
رونق (سید محمد محسن) ۲۴۴
ریاض (خیر آبادی) ۲۴۵

حرف زا

زاغ (محمد مبین بدایونی) ۲۴۹
زانی ۲۵۱
زیٹر (سید باقر حسین) ۲۵۱
زیرک (گوبند رام) ۲۵۲

حرف س

سب رنگ (قاضی عبدالمغنی) ۲۵۴
سجاد حسین ۲۵۴
سخن (سید پرورش علی) ۲۵۷
سحر مولوی ۲۵۷
سرشار (رمضان علی) ۲۵۸
سرشار (رتن ناتھ) ۲۵۸
سرکوب ۲۶۷
سعدی (شیرازی) ۲۶۸
سگ ۲۷۴
سوختہ (میر حسین) ۲۷۴
سفلی (عنایت خاں) ۲۷۵
سودا (مرزا محمد رفیع) ۲۷۶
سوز (سید محمد میر) ۲۸۳
سوزاں (حبیب الدین) ۲۸۵
سید (محمد بخش) ۲۸۶

حرف ش

شاہی ۲۸۶
شوخ ۲۸۷
شرف ۲۸۷
شاکی (سید اکبر حسین) ۲۸۸
شمشاد (غلام پنجتن) ۲۸۹
شوق (حافظ غلام رسول) ۲۸۹
شوکت (احمد حسین) ۲۹۰
شہدا ۲۹۰
شہباز (عبدالغفور) ۲۹۱

حرف ص

صاحبقراں (امام علی) ۲۹۵
صفدر (مرزا پوری) ۳۰۰

حرف ض

ضاحک (میر غلام حسین) ۳۰۳
ضاحک ۳۰۳
ضیغم ۳۰۴

حرف ط

طریف (حسین الدین) ۳۰۵
طرزی ۳۰۵

حرف ظ

ظراف (نور محمد) ۳۰۷
ظریف (امان اللہ) ۳۰۷
ظریف (ظریف حسین) ۳۰۸
ظریف (سید مقبول حسین) ۳۰۹
ظ۔ ح ۳۱۴

حرف ع

عالی (نعمت خاں) ۳۱۶
عارف (محمد عارف) ۳۲۱
عاجز ۳۲۲
عبید زاکانی ۳۲۲
عرش ۳۲۶
عرشی (یعقوب خاں) ۳۲۸
عزیز ۳۳۱
عسس ۳۳۲
عشاق ۳۳۲
عشرت ۳۳۲
عصمت (امجد علیخاں) ۳۳۳
عطا (عطاء اللہ) ۳۳۳
عقاب ۳۳۴
عمر ۳۳۵

واقف (سلطان احمد) ۴۵۱
واہ ۴۵۲
واہ (وحید الحسن) ۴۵۲
وجاہت (وجاہت حسین) ۴۵۳
وحید ۴۶۱
وصل (محمد اسحاق) ۴۶۱
وفا (نو محمد عمر خاں) ۴۶۲

حرف ہا

ہاشمی ۴۶۴
ہائے وائے ۴۶۴
ہجر (پنڈت تربھون ناتھ) ۴۶۷
ہدایت ۴۶۹
ہرچند (عبد الکریم) ۴۷۶

حرف ی

یار (محمد رفیق) ۴۷۸
یاسمن ۴۷۹
یل (عبد القادر) ۴۸۰

مطبوعہ نگار مشین پریس نظیر آباد لکھنؤ

سنہ ۱۸۲۹ء

M.A.LIBRARY, A.M.U.

U32638

۳۲۶۳۸ ۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ظریف شاعروں کا تذکرہ

ردیف الف

CHECKED 2002

آبرو ۔ آپ کا نام نجم الدین تھا۔ مگر شاہ مبارک کے لقب سے معروف تھے۔ آبرو تخلص تھا خود نہایت مشاق سخن گو تھے۔ مگر مزاج کی احتیاط کے تقاضے سے ہمیشہ اپنا کلام سراج الدین علیخان آرزو کو سنا دیا کرتے تھے۔ تذکروں مین جو کچھ تھوڑا بہت حال ملتا ہے، اس سے استعداد علمی کا کچھ پتہ نہین چلتا۔ ریختہ مین ایہام گوئی کے نہایت دلدادہ تھے۔ آزاد نے آبحیات مین لکھا ہے کہ شاہ کمال بخاری کے لڑکے پیر مکھن متخلص بہ پاکباز سے دلی محبت تھی۔ آزاد کے علاوہ بعض تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی مرزا جانجانان مظہر سے جو ان کے معاصر تھے چشمک ہو جاتی تھی۔ یہان تک کہ باہم ہجو گوئی تک نوبت پہونچتی تھی۔ اسی وجہ سے بعض بعض جگہ کلام مین ظرافت کا رنگ پیدا ہو جاتا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ مستقل طریقہ سے اس رنگ مین کچھ کہا ہو۔ مگر امتداد زمانہ نے ہم تک نہین پہونچنے دیا۔ البتہ آزاد کے اس لطیفے نے مجھے آبرو کو تذکرۂ ظرفا مین لانے کی اجازت دی۔ تلاش ہوئی تو دو ایک شعر اور بھی مل گئے جن مین اگرچہ ظرافت کا پورا رنگ نہین ہے پھر بھی ان کو اس سے علیحدہ نہین رکھا جا سکتا۔

شاہ مبارک آبرو اتفاقاً ایک آنکھ سے معذور تھے۔ ان کے معاصر مرزا جانجاناں نے چشمک کے طریقہ پر ان کی ہجو میں یہ شعر کہا۔

آبرو کی آنکھ میں اک گانٹھ ہے　　آبرو سب شاعروں کی ..... ہے

شاہ آبرو نے بھی ہجو میں یہ شعر کہا

کیا کروں حق کے کئے کو کور میری چشم ہے　　آبرو جگ میں رہے تو جانجاناں ..... ہے

یہ لطیفہ ہر چند آزاد کی بالکل اختراع ہے اور حقیقت سے دور لیکن چونکہ آبرو کا شعر رنگ ظرافت کا ہے اس لئے اسے لینا پڑا اور یہ لطیفہ بھی درج کرنا ضروری ہوا۔

انھیں کا یہ بھی ایک شعر ظرافت کا ہے۔

یار و خدمتگار خان خوجوں کے بیچ　　ہے تو مستثنیٰ ولیکن منقطع

یہ عہد محمد شاہی کے شاعر تھے۔ تاریخ انتقال کا پتہ نہیں چلا۔

آبنوس ایک شاعر نامعلوم الاسم کا تخلص ہے۔ جنکا دیوان ایک سرسری نگاہ سے میں نے ایک صاحب کے پاس دیکھا تھا جو اپنی ضرورت کیوجہ سے غریب آبنوس کا سرمایہ عمر بیچ رہے تھے۔ مگر قیمت اسقدر مانگ رہے تھے کہ میں اس کو خرید نہ سکتا تھا۔ تقریباً دس جزو کا دیوان تھا۔ مگر ایک شعر بھی ایسا نہ تھا جس میں۔ سیاہ کالا۔ اندھیرا۔ یا انکا مترادف کوئی لفظ نہ آیا ہو۔ افسوس ہے کہ اُن حضرت نے مجھکو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ جی بھر کر اسکو دیکھتا۔ اور اس سواد نامہ کا انتخاب کر لیتا۔ بیک نگاہ دیکھا اُسی میں جو شعر یاد رہگئے وہ لکھتا ہوں اتفاق سے دیوان میں ایک شعر نظر آیا جسے دیکھکر شبہ ہوتا ہے کہ ان کا نام کالے خان تھا۔ مگر مجھکو اس گمان پر وثوق نہیں ہے شعر یہ ہے۔

دیکھکر اس کی زلف پر قربان　　لوگ کہتے ہیں مجھکو کالے خان

ان کی ظرافت اگرچہ ایسی نہیں ہے جسے دیکھکر انسان بے اختیار ہنسی پر مجبور ہو جائے مگر جو کچھ ہے کمال کا نمونہ ہے۔ یہ کچھ آسان بات نہیں ہے کہ تمام دیوان میں ایک جگہ بھی

اپنی وضع کو نہ بدلا جائے اس پابندی کا نباہنا یونہی کچھ سہل نہیں ہے چہ جائیکہ اسپر ظرافت کی بھی قید لگا دی جائے اور لطف یہ کہ ظرافت نہایت کامیاب اور شایستہ :-

نمونۂ کلام یہ ہے -

یہ اُن کی زلف پہ پھبتی کہی ہے یاروں نے
کہ کالے سانپوں میں منا سا کھنکھجورا ہے

خلاف وضع ہے مرنا نہیں فرنگی پر
میں آبنوس ہوں تپتا ہوں جان تنگی پر

زلفیں تیری آنکھیں تیری دیکھیں جانے والوں نے
کالی گھٹا کے کالے پھلینڈے کھائے کھانے والوں نے

جانتے ہیں کہ آبنوس ہوں میں
مجھ سے کہتے ہیں تیرا کالا منھ

ایڑی چوٹی پہ وار دو مجھ کو
کالے پانی اتار دو مجھ کو

اُسے میٹھا سمجھتا ہے زمانہ
مگر وہ بت سلونا سا نولا ہے

خال و خط اس کے روئے روشن پر
لال کملی میں کالے تل سمجھو

تر شردئی میں اُس کے موٹے ہونٹ
کالے شہتوت کے برابر ہیں

رام ہو جائے گا بت کافر
پوجتا ہوں میں کالی مائی کو

اِن چھوٹے چھوٹے دانتوں پر کیوں بارسکی ڈالا ہے
میں خوب سمجھتا ہوں اسکو کچھ دال میں کالا کالا ہے

خال ہیں اُس کے روئے انور پر
کالا دانہ پڑا ہے مجمر پر

دل میں کھینچی ہے زلف کی تصویر
ساتھ ہے میرے میرا کلوا بیر

سجدے کا نشان شیخ جی کا
ماتھے پہ کلنگ کا ہے ٹیکا

زلف شبگوں تمھارے چہرے پر
باغ کی ایک کالی کویل ہے

اخاہ سید ضمیر حسین نام ہے - اخاہ تخلص ہے فیض آباد کے رہنے والے ہیں دور موجودہ کے ایک خوش فکر خوش مذاق ظرافت گو ہیں - ظرافت کے سوا اور کچھ نہیں کہتے - نوجوان آدمی ہیں تعلیم معمولی ہے - مگر ان کے استاد ایک قابل شخص ہیں

جنکی انگریزی کی قابلیت نہایت معقول ہے اور بقدر ضرورت فارسی بھی جانتے ہیں اردو کے نہایت خوش فکر شاعر ہیں۔ کبھی کبھی افتاد طبیعت کی وجہ سے ظرافت کے شعر کہتے ہیں۔ چونکہ اپنے آپ کو زمرہ ظرافت گویاں میں شامل کرنا اپنی عالی پایگی کی وجہ سے ننگ سمجھتے ہیں اسیوجہ سے وہ تمام اشعار شاگردوں کی غزلوں میں شامل کردیتے ہیں۔ حتی کہ میں نے اس راز سے واقف ہونے کے بعد جو اُن سے اس امر کی اجازت چاہی کہ میں تذکرہ میں آپ کا نام نامی لکھدوں تو مجھکو بھی اجازت نہ دی اخاہ صاحب کے اشعار میں زیادہ تر تصرف مرشدیا فیض استاد شامل ہے مجھکو میرے دوست سید مسعود رضا خلف اصغر جناب محمد رضا صاحب جسٹس لکھنؤ سے یہ کلام موصول ہوا۔ موصوف نے وعدہ کیا تھا کہ عنقریب کچھ اور کلام دوں گا۔ مگر افسوس کہ وعدہ کے ایفا کا وقت نہ آیا اور تذکرہ کی ترتیب کا وقت آگیا۔ بہر حال مسعود رضا صاحب نے اپنی یادداشت کی بنا پر جو کلام لکھوادیا تھا وہی حاضر ہے کلام شوخی اور زندہ دلی کے تصویر رنگین سے کم نہیں ہے۔

بیوی نے کس خوبی سے شوہر کو آبا کر دیا — اپنے ہوتا ہی نہ تھا مانگے سے پیدا کر دیا

یہ کہتے پھرتے ہیں پیارے طالب و مطلب — ہمارے قبلہ و کعبہ ہو کاشت کار نہیں

دل غریب کو بس پھیر و ہاندلی کب تک — کہ میں نظام نہیں دل مرا برار نہیں

میں نے ازبر کرنے کو مشکل اس ستم ایجاد کی — یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی پھر یاد کی

ہجر کی شب مجھسے جب بے میں کہو نالہ کروں — بک دیا غالب نے کوئی لے نہیں فریاد کی

آگ رکھکر پھونکتے بھی تھے بچا اچھا ہوا — آشیاں کے ساتھ داڑھی جل گئی صیاد کی

آزاد کے اس نام سے ایک قدیمی اور پرانی بیاض میں یہ دو شعر ملے ان کے سوانح نام

لہ غالب مرحوم کا ایک مطلع ہے لہ فریاد کوئی لے نہیں ہے — نالہ پابند نے نہیں ہے ۱۲

کا پتہ چلا نہ سکونت معلوم ہوئی شعر درج ہیں۔

ایک بڑھیا سے ہنسنے کی یاری — ساری دنیا میں ہو گئی خواری
رات کو اُس کے پاس جب لیٹا — بولی چپ ہو کے سو رہو بیٹا

آس۔ یہ تخلص لکھنؤ کے ایک صاحب کا ہے۔ مگر جہانتک معتبر ذرائع سے سُنا گیا یہ تخلص صرف ایک جواب تھا یاس کا ۱۹۱۲-۱۱ء میں لکھنؤ میں ایک انجمن معیار کے نام سے قائم تھی اور ایک رسالہ بھی اسی نام سے شائع ہوتا تھا۔ اس انجمن میں لکھنؤ کے نامور شعراء شریک تھے صفی۔ محشر۔ عزیز۔ ثاقب وغیرہ اس کے ارکان میں سے تھے انجمن کی طرف سے ایک ماہوار مشاعرہ بھی ہوتا تھا۔ اتفاق سے اُسی زمانہ میں مرزا واجد حسین یاس عظیم آباد سے آئے۔ چونکہ مرزا یاس کو شاعری کا ایک فطری ذوق تھا۔ اس لئے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے۔ مگر چونکہ اِن کو حسب خواہش داد نہ ملسکتی تھی اس لئے اِن کو خیال ہوتا تھا کہ اہل لکھنؤ ناانصافی کرتے ہیں۔ اگرچہ مرزا صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح نہ تھا تاہم کچھ نہ کچھ اسکی اصلیت بھی تھی کیونکہ شرکائے معیار حقیقتاً اُن کو اپنا ہم مشق اور ہم پلہ خیال نہ کرتے تھے بلکہ جہاں تک سنا ہے یہ بھی ہوا کہ ان کو بعض بعض مرتبہ بنایا گیا۔ مرزا یاس کو یہ حرکت سخت ناگوار گزری۔ اہل قلم تھے خاموش نہ رہا گیا۔ اعتراضات کرنا شروع کئے۔ اور حریفوں کو دنداں شکن جواب دیئے اُدھر سے اِن کے مقابلے میں ایک فرضی شخص متخلص بہ آس پیدا کیا گیا اور اُسی کے نام سے یہ فحزیہ رجز لکھکر تقسیم کرایا گیا جس کے بعض شعر ظریفانہ ہیں

ہر آں کو نہ داند بہ داند مرا — ستایش کند تا تواند مرا
جہاں پہلواں آس پُر دل منم — بہ گردان معنی مقابل منم
سپر پیش من جملہ انداختند — رمیدند و مردند و دل باختند

ہلاکاۂ شان بدریم ما | سپۂ بزدلاں شیر نریم ما
نہ از خیل آتش پرستاں منم | بہ یزداں کہ در کیش یزداں منم
بکف اندرم نیزۂ از قلم | منم طعنہ بر مصحفے میزنم
سلے ہمچو من نیست اندر جہاں | ہژبر ژیانم ہزبر زیاں
نماید اگر روے من ہمچو قیر | بدل یاس را دیدہ دوزم بتیر
کہ در قلب مومن نگنجد ہراس | بود در دل کافراں جاے یاس
دل کافراں ہمچو دوزخ بود | ز دوزخ سپۂ یاس مطبخ بود
بہ قرآں کہ خواندیم لاتقنطو | تفو بر رخ یاس ایک تفو

آزاد ۔ ایک شخص کا تخلص ہے جو علم سے بالکل بے بہرہ تھا قوم کا لُہار اور بدایوں کا رہنے والا تھا ۔ مجھی قمر بدایونی سے یہ دو شعر دستیاب ہوے ۔

آزاد کی ہے خانہ بدوشی کا یہ عالم | کاندھے پہ لئے پھرتا ہے چھپر کئی دن سے
ہمارے باغ کے کونوں میں کرنے کی بہار آئی | اگر خوشبو کی خواہش ہو تو دو نا دیکے کروالو

آسی ۔ خاکسار راقم تذکرہ کا تخلص ہے ۔ اگرچہ زمرۂ ظریفانِ خوش مذاق میں میرا شمول اور شمار نہیں ہوسکتا ۔ مگر پھر بھی چونکہ اس طرف کبھی کبھی متوجہ ہوا ہوں لہذا اُن اشعار کو ضایع کرنے کو بھی جی نہیں چاہتا ظرافت میں مجھے اکبر کا رنگ سب سے بہتر معلوم ہوتا ہے ۔ بعض شعر اسی رنگ میں کہے ہیں اور بعض واقعہ طلب ہیں جنکی بعض جگہ خود ہی تفصیل کردوں گا اور بعض جگہ اس تفصیل کو محض تطویل سمجھوں گا ۔

میرا مولد و مسکن قصبہ اُلدن ہے جو ضلع میرٹھ میں ایک نہایت قدیم شرفا کی بستی ہے ۔ بظاہر اس کی آبادی بڑی نہیں ہے مگر اسکی خاک پاک سے ایسے ایسے

ذی علم اور ذی ہنر حضرات پیدا ہوئے جنکی تھوڑی سی تعریف کے لئے ایک دفتر درکار ہے۔ میری پیدائش ۱۸۹۳ء میں ہوئی ۱۸۹۸ء میں قاعدہ بغدادی پڑھنا شروع کیا۔ پھر قرآن شریف کے کچھ پارے حفظ کئے۔ بعدہٗ ناظرہ مصحف شریف کو تمام کیا۔ اور فارسی شروع کی۔ ظاہر ہے کہ اب سے بیس پچیس برس پہلے فارسی کا اچھا خاصہ رواج تھا۔ لہذا فارسی کی تمام درسیات سبقاً سبقاً حافظ برکت علی مرحوم سے جو اس قصبہ میں ایک نہایت ہی زبردست فاضل تھے پڑھکر عربی شروع کی اور صرف۔ نحو۔ منطق۔ فقہ۔ حدیث مولانا مولوی سید سراج احمد صاحب سے پڑھی بعدازاں حدیث کی بعض کتابیں دوسری جگہوں میں تمام کیں۔ ۱۹۰۸ء میں طب کا شوق ہوا۔ اور دہلی کے ایک نامور طبیب حکیم نواب جان صاحب مرحوم سے اسکی کچھ کتابیں پڑھیں پھر مختلف لوگوں سے اور ذاتی طریق پر اسکی مزاولت رکھی۔

شعر و شاعری کا شوق ۱۹۰۸ء سے شروع ہوا اسوقت تک بہت کچھ لکھا۔ مگر چونکہ ابتدائی روش اب مطبوع خاطر نہیں رہی۔ لہذا پہلے دو دیوان ایک صاحب کو بالکل دیدیئے گئے۔ اور اب مشکل سے مجھے اُن میں کا کوئی شعر یاد ہوگا۔ ایک دیوان جس میں کچھ غزلیں پہلی بھی ہیں میرے پاس ہے۔ اس کے علاوہ میری بہت سی غزلیں اُن لوگوں کے پاس بھی ہیں جنکو مجھ سے کوئی بھی تعلق نہیں مگر موقتاً ان کو بہت کچھ لکھدیا گیا۔ ایک غزلیں کیا اکثر کتابیں مختلف علوم و فنون کی دوسرے لوگوں کے نام سے لکھیں اور ملک میں شائع ہوئیں۔

میری تصنیف سے اسوقت میرے نام سے یہ کتابیں ہیں اور حقیقتاً اب میں انھیں کو اپنی تصنیف سمجھتا ہوں باقی جن کو دیدی گئیں خدا اُنھیں کو مبارک کرے۔

دیوان جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ ظریف اللغات۔ جی چاہتا ہے کہ اس کا نمونہ کچھ درج کروں۔ مگر بیکار ہے۔ شہر رشنا ناول چار حصہ یہ ایک دلچسپ ناول ہے جو ایک خاص سبب سے

لکھا گیا تھا۔ پھول وتی چار حصہ۔ یہ بھی نہایت ہی دلکش اور دلچسپ ناول ہے۔ اور سندر شانتا سنتی کے نام سے بھی معروف ہے۔ علم الشعر اس کے پانچ حصہ لکھنے کا ارادہ تھا۔ مگر اس وقت تک حصۂ اول لکھا جا چکا ہے جس میں شعر کی ماہیت پر ایک فلسفیانہ بحث کی ہے۔ ملا زاغلول۔ ایک ناول ہے جس میں حاجی بغلول کے رنگ پر پیرانہ ہوسناکیوں کا خاکہ اڑایا گیا ہے۔ اقوال اکبر۔ اکبر بادشاہ کے حکیمانہ اقوال کا آئین اکبری سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ عیار فقیر ایک دلچسپ ناول ہے جس میں گداگری کے متعلق ایک نہایت عبرتناک قصہ لکھا گیا ہے۔ ترجمۂ پارۂ الحمد۔ قرآن شریف کے پارہ ۳۰ کا سلیس نظم میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ ابتک چھپا نہیں ہے۔ شرح تحفۃ العراقین خاقانی کی مایۂ ناز مثنوی تحفۃ العراقین کی شرح جو اس لئے لکھی گئی تھی کہ ایک زمانہ میں یہ کتاب کورس میں داخل تھی یہ کتاب چھپ رہی ہے۔ شرح دیوان غالب اُردو۔ غالب کے اُردو دیوان کی شرح ہے۔ جو متداول اور مشہور ہے۔ رسالۂ علم نفس سانس کے متعلق ہے جس کو بھاشہ یا سنسکرت میں سروے کہتے ہیں یہ بھی ہنوز غیر مطبوع ہے جو عنقریب چھپے گا۔ تذکرہ نسواں شاعر عورتوں کا تذکرہ جسمیں اُردو فارسی کہنے والیوں کا بیان ہے چھپ رہا ہے۔ تذکرہ الظرفا۔ یہ تذکرہ ہے جو اسوقت لکھ رہا ہوں۔ اِن کے علاوہ بہت سے طویل مضامین بھی لکھے جو چھوٹے چھوٹے رسالوں کی برابر ہیں۔ ایک تذکرہ شعرا اور بھی لکھا تھا۔ مگر اُس کے چھپنے کی بظاہر کوئی امید نہیں۔

میں نے اوائل جنوری ۱۹۰۷ء میں اپنے مولد و مسکن کو خیرباد کہا اور پہلا قدم غربت میں رکھا۔ اسی زمانہ سے میں ۱۹۱۰ء تک مستقل طریق پر دہلی رہا۔ اس کے بعد ۱۹۱۰ء کے آخر میں شاہجہاں پور چلا آیا۔ جہاں ۱۹۱۲ء تک عربی فارسی پڑھاتا رہا۔ اس کے بعد ۱۹۱۳ء میں پھر دہلی چلا گیا۔ اور مطبع ہمدرد ـــ

لکشمی پریس میں ملازم رہا۔ چونکہ ۱۹۱۴ء کا زمانہ اخبار ہمدرد دہلی کے لئے نہایت آشوبناک تھا۔ اور اُس کے ثبات و عدم ثبات کا کچھ بھروسہ نہ تھا اسی وجہ سے نہایت افسوس کے ساتھ دہلی کو چھوڑنے کا قصد کیا اور مطبع منشی نولکشور میں چلا آیا

جب تک میں دہلی میں تھا میری شاعری متعدد راستے اختیار کر چکی تھی۔ کبھی کچھ مومن کے رنگ میں کہتا تھا۔ کبھی ذوق اور غالب کا رنگ اچھا معلوم ہوتا تھا۔ کبھی حالی اور داغ کا تتبع کرتا تھا مگر غالب رنگ مرزا داغ کا تھا۔ اور میں بعد حضرت داغ کے جناب مولانا سید ابوالحسن صاحب ناطق گلاٹھوی سے اصلاح لیتا تھا۔ مگر جیسے ہی لکھنؤ میں قدم رکھا اور مشاعروں کی شرکت کا اتفاق ہوا۔ تو مجھے روز روشن کی طرح یہ بات معلوم ہو گئی کہ لکھنؤ کی شاعری عروج کمال پر جا رہی ہے۔ اور دلی کے اساتذہ صرف شوخی داغ کہن کی وجہ سے گلفروشی کر رہے ہیں۔ باقی کچھ نہیں ہے صرف ہوا ہے۔ جو ابتک دلی کے نام کو زندہ کئے ہوئے ہے۔ میرا جی چاہا کہ میں داغ کے رنگ کو ترک کر کے اب لکھنؤ کی شاعری کا اتباع کروں مگر خوبیوں کے ساتھ چند ایسی برائیاں بھی اس رنگ میں نظر آئیں جو خوبیوں پر غالب تھیں۔ جذبات میں تصنع اور آورد۔ صنائع بدائع پر شاعری کی بنا رکھنا تو ناسخ کے وقت سے اسمیں داخل تھا۔ مگر اس زمانہ میں تین فرقہ نظر آئے۔ ایک وہ فرقہ تھا جو کہنہ مشق کہلاتا تھا۔ اُن کے یہاں وہی رنگ قدیمانہ اور باقیات الصالحات کے نمونے تھے۔ جس سے روح کو اہتزاز ہونے کے بجائے اچھا خاصا تغض ہو جاتا ہے۔ سُننے والے غریب کو اپنی زندگی کے وہ لمحے اُس برزخ میں صرف کرنے پڑتے ہیں جنکا حساب نہ زمانۂ حیات میں لگایا جا سکتا ہے نہ موت میں۔ دوسرا ایک فرقہ تھا جس نے بزعم خود مرزا غالب اور میر تقی میر کے اتباع کا دعویٰ کیا تھا اور آثار سلف کو نسیاً منسیا کر دینے پر تلا ہوا تھا۔ اور وہ کس طرح اس طرح کہ غزل کی غزل میں دردناک مضامین بھر کر شعر کے انبساطی پہلو کو فنا کر دینا

چاہتا تھا۔ مگر ماہران فن جانتے ہیں کہ درد و اثر پیدا کرنا انھیں لوگوں کا کام ہے جنکے دل پر غم و الم کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ جو اپنے خرمن صبر و سکون کو برق جانسوز عشق کے نذر کر چکے ہیں جنکو ابر بہاری کی طرح فضائے عالم میں رونے کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ میرو مرزا کا متبع علم چاہتا ہے۔ عمل چاہتا ہے دل میں برشتگی کا طلبگار ہے۔ دماغ میں شوریدگی کا خواستگار ہے۔ اُدھر یہ عالم اِدھر اِن مدعیان بیخبر کے یہاں۔ نہ علم نہ عمل لہذا نتیجہ گمراہی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ بہک گئے اور ایسے بہکے کہ سیدھے راستے کے چلنے والوں کو بھی ساتھ لیا اور وادی غربت میں لیجا کر سراسیمہ و حیران آشفتہ و پریشان چھوڑ دیا۔ خدا راہ راست پر لائے اُن لوگوں کو جنھوں نے اپنی غلطی اور نادانی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ مرنے کے جذبات ہی سے شعر میں درد پیدا ہوتا ہے۔ نزع کا عالم آخری ہچکی تشنج اعضا۔ دم توڑنا۔ ہاتھ پاؤں میں اینٹھن وغیرہ ہی تاثیر و تاثر کی جان ہیں۔ غرضکہ اِن لوگوں نے انھیں مضامین یا زائد از زائد مشکل مشکل ترکیبوں کو غالب کا رنگ سمجھا اور اسی پر طبع آزمائی کرتے رہے تا اینکہ لکھنؤ کی تمام فضائے شاعری اسی سم قاتل سے مسموم ہو گئی۔ اور اب تک مسموم ہی چلی جاتی ہے۔ تیسرا گروہ تھا جسکو دعوی تھا کہ ہم زبان کہتے ہیں۔ ہم زباں داں ہیں حالانکہ یہ دعوی بھی صرف زباں درازی کی حد میں تھا۔ اس سے زیادہ کوئی وقعت نہ تھی کیونکہ یہ لوگ زبان صرف اس کو جانتے ہیں اور جانتے تھے جن میں محض عورتوں کے ناز و نخرے۔ ادائے بیجا بانہ۔ انداز بیباکانہ۔ انگیا چولی وغیرہ کا ذکر ہو باقی زبان کے اصلی اوصاف بے تکلفی۔ سادگی۔ روانی۔ آمد۔ کا کہیں نام بھی نہ تھا۔ یہ حال تھا جبکہ میں لکھنؤ میں آیا۔ لطف یہ تھا کہ اگر اِن مذکورہ بالا رنگوں کے سوا کوئی کچھ بھی کہتا مگر یہ ممکن نہ تھا کہ اُس کو داد دیجائے میں سخت حیران و پریشان تھا۔ نہ راہ رفتن نہ جائے ماندن۔ مجبوراً اس رنگ کو جو مرزا داغ کا متبع تھا میں نے چھوڑ دیا۔ اور دہلی اور لکھنؤ کے

بین بین غزل کہنی شروع کیں۔ اور حتی الوسع کوشش کی کہ واردات قلبیہ کا ورد کے ساتھ اظہار کرتا رہوں۔ اسی روش پر اسوقت تک قائم ہوں۔ مگر حاسدان بد بیں کے دل میں حسد کی آگ شعلہ زن ہوئی اور ہمیشہ عداوتوں میں مصروف رہنے لگے۔ تاآنکہ اب برا بھلا کہتے ہیں۔ مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ذلک فضل اللہ الخ انھیں اثرات سے متاثر ہو کر ایک روز بے اختیارانہ یہ شعر لکھا تھا۔

احباب کی شکایت بیجا میں کیا کروں — میرے ہنر کو ہیں ستم آسماں پسند

چونکہ یہاں بہ تفصیل اس واقعہ کو لکھنا اچھا نہیں معلوم ہوتا لہذا اس کو دل میں محفوظ رکھتا ہوں پھر کبھی لکھوں گا اسوقت صرف اشعار ظریفانہ نقل کرتا ہوں۔

اب بھی ہمت کی مسلمانوں میں کچھ قلت نہیں — ہاں مگر ڈرتے تھے سب جس سے وہ ہمت نہیں

قاضی صاحب پھر بھی اچھے ہیں کہ قصہ تو سنا — شیخ نے تو یہ کہہ دیا جانے ہمیں فرصت نہیں

ریل کی اکثر مذمت شیخ صاحب سے سنی — پا پیادہ چل کہیں دو کوس یہ ہمت نہیں

غلط فہمی کا فیشن سے ازالہ ہو نہیں سکتا — کوئی گورا کسی کالے کا سالا ہو نہیں سکتا

جناب شیخ بھی ہنس ہنس کے چپکے چپکے کہتے ہیں — پڈنگ اچھا ہے حلوا اس سے اعلیٰ ہو نہیں سکتا

مرے سوز دروں کو مجھ سے سنکر ڈاکٹر بولا — کہ ناممکن ہے ہرگز دل میں چھالا ہو نہیں سکتا

ہے گرچہ روشنی بجلی کی وجہ ضعف بینائی — چراغوں سے مگر ایسا اجالا ہو نہیں سکتا

شیخ مسجد میں گئے صاحب کلب میں ڈٹ گئے — ہم کسی قابل نہ تھے مجبور ہو کر ہٹ گئے

ہلکے پھلکے ہو گئے اس روزنامچوں میں — پا بجا مہ جذب ہو کر رہ گیا تیلوں میں

اس کا اقرار ہے ہمکو بھی کہ اچھا گائی　　دیکھنا یہ ہے کہ کیا لیتی ہے کندن بائی

میرے شاگرد امین نے ایک ہوٹل قائم کیا تو میں نے مذاقاً یہ شعر کہکر سنایا۔

بھٹیاریوں کے چرکے نہ اب آپ کھائیے　　ہوٹل میں رہیے اور مٹن چاپ کھائیے

جن کو درازی شب غم کا گلہ ہے کچھ　　ہنگالنوں کے جاکے ذرا بال دیکھ لیں

کچھ تکدر ہوا اگر طبع ظرافت سنج میں　　دیکھ لے جاکر مسوں کا رنگ حضرت گنج میں

ہندو مسلم اتحاد کے بعد جو نفاق پھیلا ہے اسی سے متاثر ہو کر یہ کہا تھا۔

اختلاف مذہبی جس وقت پیدا ہو گیا　　اتحاد قوم چوں چوں کا مربا ہو گیا

قومی ترقیوں کی عجب ریل پیل ہے　　کہتے ہیں جسکو جیل وہ لڑکوں کا کھیل ہے
لیڈر نہیں ہیں کہتے انھیں ساربان قوم　　اونٹ انھیں کے ہاتھ میں سب کی نکیل ہے

کیوں کریں ہم خانساماں کی رسوائی قبول　　کیک دشواری طلب ہے روٹیاں سہل الحصول

یہ نیا دور ہے ہر رسم کی تجدید کرو　　کوئی قیدی جو چھٹے جیل سے تو عید کرو

کچھ شاعران نکتہ داں ایسے بھی ہیں جنکے یہاں　　جتنے بلند الفاظ ہیں اتنے ہی معنی پست ہیں
ان کو برا ہم کہتے ہیں ہمکو برا وہ کہتے ہیں　　وہ اپنی دھن میں مست ہیں ہم اپنی دھن میں مست ہیں

آجکل جو قوم کے رہبر ہیں وہ لوگ اور ہیں　　شیخ بیچارہ تو آسی مفت میں بدنام ہے

سنا تھا لفظ کو اسلام کے جتنے بزرگوں سے
مگر بدقسمتی سے آجتک معنی نہیں سمجھے

شب غم ہے روز قیامت کی چھوڑو
مگر میرے نزدیک دونوں بُرے ہیں

دیوانہ سن کے ناصح ناداں کی داستاں
یہ کہکے اٹھ گیا کہ بڑا بے شعور ہے

مقام عبد کا معبود سے جدا ہی رہا
بتوں سے ہو نہ سکا کچھ خدا خدا ہی رہا

خیال قوم ہی ہر وقت اور بندہ ہے
سوائے اس کے کوئی کام ہے نہ دھندا ہے
جو جوش قوم بڑھائے وہ ہے مری اپیل
جو ہوش اُڑائے جہاں کے وہ اُن کا چندا ہے

جناب شیخ بھی چپکے سے کہہ گئے آخر
شراب رات کو اکثر حلال ہوتی ہے

بھولا ہوا ہوں ذکر حسین و بتول کا
قصہ چھڑا ہوا ہے رنگیلا رسول کا

دل میں ادھر ہو جوش اُدھر شانتی بھی ہو
اس پالسی کو قوم مگر جانتی بھی ہو

یہ کچھ بھی نہیں سمجھے دانا ہیں کہ ہم اُن ہیں
اتنا ہی سمجھتے ہیں ہم خان بہادر ہیں

یہ تو کہئے کہ حضرت ناصح
آپ انسان ہیں کہ بندر ہیں

میں اپنی ضد پہ آؤں تو اے ناصح شفیق — ساری نصیحتوں کا جواب ایک جام ہے
وبالِ جان ہوئی ہے یہ مغربی تعلیم — کہ اس زمانہ میں کالر گلے کا پھندا ہے
اس سے پھر اچھے ہیں واعظ کے وہ قول دلفریب — ڈاروِن نے تو ہمیں انسان سے بندر کر دیا
کیا پوچھتا ہے حالتِ دل اے طبیب تو — چاہے جو خیریت تو نہ آنا قریب تو
اے شیخ مجھکو حالتِ جنت سناؤں میں — دم بھر کو اپنے ہاتھ سے رکھ دے جریب تو

آشفتہ — عنبر شاہ خاں نام تھا۔ رام پور کے رہنے والے تھے۔ فاضل شخص تھے قائم چاندپوری سے اُردو میں اصلاح لیتے تھے اور فارسی میں قدرت اللہ شوق کو اپنا کلام دکھاتے تھے متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ایک بیاض "ریاضِ عنبر" ایک فارسی دیوان موسوم بہ "تشریح الخیال" اور ایک اردو دیوان موسوم بہ "تدقیق الخیال" ان کی یادگار ہیں۔ ۱۳۳۳ھ تک بقید حیات تھے۔ آخر وقت میں مرادآباد آگئے تھے اور وہیں انتقال کیا۔ سید خاں کے گھیر میں مدفون ہوئے۔

آشفتہ نہایت ظریف الطبع اور شوخ مزاج واقع ہوئے تھے۔ بات بات میں مذاق کرتے تھے۔ اور ظرافت ان کی طبیعت ثانیہ بنگئی تھی۔ ذوق ہمہ گیر پایا تھا۔ کبھی کبھی ریختی بھی کہتے تھے۔ مگر اب وہ کلام نہیں ملتا ہے۔ تلاش اور محنت کے بعد یہ دو شعر مل سکے ہیں جو درج کرتا ہوں۔

شرارت تھی بھری ہرجائی کی ایک ایک لٹ میں — ہوئی سوکن گرفتار آخر اپنی ناک چوٹی میں
کوئی نوع ایسے سٹنٹے سے اپنے جی کو الجھاوے — مری انگیا گئی ہوتی ابھی فوجا کھسوٹی میں

آشوب — یعقوب علیخاں نام تھا۔ علی گڑھ کے رہنے والے تھے پڑھے لکھے زندہ دل، یار باش خوش خلق تھے۔ ریختی کے رنگ کے شعر کہتے تھے۔ مگر وہ رنگ

نہ تھا جو جان صاحب یا رنگین کا تھا۔ بلکہ ان سے مختلف طرز تھا۔ اب سے چالیس پچاس برس پہلے کے شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

رکھتے ہیں جو کہ چھیل چھبیلا ازار بند — ہوتا ہے ایسے لوگوں کا ڈھیلا ازار بند
لوٹے ہے روز صحبت دلدار کے مزے — کیا خوش نصیب ہے وہ رنگیلا ازار بند
قوس قزح بھی دیکھ لے دم بھر تو لوٹ جائے — وہ لال لال نیفہ وہ پیلا ازار بند
کیا کیا مزے اڑائیں جو پڑ جائے اپنے ہاتھ — وہ گورا گورا پیٹ وہ نیلا ازار بند
پیارے ہر ایک چیز سے زیادہ پسند ہے — بانکا چھبیلا اور رسیلا ازار بند
کس مردوے کے ہاتھ پڑا ہے یہ خواب میں — کیوں ہو رہا ہے رات سے گیلا ازار بند
آشوب آن کو ڈر ہے کہیں ناف ٹل نہ جائے — اس واسطے وہ ڈالے ہیں نیلا ازار بند

نگوڑا نکھٹو ہے ہمسائی والا — کرایہ کا ٹٹو ہے ہمسائی والا
نہیں رکھتا پائی بھی اک دن بچا کر — کہ بھٹیار دچٹو ہے ہمسائی والا
میں کیوں سامنے آؤں ایسے موے کے — کوئی سالا سٹو ہے ہمسائی والا
نہیں تن پہ کپڑا بھی لیرے لگے ہیں — بڑا ہی نکٹھو ہے ہمسائی والا

اٹکر لیس۔ احمد شاہ کے زمانہ میں ایک مسخرا تھا۔ جو کوئی اس کے سامنے رباعی یا شعر پڑھتا تھا۔ خواہ وہ فارسی کا ہوتا یا کوئی دوہا وغیرہ کہتا۔ وہ بھی اس کا جواب اسی زبان میں ناموزوں یا موزوں فوراً پڑھ دیتا تھا اور کوئی تامل نہ کرتا تھا جب کہتے کہ پھر سناؤ تو دوسرے طریق پر سناتا۔ افسوس ہے کہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اس کا ذکر تو کیا ہے مگر کچھ نمونہ کلام نہ دیا۔

آشوب - میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہ ایک شخص کا تخلص ہے جو چیچک رو دراز قد ہے۔ نہایت مسخرا ہے۔ پوچ بے معنی شعر کہتا ہے۔ خود بھی ہنستا ہے لوگوں کو بھی ہنساتا ہے یہ شعر اُسی کا ہے۔

در عشق ترے جیوڑی یہ ست نچا پچ یہ پھر کی وہ دنّا یہ غچ وہ غچا پچ

اٹل - تخلص میر عبدالجلیل نام، نارنول کے رہنے والے تھے۔ میر جعفر زٹل کے معاصر تھے۔ کلام بالکل انھیں کے رنگ میں ہوتا تھا۔ نہایت بانکے سپاہی اور وضعدار تھے۔ ظرافت اور دندہ دلی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہنسی کے بغیر کوئی بات ہی نہ ہوتی تھی۔ جس زمانہ میں یہ دہلی آئے وہاں محمد عطا بانکے کا دور دورہ تھا۔ چونکہ خود یہ بھی بڑے بانکوں میں تھے۔ لہذا کبھی کبھی محمد عطا سے ان کی نوک جھونک ہو جایا کرتی تھی۔

تذکرہ نویسوں نے ان کے بارے میں عجیب خلط مبحث سے کام لیا ہے۔ مسٹر الیٹ فیلن صاحب نے ان کو بلگرامی اور سید ابوالفرح واسطی کی اولاد میں لکھا ہے۔ غالباً میر عبدالجلیل واسطی کے ہمنامی نے اُن کو دھوکے میں ڈالا۔ حالانکہ میر عبدالجلیل بلگرامی جعفر زٹلی کے زمانہ سے پہلے گزر چکے ہیں۔ تذکرہ خمخانہ میں اُن کو دہلوی لکھا ہے۔ مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ کلیات جعفر زٹلی میں ان کے نام کے رقعے موجود ہیں جن میں انھیں نارنول کا رہنے والا بتایا گیا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتی کہ یہ میاں جعفر زٹلی کے شاگرد تھے۔ میر اٹل جعفر زٹلی کو جن الفاظ سے یاد کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے بڑے دوست تھے۔ مثلاً پناہ بڑائی وچوڑائی میر محمد جعفر زٹلی بڈے بھائی ہر روز از دباؤ میاں لی سکھی باشند۔ از سید اٹل بعد از دہینگ و جوہار بہت و بسیار و منوہار بشمارا و جھل و مخفی نماند۔

اسی رقعہ میں یہ حضرت میاں جعفر سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں "امنگ ملاپ و اشتیاق آں یکہ آفاق از حد پر گھٹ و پنپت بیروں و از جہت اندیشہ افزوں لیکن بموجب آنکہ کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنًا بِاَوْقَاتِهَا حوالہ نمودہ دو انچھر مے نگارد"

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میر اٹل ابھی میر جعفر زٹلی سے ملے نہ تھے۔ اگر دہلی کے رہنے والے ہوتے تو یہ ممکن نہ تھا کہ اپنے معاصر اور ایسے مشہور معاصر سے ملاقات نہ کرتے۔ بہرصورت بہت ممکن ہے کہ اس خط کے بعد ہی وہ دہلی آئے ہوں اور پھر یہیں سکونت اختیار کی ہو اور جعفر زٹلی کے شاگرد ہو گئے ہوں۔ کلام تلاش سے بہت کم دستیاب ہوا جو کچھ ملسکا یہ ہے۔

چھپر میر اٹل ز بارش و باد — کی چکد ہیچو کہنہ بند و کشاد
تجھے دے خدا پھول پھل دودھ پوت — چو سُبْحَانَ حَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ
زلف ہے چہرے پہ یا جنجال ہے — جنبش ابرو ہے یا بھونچال ہے
رجپوت بچہ نازنیں زلفیں رکھے جوں مار کج — زلفاں کج و ابرو کج و مژگاں خنجر دار کج
ظالم کمالے شوخ و شنگ و بیمروت پر جفا — دستار او مکدار کج زلفش عجب بلدار کج
کرتی ہے قتل عاشقاں برچھی ہر وہ ترچھی نگاہ — گھوڑے چڑھا سوار کج باندھے کمر ہتیار کج
ایں طرّہ خوش رنگ او نیرنگ کاری بر دل — گاہے کج و طرّہ کج و اس طرّہ پر ہر تار کج

.....

دیکھ سجن کے حسن کو جھوم رہا ہے جگ سبھی — روز نظارہ ایسے کا ماسے اٹل اچک اچک

اثر۔ سید مخدوم عالم نام تھا۔ مارہرہ کے پیرزادے حضرت صاحب عالم مارہروی کے پوتے اور سید مقبول عالم مقبول کے خلف اکبر تھے فارسی کی قابلیت نہایت اچھی تھی تھوڑی بہت انگریزی بھی جانتے تھے۔ نظم و نثر اردو کے ماہر تھے ظریفانہ رنگ کے

اشعار بھی کہتے تھے۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں انتقال ہوا۔ کلام ایسا ضائع ہوا کہ پھر مل نہ سکا۔ مجھے ایک صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ تلاش کر کے بھیجدوں گا دو ایک مرتبہ یاد بھی دلایا مگر انھوں نے ایفائے وعدہ نہ کیا بہرصورت دو شعر مجھے مل سکے ہیں جن میں شوخی طبع کا ایک ہلکا سا رنگ ہے۔

واعظ کسی میخانہ میں ہوگا نہ گزر کیا　　جو چاہے سو کہہ لے ہمیں اللہ کے گھر میں

روٹھ گئے مجھ سے خفا ہو گئے　　بات پتے کی جو سنی کھو گئے

اجاگر۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے کسی تذکرہ میں یہ نام اور اس نام سے کچھ کلام دیکھا تھا مگر اسوقت تذکرہ لکھ رہا ہوں تو نام و کلام کچھ بھی یاد نہیں آتا۔ مجبوراً تخلص لکھدیا گیا ہے۔ سب تذکروں کی ورق گردانی کی مگر کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔

احسان۔ حافظ عبدالرحمٰن نام تھا۔ دلّی کے مشہور و معروف استاد سخن گو تھے۔ شاہزادہ مرزا فرخندہ بخت ایزدبخش مرحوم عرف مرزا تیلی خلف حضرت شاہ عالم ثانی کی سرکار میں مختار کل تھے۔ استاد سلاطین کے معزز لقب سے مشہور تھے بڑے مشہور رومسار اور شاہزادوں کے استاد تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت رکھتے تھے۔ مگر اصل توجہ غزل کی جانب تھی۔ فارسی بھی کہتے تھے مگر اردو سے تعلق خاطر زیادہ تھا۔ بلکہ آپ کا قول تھا کہ "غزل ریختہ اگر خوب باشد بہتر از فارسی ست" مگر ساتھ ہی فارسی کی مزاولت کا یہ عالم تھا کہ ہزاروں شعرا اساتذۂ فن کے آپ کو یاد تھے۔ ایک مرتبہ شاہ عالم کے اس مصرع پر "صبح بھی بوسہ تو دینا مجھے اے ماہ نہیں" یہ مصرع "نامناسب ہے میاں وقت سحرگاہ نہیں" لگا دیا تھا۔ کسی نے وقت سحرگاہ پر اعتراض کر دیا۔ یعنی۔ وقت۔

اور گاہ کا اجتماع درست نہیں۔ فوراً سند میں صائب کا یہ شعر پڑھا۔

آدمی پیر چو شد حرص جواں می گردد　　خواب سنگ وقت سحرگاہ گراں میگردد

تمام معترضین سنکر سناٹے میں آگئے۔ اسی طرح آپ کی عادت تھی کہ جہاں کوئی خلاف معمول ترکیب یا لفظ اپنے شعر میں لاتے تو سنداً کسی استاد کا شعر لکھدیا کرتے تھے۔

اکبر شاہ ثانی کے مقربین خاص میں سے تھے اور خاص خاص صحبتوں میں بھی آپ ہمیشہ شریک رہتے تھے۔ شاہ نصیر بھی چونکہ درباری شعرا میں تھے اس لئے حافظ صاحب سے اور اُن سے کبھی کبھی نوک جھوک ہو جایا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ شاہ نصیر نے انھیں پر چوٹ کرتے ہوئے یہ شعر کہا تھا۔

اے خال رخ یار تجھے خوب سمجھتا　　جا چھوڑ دیا حافظ قرآن سمجھکر

غالب مومن ذوق وغیرہ سب لوگ آپ کی عزت کرتے تھے اور آپ کو مصلح زبان جانتے تھے۔ اگرچہ رعایت لفظی کا آپ کے کلام میں کافی التزام ہے مگر پھر بھی نامانوس ترکیبوں دور از کار تشبیہوں۔ تکرار اضافات وغیرہ سے آپنے حتی الوسع احتراز کیا ہے۔ بہادر شاہ ظفر کے دربار میں بھی آپ کو رسوخ حاصل تھا۔ اور کچھ درماہہ معین تھا۔ ایک مرتبہ ماہواری کے پہونچنے میں دیر ہوئی تو آپ نے یہ قطعہ لکھکر پیش کیا۔

صید ماہی و صید دل شاہا　　خوب ہے اور کچھ نہیں معیوب
جال ہوں اور شکار مچھلی کا　　یعنی ڈوبے کا ہے نکالنا خوب
قطب صاحب تھے جب حضور گئے　　وہ دو ماہہ گیا ہے میرا ڈوب
اُس کو بھی حکم ہو نکل آئے　　صبر کب تک ہو میں نہیں ایوب

بدگویوں نے ایک مرتبہ اکبر شاہ ثانی کے کان بھر دیے تھے اسی وجہ سے غریب احسان قلعہ میں آجانہ سکتے تھے۔ سلام بحر اسب بند تھا۔ آپ نے جب یہ رنگ دیکھا تو ایک قطعہ نظم کرکے بھیجا جس کے بعد ہی فوراً قلعہ کی آمد و رفت جاری ہو گئی قطعہ کے بعض

شعر یہ ہیں۔

عرض غماز پذیرا ہوئی میرے حق میں — کیا گیا میرا مگر اسکا ہی ایمان گیا
حکم والا یہ ہوا قلعہ میں احسان نہو — سن کے اسبات اک شہر کا اوسان گیا
اے شہنشاہ جہاں قدر شناس احساں — خلق کیا کہوے گی گو حکم کو میں مان گیا
شہر وہ کیا ہے کہ جس شہر میں احسان نہو — قلعہ وہ کیا ہے کہ جس قلعہ سے احسان گیا

حضرت احسان کی پیرانہ سالی کا عالم تھا۔ مگر پھر بھی اتنے بڑے شہر دلی کا کوئی مشاعرہ ایسا نہ ہوتا تھا جہاں آپ شریک نہ ہوتے ہوں۔ تمکنت۔ غرور۔ خودداری۔ نام کو نہ تھی۔ اور لطف یہ کہ ہر رنگ میں شعر کہتے تھے شستہ اور مہذب ظرافت میں بھی ید طولےٰ حاصل تھا۔ اور تاحین حیات تفنن طبع کے طریق پر غزل ہی میں کچھ نہ کچھ ایسے شعر بھی نکال جاتے تھے جو سننے والوں کے دلوں میں شگفتگی اور مسرت پیدا کر دیتے ۱۲۶۷ھ میں پچاسی برس کی عمر پاکر انتقال کیا۔ تاریخ وفات یہ پائی جاتی ہے ؎ دل گیا بیٹھ آہ جب عالم سے احساں اٹھ گیا ہر چند اس کے عدد ۱۲۶۱ ہوتے ہیں۔ وہ کلام جس میں شستہ ظرافت شامل ہے ملاحظہ فرمایئے ؎

قاضی مے گلگوں کی حرمت ہے کتابوں میں — لیکن بڑی ذلت ہے یہ شوت کا بچا جانا
بے معنی نہیں معنی اس رمز کے دلکش ہیں — مانگ اپنی دکھا جانی چٹکی کو بجا جانا
ہے دور سمجھ اپنی یہ حکم ہو لعینی — جب رات بجے آدھی ہم پاس تو آجانا
دلاد و زلف سے دل ورنہ سب سے کہتا ہوں — کہ مجھکو ایک لٹیرے نے ہے ابھی لوٹا
تنخواہ ایک بوسہ ہے تسپر یہ حجتیں — ہے نادہند آپ کی سرکار بے طرح
نہ چھوڑ زہد جو شیخ اب تو شیخ کا اخلاص — اگرچہ پیر ہے پر ہے مرید با اخلاص
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں اندر دولت کو ہم — یاں تو دو ورخ کی پڑی ہے سیلیں گے وہاں جنت کو ہم
قیمت بوسہ جو پوچھی بولے بے قیمت ہے یہ — آؤ بے قیمت ہی لینگے جنس بے قیمت کو ہم

محتسب قہر ہے تو شوق سے نکلے انگور — اور محروم رہیں بادۂ انگور سے ہم
غفامت ہو مجھ کو ٹھکانے بہت ہیں — مرا سر رہے آستانے بہت ہیں
شکم پر در قیامت کو پچھتائیں تو میں جانوں — کہ دوزخ لئے جنت یہاں نیلام کرتے ہیں
وہ بھی بوسے مجھے اک ماہ میں لے ماہ تہ دو — وضع یہ کیا ہے کہ نوکر رکھو تنخواہ نہ دو

احسان ۔ احسان علی نام ہے ۔ صحبتیا باغ لکھنؤ میں قیام ہے ۔ تجارت وحرفت سے کسب معاش کرتے ہیں ۔ جوان آدمی ہیں تقریباً ۲۷ برس کی عمر ہے ۔ دس بارہ برس سے شعر کہتے ہیں ۔ چونکہ استعداد علمی معمولی ہے ۔ اسی لئے بہ نسبت غزل کے ہزل کی طرف زیادہ توجہ ہے ۔ غزل بھی جب کہتے ہیں تو اچھی کہتے ہیں ۔ ورنہ مدتیں گزر جاتی ہیں اور ایک مصرع بھی زبان پر نہیں آتا ۔ جناب شمس لکھنوی کے شاگرد ہیں ۔ راقم الحروف کے بھی شناسا ہیں ۔ نمونہ ظرافت یہ ہے ۔

ابے دربان ڈانٹتا کیا ہے — آئے ہم تیرے باپ کا کیا ہے
آئے ہیں وہ گدھے پہ ہو کے سوار — اب مسیحائی میں رہا کیا ہے
چوریچ دکھلا کے مجھ سے کہتے ہیں — یوں نہ ہو چھیڑ تو مزا کیا ہے
دونوں یکساں ہیں اہل دل کے لئے — توچی کیا اور تانکا کیا ہے
سن لیا ہے جو نام احساں کا — کہہ رہے ہیں وہ مسخرا کیا ہے

جھنجھلا کے قیس بولا دربان کی نہیں پر — اچھا بچا کسی دن تنہا ملو کہیں پر
یہ کالے کالے مسے کب ہیں رخ حسیں پر — حبشی بچوں نے ڈاکا ڈالا ہے ملک چیں پر
آزادیوں کا تمکو گر فیض دیکھنا ہو — نسوانی اک مدرسہ قائم کرو کہیں پر
تم میرے پیارے جانی اور میں تمہارا خادم — یوں حاشیہ چڑھایا میں نے چنال چنیں پر
مونچھوں سے کوئی سیکھے پست و بلند ہونا — اونچی بھی ہیں کہیں پر نیچی بھی ہیں کہیں پر

دیکھا میاں افیمی پینک کا رنگ دیکھا
ٹانگیں ہیں آسماں پر اوندھا ہے سر زمیں پر

مشکل نہیں ہے کوئی احسان وصل کی شب
آسانیاں ہیں صدقے عاشق کی وسیلیں پر

زر کو اس درجہ پیار کرتے ہیں
جورو بھی مالدار کرتے ہیں

رنجہ کبھی پکڑ کے کہتے ہیں
یوں شکار ہی شکار کرتے ہیں

کیا زمانہ بہادری کا ہے
مرد کو مرد پیار کرتے ہیں

آپ کے باپ کا اجارا ہے
ایک کیا ہم ہزار کرتے ہیں

مسی آنکھوں میں سرمہ دانتوں میں
اب وہ الٹا ستکار کرتے ہیں

ترقی انفلوانزا نے اتنی کی زمانے میں
کہ عطاروں نے رکھ دیئے آلو بخارے دوا میں

اکڑ کر بیٹھتا اُن کا گدھے پر صاف کہتا ہے
سمجھتے ہیں کہ ہم بھی ہو گئے ہیں شہسوار دنیا میں

کوئی ہے بوجھنے والا پہیلی اک بجھاتا ہوں
وہ کیا شے ہے جو مرجھائے تو مل جائے چھوہارے میں

نکل آئے ہوا سے احساں ادھر تو ذائقہ چکھ لو
غذائیں اچھی ملجاتی ہیں اکثر پردہ دار دنیا میں

بیکاریوں کا شغل جو آزار ہو گیا
ہر دن ہمارے واسطے اتوار ہو گیا

پھانسا ہے مرغ دل کو مرے دام زلف میں
اب تو وہ رشک حور چڑیمار ہو گیا

پھوں پھوں سے میرے زہرہ کیا آب غیر کا
نالہ اثر میں سانپ کی پھنکار ہو گیا

احساں رہیگا چوہوں کا یہ دستنوں کے سر
گرفیر کو پلیگ کا آزار ہو گیا

کچھ غم نہیں جو زخمی پھر انا مہ یہ مرا
اچھا ہوا کہ سادہ تھا گلدار ہو گیا

چھپکا لگا کے آیا ہے روئے صبیح پر
اب تو وہ ماہ اختر دمدار ہو گیا

جواب صاف بزازوں کو ہر اک مل سے ملتا ہے
کفن اب مرنے والوں کو بڑی مشکل سے ملتا ہے

عمر بھر یوں ہی رہا ہمکو فراق جاناں
جس طرح ماہ ستمبر سے نومبر نہ ملا
کس طرح وعدہ وفا ہوتا کرسمس ڈے کا
جنوری ہی میں ہمیں ماہ دسمبر نہ ملا
عمر بھر خواب میں دیکھے ہیں محلات اسکا
پر مقدر سے کبھی رہنے کو چھپر نہ ملا

صدقے میں اس بنی ہوئی متوالی چال کے
اکبار پھر چلو ذرا کو لا اچھال کے
تہوار بھی وبال ہیں باعث ہے کال کے
کی اب کی عید خالی سویاں ابال کے
ٹھکرا کے قبر ہو گئے لنگڑے ادا بڑھی
اب چلیے خوب شوق سے کولا اچھال کے
بعد صیام دیکھیں خستہ حال ہوں
کھائے ہیں میں نے روزہ دنیں ٹکڑے بھال کے
دل صاف کر کے آئے ہیں محفل میں آج شیخ
لا ساقیا شراب کٹورا کھنگال کے

اثر آخر کو کام آ ہی گیا جذب محبت کا
میاں زاہد کے گھر ڈولا گیا بی بی فضیلت کا
ترکین میں یہ عالم ہے میاں مجنوں کی الفت کا
کھلونا ڈھونڈتے پھرتے ہیں بی لیلی کی صورت کا
مکان دل شکستہ ہو گیا ہے اور اسدن سے
ہوا ہے شوق انکو جیسے عاشق کی مرمت کا
میاں مجنوں نے اے احسان سنتے ہیں کہ رحلت کی
صفا چٹ ہو گیا میدان صحرا سے محبت کا

وصف لکھنے کے لئے اس غیرت شمشاد کا
ہو قلم بھی جیسے گھنٹا گھر حسین آباد کا

.....

جرمنی کو لو تو اسنی میل تک دیتا ہے کام
آسماں تک جاتا ہے گولا مری فریاد کا

احسن - ان کا نام قاسم نے اپنے تذکرہ میں احسن قلی - اور مرزا علی لطف اور صفیر بلگرامی نے اپنے تذکروں میں صرف مرزا احسن نامی خوشنویس اور صنعتخانہ میں احسن لکھا ہے - مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ان کے اشعار میں ظرافت شامل ہوتی تھی - مگر افسوس کہ اہل تذکرہ نے ظرافت کا کلام درج نہیں کیا بڑی دقتوں کے بعد ایک دو شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں -

کہا جو میں نے کہ تیرے کو ترے قمر نہ لگا — بگڑ کے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا

جام سے ساقی کے آگے لائے جوں مجلس کے بیچ — غیروں کو پیہم دیے اور یار منھ کھولے رہے

اکثروں نے پی اور اکثر قطرے کو ترسا کیے — تر ہو گئے دو چار اور دو چار منھ کھولے رہے

احمق - اسم گرامی مسمی خاں ہے - پھپھوند ضلع اٹاوہ کے رہنے والے ہیں - اور وہیں شورے کی ایک فیکٹری قائم کر رکھی ہے غالباً فی زماننا وہی ذریعہ معاش ہے آپ کی عمر اسوقت ۴۵ - ۴۶ - برس کی ہوگی - مشق شاعری بھی بیس پچیس برس کی ہوگی - آپ عاشقانہ رنگ کی غزلیں فرماتے ہیں اور اسی میں جا بجا ظرافت بھی شامل ہوتی ہے - ۲۱ء یا ۱۹۲۲ء میں جب آپکو سیاسی معاملات میں قید ہو گئی اسی زمانہ میں آپ نے سیاسی مضامین کو بھی داخل غزل کر لیا - اور ایک چھوٹا سا مجموعہ زندان حماقت کے نام سے شایع کرا دیا جسکو دیکھکر اپنی مذاق اور پسند کے موافق چند شعر انتخاب کر کے نذر ناظرین کرتا ہوں آپ کی علمی لیاقت وغیرہ کا حال اگرچہ مجھے صحیح طور پر معلوم نہیں ہے - مگر کلام کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو فارسی عربی انگریزی میں آپ کو بقدر ضرورت دستگاہ حاصل ہوگی نہایت خلیق - ملنسار اور نیک طینت آدمی ہیں - غائبانہ بذریعہ مراسلت خطوط راقم سے بھی ملاقات ہے - انتخاب درج ذیل ہے -

نئی حد بندیاں ہونے کو ہیں آئین گلشن میں — کہو بلبل سے اب انڈے نہ رکھے آشیانے میں

اللہ اللہ کس قدر سہمے ہوئے رکھتے ہیں پاؤں
خاک عاشق کیا ہے گویا جرمنی بارود ہے

کہتے ہو کہا جائینگے کچا ترے دل کو یہ کیا
وہ بھی ہے ناشپاتی ہی کوئی امرود ہے

میرے سنبھالنے کی فکر ہیں تو بعد کی ہیں
پہلے ذرا تم اپنا پتلون تو سنبھالو

شام و عراق و ٹرکی سب ہیں تمھاری خاطر
مرقد کی فکر کیا ہے چاہو جہاں بنالو

بھاگنے کی ہے یہاں راہ نہ پٹنے کی سکت
آہ لائی ہے کہاں حسرتِ دیدار مجھے

میں وہ پنڈت ہوں کہ اس دور کے اکثر مہراج
دور سے دیکھ کے کرتے ہیں نمسکار مجھے

کھڑے ہو کر جنھیں پیشاب کرنا بھی نہیں آتا
وہ ناحق کرسیوں پر بیٹھنے کی مشق کرتے ہیں

یہ شوخی یہ شرارت یہ دل آرائی کہاں اُن میں
بسوں کے چاہنے والے کہیں حوروں پہ مرتے ہیں

رقیبِ روسیہ کی صورت و سیرت معاذ اللہ
بلا تشبیہ وہ لنگور کی اولاد بندر ہے

سنبھل او آسماں پتلون کے تسمے ذرا کس لے
کہ میری آہ سوزاں اب مرے کہنے سے باہر ہے

صحبت صالح میں رہ کر ہو گئی اصلاح حال
میں گدھا تھا شیخ کے پاس آ کے خچر ہو گیا

یہ تیرے دہن کی ہے مہک یا بتِ بدخو
بو تیل کی پھیلی ہے کنستر سے نکل کر

خانۂ دل میں خیال یار رہنے دیجئے
اس مکاں میں یہ کرایہ دار رہنے دیجئے

ہیڈ کر دیجئے عدو کو شہر میں لیکن مجھے
گاؤں کا اپنے ہی چوکیدار رہنے دیجئے

جا نہیں سکتی عدو کی سستی اعصاب عشق
روغن زرنیخ و سم الفار رہنے دیجئے

دوڑتا آئیگا احمق آپ کا خط دیکھکر — اُسکو کارڈ بھیجدیجئے تار رہنے دیجئے

باوجود اس اتفاقِ خاص کے بھی شیخ جی — بارہا پکڑے گئے ہیں اُسکے گھر جاتے ہوئے
ایسے وعدے سے تو اچھا تھا کہیں انکار وصل — دو مہینے ہو گئے ظالم کو ٹرخاتے ہوئے
ریل گاڑی میں لکھی ہے ہمنے احمق یہ غزل — فتح گڈھ سے آگرہ کی جیل کو جاتے ہوئے

گلِ عارض پہ ترے بلبلِ شیدا کی طرح — ایک اُلّو بھی تو کمبخت غزلخواں نہوا

چمن جب نذرِ صرصر ہونے والا ہے تو اے بلبل — یہاں یہ گھونسلے کس واسطے تو نے بنائے ہیں
وفا کا امتحاں گو سخت تھا لیکن میاں کلّو — خدا کا شکر ہے کالج میں سب فسٹ آئے ہیں
مزا لوٹا نہیں گلچینیِ باغِ محبّت کا — ابھی تک آپنے اے جانِ من کپڑے اوڑائے ہیں

خداوندا تعلق کچھ تو حسن و عشق کا کر دے — مجھے بندر بنا دے یا انھیں کو تو گدھا کر دے
وہ گھر جانے کو ہیں لیکن کوئی ایسا نہیں ملتا — جو دو روٹی پکا کر ساتھ اُنکے ناشتا کر دے
دلِ عاشق فراغت کی جگہ ہے تم جو فرماؤ — وہ اس گھر کو تمھارے واسطے بیت الخلا کر دے
وہ کچھ باتیں بنا کر دل مرا لیجانے والے ہیں — الٰہی دو گھڑی کے واسطے مجھکو گدھا کر دے

جب کوئی اونٹ دیکھتا ہے قیس دور سے — چلّاتا ہے کہ وہ مری لیلا سوار ہے

..... — .....

..... — .....

لڑکپن ہی میں جنکو دل چرا لینے کی عادت ہے
ڈکیتی پر بھی آجائینگے وہ شائد جواں ہو کر

مرا دل اور انکی آرزو یوں ہیں بہم گویا
رہیں دو آدمی باقاعدہ بیوی میاں ہو کر

اک پردہ نشین جب سے کرایہ پہ ہے آئیں
رہتا ہے مرا خانۂ دل آٹھ پہر بند

کسدرجہ پشیمان ہوئے ہیں وہ سرِ بزم
پاجامے میں اتنا بھی نہ بودا ہو کمر بند

دل کی قیمت چار پیسے بھی نہیں لگتے وہاں
اک پیالی چائے کی حسرت بھی اب تک دل میں ہے

کہہ رہا ہے یہ آپ کا انکار
تو بت آئے گی ہاتھ پائی کی

کشتی دل کی بحر آتر میں
لاٹ صاحب نے ناخدائی کی

ہائے تقریب وصل کیا ہو گی
ان کو عادت نہیں مٹھائی کی

منڈ گیا جا کر ان کے کوچے میں
کیا حجامت ہوئی ہے نائی کی

سچ تو یہ ہے کہ شیخ جی تھے
کاٹ لی ناک پارسائی کی

آنکھوں نے رو کے نام ہی بالکل ڈبو دیا
گنگا کا گھاگرا کا اٹک کا چناب کا

شیخ اشتہار بانٹتے پھرتے ہیں شہر میں
نیلام ہونے والا ہے ٹھیکہ شراب کا

دورِ سبو ہے اور وہ یوں بے تکان ہے
گویا جناب شیخ کے گھر کی دکان ہے

ذلت اٹھا کے غیر وفادار بن گیا
ہلدی جو پس گئی ہے تو اب زعفران ہے

تعزیر اگر نہ دینگے مجھے جرم عشق پر
پاجی گدھا سوار تو مقرر بنائینگے

شیرینی وفا کی ہے بہتات گر یہی — حلوا فروش گڑ کو بھی شکر بنائینگے

سوال وصل پہ مار وعدہ کو — یہ اس الو کے پٹھے نے کہا کیا
ہمارا دل ہے ہم چاہے جسے دیں — میاں ناصح تمہارے باپ کا کیا
چلے کالج سے پہونچے کونسل میں — ہماری ابتدا کیا انتہا کیا

ہمارے دل کا کوئی راز داں نہیں ملتا — یہ اونٹ وہ ہے جسے قدر داں نہیں ملتا
کچھ اُن کو اپنی جفاؤں پہ غیرت آئی ہے — تو ڈوبنے کے لئے اب کنواں نہیں ملتا
وہ مرگ غیر پہ اظہار غم کریں کسطرح — کرایہ پر بھی کوئی نوحہ خواں نہیں ملتا

تو نے اے عشق زنخداں ہو کے ارزاں سچ یہ ہے — سیب جیسی چیز کو ہم نرخ شلجم کر دیا
کام آئی عاشقوں کے انکی دریوزہ گری — کچھ دنوں کے واسطے آٹا فراہم کر دیا

حرص کو تر ہو تو دوزخ میں جلوں اے ساقی — مجھکو کچھ اور نہیں چاہیئے کنٹر کے سوا
اور تقاضا کیا مجھے پالش کا صلا کیا ملتا — حضرت بوٹ کی سرکار سے ٹھوکر کے سوا
بس وہیں بیٹھ کے فرمائینگے تلقین صلوٰۃ — شیخ جائیں گے کہاں بزم مزعفر کے سوا

دل شیخ محو مناجات ہے — شب لیلۃ القدر کی رات ہے
وہاں چھپ کے جاتا ہے غیر اسطرح — جو دیکھے یہ سمجھے مسمات ہے

جاگیر بخشد کام ہی آئی کہ آخر مسٹر — مجنوں کا خاندان زمیندار ہو گیا

لکنت نے خوب کام بنایا وہم وصال
انکار کرنے والے تھے اقرار ہو گیا

قدر موزوں کو جانتا ہوں کیجو
شاعری مجھکو کر نہیں آتی

دور دورا ہے چمن میں ظلم و استبداد کا
خوب آلو بولتا ہے آجکل صیاد کا
پیسنے آئی ہے تربت میں مجھے سختی گور
لاٹ صاحب کی دہائی وقت ہے امداد کا
ہمنشینوں کی جدائی شاق ہو جاتی مگر
ہے چڑیا روں کے ٹولے میں نکال صیاد کا

جتنے سخن طراز ہیں مست خرام ناز ہیں
یار کی ڈیڑھ ٹانگ میں لطف ہے مستزاد کا

تیری نگہ کے واسطے اے فتنہ خو نہیں
دل ہے ہمارے پاس مگر فالتو نہیں

آنکی الفت سے تو بہتر تھا کہ ہم
کہیں بندر ہی سنچا یا کرتے

ہاتھ آتے جو وہ شیریں لب
ہم بھی شیرات کو حلوا کرتے

ایک بی بی تین بچے ایک والد ایک ہم
آپ ہی کہئے گذر کس طرح ہو فٹفٹین میں

ایک چمچی ایک پاخانہ کا برتن ایک کپ
کون کون اپنا شریک قید تنہائی نہ تھا
مونڈتا ایسا کہ سر میں ایک بھی رہتا نہ بال
خیر گزری جا ہنے والا ترا نائی نہ تھا
یہ سمجھکر بھی بغیر اس بزم کے سیری نہیں
ان کے ہاں کتنے کی عزت ہے مگر سیری نہیں

ہم اور عرض مطلب اُنسے عدو کے گھر میں
دیکھیں تو بال کتنے رہتے ہیں آج سر میں

ہیں یاس حسرت و غم فکر دل و جگر میں
ان بالشتوں بکوں سے ہو ملک جاں خطر میں

ہر دم یہی تماشا ہے انکی رہگذر میں
نکلا اک اُنکے گھر کو پہونچا اک اُنکے گھر میں

غربت میں جو میسر ہو جاے ہے غنیمت
گاڑھے میں نقص کیا ہے خوبی ہو کیا ٹسر میں

کلّیں تو شاید طے ہو رہ محبت
ہے راہزن کا کھٹکا ہوں فکر راہبر میں

کل قصد ہے مرنا صبح تشریف آوری کا
پسوا کے تھوڑی ہلدی رکھ آئیے گا سر میں

.....

بوسے میں ہے ملاحت گالی میں ہے حلاوت
کچھ ہے شکر نمک میں کچھ ہے نمک شکر میں

.....

دل جسپہ مبتلا ہے بس ہے وہی دل آرا
مانا ہیں داغ رخ پر مانا ہو کج سر میں

کہتے نہ تھے کہ دیکھو دشمن سے دور رہنا
اب کیا بتائیں تمکو کیوں درد ہے کمر میں

کہتے ہیں وہ الٰہی غارت ہوں یہ نگوڑے
چھوڑا نہ ایک ٹکڑا ان بندروں نے گھر میں

ڈر ہے جناب احمق جوتے نہ کھائیں اکدن
چھپ چھپا کے روز قبلہ جاتے ہیں اُن کے گھر میں

اسد - جناب اسد علی قدوائی کا تخلص ہے جو جناب احد علی قدوائی کے بھائی ہیں لکھنؤ میں قیام ہے جس زمانہ میں کیننگ کالج میں پڑھتے تھے تو ایک مشاعرہ سالانہ میں میں نے آپکو دیکھا تھا نوجوان خوش مذاق ہیں اُس زمانہ میں ظرافت کرتے تھے نہ معلوم اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے یا نہیں - چونکہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہیں اس واسطے صرف کلام درج کرتا ہوں -

اُٹھا پردہ بس اب آزادیاں بڑھتی ہیں نسوانکی
یہ ہے تاثیر یورپ کے جنون فتنہ ساماں کی

وہ بولے لڑکے مرجا غیر سے میں نے کہا اوں ہونہہ
بس اتنی بات نے مجھکو ہوا کھلوائی زنداں کی

جہاں تاریک ہے نظر دل میں مشرق کی یہ حالت ہے
سیاہی ہے یہ اے مغرب تری زلف پریشاں کی

سنا ہے چاک کی ہے غیر کی تو نے اسنے خنجر سے
ہے غل سبزی فروشوں میں لگی تربوز میں ٹانکی

نتیجہ مونچھ نیچی کرنے کا میرے ہوا ظاہر
ادا بانکی تھی پہلے اُن کی اب ٹیڑی بھی ہے بانکی

نہ پائی نوکری حبیب میم صاحب نے تو فرمایا
چلو مس خاک اڑائیں چلکے یورپ کے بیاباں کی

نبی جی بھیجو کا زاہد اثر مہنگی میں دکھلاد
چڑھو ممبر کے اڈے پر بنا کر شکل ٹٹیاں کی

وکٹ تھاپی لئے پھرتے ہیں میدان فضیلت میں
ترقی تیز سیڑھی ہے یہ اطفال دبستاں کی

اسرار۔ زمانۂ حال کے ایک شاعر ہیں بائیس تئیس برس کی عمر ہے۔ فارسی کی تعلیم معمولی ہے انگریزی میں بی اے تک تعلیم پائی ہے۔ نوجوان ہیں مگر زندہ دل معلوم ہوتے ہیں۔ میرے شناسا اور دوست ہیں مگر اپنا نام اور پتہ لکھنے کی اجازت نہیں دی کبھی کبھی ظرافت میں کچھ شعر کہہ لیتے ہیں۔ جس سے کوئی اظہار کمال مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف اپنے تفنن طبع کے لئے۔ کلام کا نمونہ یہ ہے۔

اُن کے لب سے جو رال بہتی ہے
اسکو کہتا ہوں قند کا شیرا

نہ آلو نہ گھیاں نہ شلجم نہ ٹینڈس
مقدر میں عاشق کے لکھا ہے ڈھینڈس

وہ ٹھیلے کے اوپر سفر کر رہے ہیں
فٹن ہے نہ گھی نہ موٹر نہ پلیس

مری ہر تمنا پہ کہتے ہیں اوں ہونہہ
ہیں پتھر نہیں ہوتے دم بھر کو ٹس مس

وہ اوڑھے دوپٹا میں باندھے ہوں صافا
جو وہ نازنیں ہیں تو میں ہوں مقدس

آلو میں نے تجھے بنایا
مجھکو کھوسٹ خطاب دیدے

رُکنا کرتا ہے سخت نقصاں — جلدی جھٹ پٹ جواب دیدے

.....

کیا بتاؤں میں تمہیں حال رُخِ یار کا ظلم — خون پیتا ہے مرے جسم کا کھٹمل بنکر

چپتیں کھاتی پڑیں حجامت پر — سر منڈاتے ہی پڑ گئے اولے
نہیں ملتے ہو تم، تو سوتا ہوں — سنکھیا کھالے پونے دو تولے

یہ کہتا ہے جو گر جاتا ہے کھٹمل چارپائی کا — نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا
جو اپنا سر جھکاتا ہے حجامت اسکی کرتے ہیں — حسینانِ جہاں کرتے ہیں اکثر پیشہ نائی کا

سبب کیا ہے جو یوں لیکر چھری پیچھے پڑا میرے — میں مُون دلاد بکرے کی نہ میں بچہ قصائی کا

مولوی محمد اسمٰعیل - آپ میرٹھ کے رہنے والے اور زمانہ آخر کے ایک مشہور نثار اور ادیب تھے سررشتۂ تعلیم کے لئے جیسی کتابیں آپ نے لکھیں ویسی آجتک سرکاری مدارس کے لئے کتابیں نہیں لکھی گئیں - آپ کی بیسیوں نظمیں آج بھی بچوں کی زبانوں پر ہیں - علاوہ نثر نویسی کے آپ ایک زبردست شاعر تھے - مرزا غالب مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے زمانہ کے رسم و رواج اور مقتضائے طبیعت سے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی فرماتے تھے - مگر آپ کی ظرافت نہایت شستہ متین عبرت انگیز اور ناصحانہ ہوتی تھی - حالی مرحوم اور مولانا سے مذکور کا ایک رنگ ہے - بلکہ بعض باتوں میں آپ حالی مرحوم سے پیش پیش ہیں - آپ تمام عمر تعلیم کے محکمہ میں گورنمنٹ کے ملازم رہے

اور اپنی خدمات کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ صلہ میں گورنمنٹ سے خان صاحب کا خطاب بھی حاصل کیا۔ آخر میں پنشن لیکر میرٹھ چلے آئے تھے مگر باوصف پیرانہ سالی کے بھی آپ کے علمی اور تعلیمی مشاغل میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور آخر وقت بچوں کیلئے نہایت مفید مفید کتابیں لکھتے رہے۔ تقریباً ۷۰ برس کی عمر میں بمقام میرٹھ ۱۹۱۶ء یا ۱۹۱۷ء میں انتقال فرمایا۔ آپ کی تصانیف سے متعدد مفید کتابیں۔ اور ایک کلیات نظم یادگار ہے۔

آپ نے ایک قصیدۂ جریدہ عبرت کے نام سے کہا ہے جسمیں اہل زمانہ کی غفلت اور کجروی پر خوب خوب طنز و ظرافت کی گئی ہے۔ یہ قصیدہ نہایت طویل ہے لہذا بعض اشعار منتخب کرکے درج کرتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ عجیب قصیدہ کہا ہے۔ جس میں نصائح کے زہر کو ظرافت کی چاشنی دیکر شربت کی صورت میں پیش کیا ہے۔

میں شاعرانہ روش پر نہیں قصیدہ نگار — یہ ایک سادہ گزارش ہے یا ولی الابصار
کہ اب کے ماہ محرم میں ساتویں تاریخ — گیا جو گھر سے قضارا بجانب بازار
تو دیکھتا ہوں کہ گزری میں ایک اکھاڑہ ہے — اور اتنی بھیڑ کہ جسکا نہیں حساب و شمار
ہیں دو حریف مقابل لئے چھری گتکا — ہر اک فن پھکیتی میں طاق اور طرار
جو اس نے پاؤں بچایا تو اس نے سر تاکا — دکھایا چہرہ تو پہلو پہ جا کیا ہے وار
عجیب ٹھاٹھ نئے پیترے غضب پھرتی — نرالے ڈھنگ سے کرتب کا کرتے ہیں اظہار
چلا ہے ایک بنوٹی کا باندھکر چکر — کھڑا ہے ایک لئے سیف لڑ رہا ہے کٹار
ہیں اپنے دل میں لگا کہنے کیا صاقت ہے — مٹے ہوئے ہیں جو اس فن پہ یہ خدائی خوار
سپہ گری کا یہ فن تھا کسی زمانہ میں — نہ وہ زمانہ رہا نہ اب صورت پیکار
کہاں ہیں اب وہ دلیران صف شکن باقی — کہ ان فنوں پہ ہوتے تھے جان و دل سے نثار
جواب دل نے دیا کہ مت تعجب کر — میں اس سے بڑھ کے سناؤں زمانہ کے اطوار

(شاعر)

سخنورانِ زماں کی بھی ہے یہی حالت
کہ اس قدیم ڈگر کو نہ چھوڑیئے زنہار

سوائے عشق نہیں سوجھتا انھیں مضموں
سو وہ بھی محض خیالی گھڑت کا اک طومار

ہے شاعری میں یہ پہلا اصول موضوعہ
کہ جھوٹ موٹ کے بنجائیں ایک عاشق زار

تمام اگلے زمانہ کا ہے یہ پس خوردہ
کہ گزرے ہیں جگالی وہ جسکی سو سو بار

کمال اپنا سمجھتے ہیں خودستائی کو
نہ ننگ ہے نہ حیا ہے نہ شرم و غیرت و عار

جو اپنے فخر پہ آئیں تو بس کریں تسخیر
حدود ہند سے لے تا بہ فارس و تاتار

ہے ایک غار میں پانی سڑا ہوا البرتہ
پڑا ہے نیم کا پتہ اور اس پہ پشہ سوار

وہ پشہ آپ کو سمجھا ہے ناخدائے جہاز
اور اس سڑے ہوئے پانی کو لجۂ خوار

اسی طرح ہیں ہمارے زمانہ کے شاعر
سمجھتے اپنی خرافات کو ہیں عین وقار

کیا ہے نام زٹل قافیہ کا اپنے سخن
وہ کنکری ہے جسے کہتے ہیں دُرِ شہوار

جو ان کے دیکھئے دیوان تو بورے لڈو
غلیظ و گندہ سراسر نتیجۂ افکار

وہی ہے شاعر غرا جو بے تکی ہانکے
یہی ہے شعر کا اس دور میں بڑا معیار

یہ انکی طبع بلند اور معنی رنگیں
جو طبع گر ہے تو معنی سڑا ہوا مردار

نہ جس سے طبع کو تفریح ہو نہ دل کو خوشی
غزل ہے یا کوئی بذیان ہے یو قت بخار

(نمونہ غزل)

صفت ہے دوست کی جلاد و ظالم و غدار
ستم شعار دل آزار بے وفا مکار

ہے دلبروں کی بھی شامت نہ منہ رہا نہ کمر
بجائے زلف کے دو اژدہوں کی ہے پھنکار

یہ آپ کے گل عارض وہی ہیں باسی پھول
پڑی ہے نزع کی حالت میں نرگس بیمار

جو ڈن ہال کی محراب ہے خم ابرو
تو ہے مژہ بھی پولس کے سپاہیوں کی قطار

زنخ کنواں ہے کہ جس میں ڈبو چکے لٹیا
بھنور ہے ناف کہ جس سے نہ ہو گا بیڑا پار

تازہ ہے

شبِ فراق کا دُکھڑا اگر کریں تحریر
تو ایشیا کو ڈبو دیوے دیدۂ خونبار

وہی لنڈوری ہے قمری تو پر نچی بلبل
وہی ہے سرو کا ٹھنٹ اور طول قامت یار

غریب شیخ پہ ہر دم دو لتیاں جھاڑیں
کریں مساجد و کعبہ سے دم دبا کے فرار

ہے چرخ پیر تو مدت سے شاعروں کا پیر
یہ کوستے ہیں اُسے یہ مریدتا ہنجار

جمال یوسف و اعجاز عیسیٰ و موسیٰ
ہیں انکی گندہ دہانی کے سامنے سب خوار

نہ کچھ خدا کا لحاظ اور نہ انبیا کا ادب
یہ اُن کی نور بھری شاعری خدا کی مار

ہیں ان کی طبع دنی عنکبوت کا جالا
اور اُن کی بندش مضموں ہے مکھیوں کا شکار

وہ توڑتے نہیں لقمہ مبالغہ کے بدون
بغیر بھنگی کے جس طرح چل سکے نہ کہار

سدا دروغ کی کرتی ہیں مکھیاں بھن بھن
چپک رہا ہے لبوں پر جو شیر کا گفتار

لکھیں جو قصہ تو دیو و پری کا افسانہ
لگا دیں کذب کے ڈھیر اور جھوٹ کے انبار

کریں چڑیل کو حوران خلد سے نسبت
بنائیں اونٹ کٹیلے کو گلشن بے خار

جب انپہ ہوتے ہیں مضمون مبتذل وارد
تو گویا عرش سے اتری چمار کو بیگار

کریں جو مدح کسی چرکٹے کی وہ بالفرض
تو پھر سکندر و دارا ہیں اُنکے باج گزار

بنائیں اُسکے تئیں بر و بحر کا سلطاں
جو فی المثل ہو کوئی کوردہ کا نمبردار

ہے سچ تو یہ کہ انھیں شاعروں کے قالب میں
لیا ہے جھوٹ نے کلجگ میں آن کر اوتار

مشاعرہ ہو تو لڑتے ہیں جیسے ٹیٹنی مرغ
لہو لہان ہیں پنجے شکستہ ہیں منقار

وہ خود فروش بنے آج اُستاد زماں
کہ جن سے کوئی ٹکے سیکڑا نہ لے اشعار

اگر سنیں کہ ہوا ہے فلاں رئیس علیل
تو پہلے قطعۂ تاریخ کر رکھیں تیار

اجڑ گئے ہیں وہ تھان اور لد گئے ڈیرے
جہاں کہ آتے تھے یہ بھانڈ کاغذی ہتھیار

جہاں خوشامدیوں شاعروں کی تھی بھرتی
اب ایسی کاٹھ کی اُلو نہیں کوئی سرکار

فلسفی علما

نہ شاعروں ہی پہ تنہا پڑے ہیں یہ پتھر
کہ عالموں کا بھی اسی دور میں ہے شمار

وہیں ہیں آج جہاں تھے یہ دس صدی پہلے
گیا ہے قافلہ دور اور ٹٹولتے ہیں غبار

وہی قدیم زمانہ کا فلسفہ سٹیل
ہو جیسے کہنہ کھنڈر کی ڈھہی ہوئی دیوار

چونکہ قصیدہ بہت طویل ہے اس لئے اسی پر اکتفا کی گئی۔

اسلامیات کا حصہ تھا اگر نام و نمود
پڑھتے پھرو اب آن کے مزاروں پہ درود

کچھ ہاتھ میں نقد رائج الوقت بھی ہے
یا اتنی ہی پونجی پہ رم سلطان بود

کیا کہتے ہیں اس میں مفتیان اسلام
جب بیع مساجد سے نہیں چلتا کام

تو وجہ کفاف کے لئے مومن کو
جائز بھی ہے یا نہیں خدا کا نیلام

بے کار نہ وقت کو گزارو یارو
یوں سست پڑے پڑے نہ ہمت ہارو

برسات کی فصل میں ہے ورزش لازم
کچھ بھی نہ کرو تو مکھیاں ہی مارو

لاکھوں چیزیں بنا کے بھیجیں انگریز
سب کرتے ہیں دندان ہوس اپنے تیز

پڑتے ہیں مگر علوم انگریزی سے
گڑ کھاتے ہیں اور گلگلوں سے پرہیز

استہا۔ ایک ایرانی شاعر کا تخلص ہے جن کا اصلی نام مرزا عبد اللہ تھا ان کا مولد اصفہان تھا وہیں نشو و نما پائی اور معمولی تعلیم بھی اسی سرزمین میں حاصل کی۔ استہا کے والد کا نام حاجی فریدوں تھا جو گرجستان سے ایران میں آئے اور اپنی بیوی کو بھی کہ وہ بھی گرجن تھیں اپنے ہمراہ لے آئے ۱۲۴۵ھ میں مرزا عبد اللہ

پیدا ہوئے اور اپنے والد کے سایۂ عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ یہ ابتدا ہی سے نہایت ذکی اور ذہین واقع ہوئے تھے۔ مگر بدنصیب ابھی اول درجہ کے بچہ ہی تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اوٹھ گیا۔ اور بیچارے اشتہا کو مدرسہ میں داخل ہونے کی ضرورت پڑی۔ کیونکہ بغیر اس کے اوقات گزاری کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ اسی حالت میں یہ تحصیل علوم میں مشغول رہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ خوشنویسی کی بھی مشق کرتے رہے۔ چند روز میں صرف و نحو۔ منطق۔ کلام۔ عروض و قافیہ میں کمال حاصل کر لیا علم کے ساتھ ہی ساتھ ان کی خوش بیانی اور ظرافت بھی ترقی کرتی رہی تا اینکہ علوم سمیہ سے فراغت کرتے پر ایک زبردست ظریف بن گئے اور ان کی ہر طرف شہرت ہو گئی۔ اور ابتدا ہی سے یہ بھی شوق دامنگیر تھا کہ اپنے معاصرین اور متقدمین کا عمدہ کلام بیاض کے طریق پر جمع کرتے رہتے تھے۔ اسی شغف اور غلو کی وجہ سے خود ان کو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ مگر جب یہ خیال آیا کہ ہزاروں ذی کمال شعرا گزر گئے اور آج ایسے گوشۂ گمنامی میں پڑے ہیں کہ کوئی اُن کو جانتا بھی نہیں تو کچھ دل افسردہ ہو کر رہ گئے مگر طبیعت کے ابھار اور دلی جوش نے نچلا نہ بیٹھنے دیا۔ یہ چشمۂ ظرافت کی صورت میں پھوٹ نکلا اور زور و شور سے بہنے لگا۔ مگر ظرافت میں بھی ایک خاص قسم اختیار کی۔ یعنی تمام کھانوں مٹھائیوں میووں اور بھوک کا ذکر کرنا اپنے اوپر فرض کر لیا۔ اور آخر کار وہ تمام کلام اچھا خاصہ شکرستان ظرافت بن گیا۔ مگر زمانہ اہل کمال کا ہمیشہ دشمن رہا ہے۔ اشتہا بیچارے ہمیشہ مفلوک الحال پریشان روزگار رہے۔ کبھی پیٹ بھر کھانا نصیب نہ ہوا۔ آخر اسی عالم کس مپرسی میں ۱۲۸۹ھ میں انتقال کیا۔ خرم نے اُن کی تاریخ وفات کہی۔

افسوس کہ اشتہائے با فضل و ہنر — از ملک فنا سوئے بقا کرد گزر
گفتا پئے تاریخ وفاتش خرم — اے وائے کہ اشتہا ندارم دگر

اشتہا نہایت نیکدل اور غیور تھے۔ کسی سے سوال کرنے کو نہایت برا جانتے تھے۔ اپنا فقر و فاقہ حتی المقدور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیتے اور غالباً معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ اُن کے کلام میں ظرافت بہت ہے۔ مگر وہ اسی حد میں محدود ہے جسکا ہم ذکر کر چکے۔ پختگی اُن کے یہاں قدما سے کم نہیں۔ مگر قدیم زبان اور اِن کی زبان میں فرق ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔ جو تمام دیوان سے انتخاب کیا گیا۔

مشہور گشتہ است در آفاق نام ما — زیں اشتہاے بیحد و مالا کلام ما
با ما کسے چگونہ زند لاف پر خوری — کایں سکہ را زدند در اول بنام ما
گر روزی تمام خلائق کند جمع — گردد غذاے مختصر صبح و شام ما
آن گنبد بزرگ کہ در مسجد شہ است — سرپوش کوچکے است بہ قاب طعام ما
قتاد راز ما برساند کسے سلام — ق — دانگہ ز روے لطف بگوید پیام ما
چوں ذکر خیر ما ہمہ شیرینی شماست — دور از مروت است بود تلخ کام ما
از قیض عام شربت تاریخ عافیت — پیش از سکنجبین بجہاں شد قوام ما
از بسکہ آتشم بہ دل است از غم کباب — سوز سمندری کہ کند قصد بام ما
مشکل کہ روز حشر برآریم سر ز خاک — تا بوے قورمہ نرسد در مشام ما

بوے نرسد شام ز قرمہ بمشامم — گر باز گزارند ہمہ دیگ جہاں را
گر پردۂ دلمہ بدرم در نظر خلق — یک لحظہ کنم کشف دو صد راز نہاں را
گر یک دو سہ نانے بکف آرم بجرم — صد پارہ کنم کون رن شمر دشاں را

دستم مزن بر دل دگر از درد و جوعم در گزر — دیگر میاور در فغاں ایں طبل بے ہنگام را

پیش من گر نهند حلوا را — میخورم هرچه هست یکجا را
سرو از پا نشیند ار بیند — قامت قد سرو بالا را

....

یک شتر از خرپشه کو تا که برهانم کنون — از کف این ساربان ایدل مهار خویش را

کو شخص کریمے که درین موسم سرما — هر صبح حلیمے به گزارد به برما
از بوے خوش قرمه فزون مست و خرابم — از محتسب شهر چه اندیشه چه پروا
در چین و خطا رفت حکایت صفاهان — بر قاب پلو دست کشادم چو به یغما
نان تنکم هست بیارید کبابے — کین جامه بود درخور آن قامت رعنا
یک بیضهٔ مرغے نه بود در همه عالم — شاید که بجوئیم ز سر منزل عنقا
شب تا به سحر باشدم از فرقت انگور — از دیده بدامن همه دم عقد ثریا

گر پخته اگر شام خورم نوبت صبح — یاد گوزم بهم اندر شکند سندان را
اگر از نقل به سازند مرا نخچیرے — همهٔ عمر بجان می طلبم زندان را

تنها ز بوے کله نه از پا فتاده ایم — کز سر بدر شده است یکبار هوش ما

تمام سال خورم حسرت شب رمضان — از آنکه از دل و جان مائلم ز لیبا را
به روزگار چه ما هر که بے مربی بود — نه بر ولذت شیر نهی مربا را
دو صد هزار فدک میدهم شمرده اگر — دو دانهٔ ز فدک آورند خرما را

گرچند دانه سیر و پر میخورد می انجیر را — از قوت بازو بهم بشکستنی تر بخیر را
دم از عز عفر می زند در پیش ما نا قابلے — کز بانگ خرتشناخته زیر دم کفگیر را

گهے که گندم شده دانه ام بود در جیب — بعینه در نظرم روز عید نوروز است

خلق را گر همه رغبت به پنیر میش است — بیشتر میل دلم با کره گاو میش است
به ضیافت به برو شام گرم همسایه — آشنائے است که بهتر ز هزاران خویش است
لاغر از کوفته گاؤ چه گرود نسر به + — شیر در عرصهٔ هیجا به برش چون میش است

خاک وجود ما ریشگافند تا بحشر — هر چند جستجو شود از قورمه آرزوست
آنکس که قانع است بیوسے طعام ما — از خاندان آدم خاکی فرشته خوست

با حرمت است نزد قرم سید القرم — چون نزد ما کسے که ز آل پیمبر است
هر کس که هر شبم به ضیافت صدا زند — در نزد من به رتبه چو سلمان یوذر است
زردک هر آنکه سیم رخان میخورد مدام — در دو ضعیف و تنبل و رنجوره لاغر است
هر کس که خورد پیاز فراوان بروز و شب — او در جماع با خر مصری برابر است
روغن ندانی از چه بروے عدس نکوست — این نوعروس زشت سزاوار زیور است

اسپ را دادم و خربوزه گرفتم خوردم — حالیا نوبت افسار و رکاب و زین است
بر سر تربت من دیگ طعامے آرید — گوش بر نالۂ کفگیر نہ بر تلقین است

چل صباح پیاپے خورد اگر کس قوت — نمیشود بجہان پیر و عاجز و فرتوت
کفن درم ببرد زندگی ز سر گیرم — ز بد اگر شنوم بوز رخنۂ تابوت
بنیل بچشم کم ایدل انار را ہرگز — کہ دانہ ایش بود بہ ز حقۂ یاقوت

ہر کہ ناک در تنا و کند کحل بصر — بر سر رشتۂ پشک بہ شب تار رود
ہر کجا قصہ خربوزہ آید بمیان — بہتر آنست سخن از خرد و خرد ا رود

نان و پیاز سیر نخوردیم مسکاں — ما را کے ارپلو شکمے سیر میکنند

ہر کس کہ خورد کوفتۂ گاؤ یکدو شب — چوں پیل پیکرش بہ تنش فربہی کند

استخوان قلم آنکس کہ ربود از قیمہ — شاہ بازے است کہ او فرہاے دارد
قیمت شیر برنج ارچہ گرانست مرنج — شیر دوشیزہ صفت شیر بہاے دارد
فرقہ را کہ بود شلغم و زردک انبار — ابلہی باشد اگر در طلب سیم و زر ند
غیر درد دل و درد کمر و بار صداع — از پیاز است مہیا دو سہ آزار دگر
ز بوستان جہان سیبے ار نصیب شود — تمام عمر بہ پیمایم ایں نشیب و فراز

اشفاق - ایک غیر معلوم شاعر کا کلام اس نام سے علیگڈھ میگزین میں دیکھا گیا

بہت ممکن ہے کہ یہی نام بھی ہو۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مصرع کا لگانا تو ہے حصہ شعرا کا — سیدھی ہے رہ بیت کدہ احسان خدا کا
قحبی سے میاں جی کی بچی جان پر افسوس — تقدیر سے بیوی بھی ملی ہم کو لڑاکا
بیٹھا ہے چھپر گد کی طرح موذی منغم — ہیضے نے دبوچا نہ وبا نے اسے تاکا

اصغر۔ آپ کا نام سید علی اصغر ہے۔ شاہپور ضلع فتحپور کے رہنے والے ہیں زمانہ حال کے بذلہ سنج شاعر ہیں۔ اودھ پنچ سابق میں آپ کی ایک نظم بعنوان رنگ میں بھنگ نظر سے گزری۔ جس میں بعض جگہ شوخیوں اور ظرافت کا لطیف رنگ شامل ہے۔ انتخاب نظم یہ ہے۔

یہ محرم میں ہولی کا تہوار — ہنستی صورت ہے اور دل بیمار
گر پڑے تھک کے پردہ ہائے چشم — جب نہ آیا ستم شعار عیار
لگ گئی آنکھ موت آ پہنچی — ہو گئی حس مشترک بیمار
روح قالب سے سیر کو نکلی — عالم خواب کی دکھائی بہار
نظر آیا بہت بڑا میدان — عرصۂ حشر جس کا باج گزار
کوہ آتش فشاں زمیں بالکل — دھوپ سے تیز مہر آتشبار
ایک بڈھا ضعیف ریشائیل — نظر آیا بہ صورت خونخوار
پیٹ میں آنت تھی نہ منہ میں دانت — جھریاں جسم میں پڑی تھیں ہزار
ضعف پیری سے جھک گئی تھی کمر — سر بھی جنباں تھا صورت میخوار
پاے ماندن نہ جاے رفتن تھی — تھی عجب مخمصے میں جان نزار
کچھ ہراس اور کچھ بڑھی ہمت — بڑھ کے دو اک قدم ہوا دوچار
پڑھ گیا چند آیت قرآن — کر کے دم۔ دم میں لایا جسم زار

دل میں آیا خیال ڈر کیا ہے — تم بھی تو آدمی ہو ہمت دار
حضرت خضر سبز پوش ہیں یہ — یا ہیں درویش کامل و دیندار
پھر یہ آیا خیال ڈر کے ساتھ — ہو نہ انساں یہ کوئی آدم خوار
ایک ہی لقمہ میں نگل جاوے — مجھکو حلوا سمجھ کے لذت دار
بھیجا لاحول کہہ کے بسم اللہ — دلمیں ڈھارس بندھی چلا ناچار
پہونچا اکدم میں اس فقیر کے پاس — دیکھی آنکھوں سے اسکی حالت زار
مینے پوچھا کہ کون ہو کیا ہو — اپنا مجھکو بتاؤ نام و دیار
کس کے تیر نگہ کے گھائل ہو — کس کی چشم سیہ کے ہو بیمار
بولا وہ مرد نیک خوش اسلوب — حال کیا پوچھتے ہو تم اے یار
تیغ ابرو کا میں نہیں گھائل — نہ کسی حور وش کا عاشق زار
انقلاب فلک کا مارا ہوں — دلپہ اٹھی ہے درد کی دیوار
لوگ سب سو رہے ہیں غفلت میں — اُن کے افعال پر ہوں زار و نزار

فرط غم سے جو کھل گئیں آنکھیں — مٹ گیا سب طلسم کا گھر بار
وہی کنج قفس وہی فریاد — بستر غم ہے اور اصغر زار

اظلم - اس تخلص کے ایک شاعر تھے جو ضلع شاہجہاں پور کی تحصیل یا کچہری میں عرائض نویسی کرکے بسر اوقات کرتے تھے - زیادہ حالات معلوم نہیں - ظرافت کے یہ شعر ان کی طرف منسوب ہیں -

پیشہ لیا تھا عمر سے ہمنے چمار کا — پھر بھی نہ ٹانکنے کو ملا بوٹ یار کا
وہ کھولکر در مسجد پہ صاف کہتے ہیں — امام آئے مگر ساتھ یہ قطار نہ ہو

بہت مشکل ہے کھینچنی شکل اوصاف نہانی کی
یہاں پر آکے گھس جاتی ہے دم میں عقل انسانی کی

شہید ناز کی جب کر چکے مٹی ٹھکانے ہم
پری نے بیٹھکر پیچھے سروں میں نوحہ خوانی کی

افسر - آپ کا نام نامی حامد اللہ ہے - آپ میرٹھ کے مفتیوں کے خاندان سے ایک معزز رکن ہیں - آپ کی شاعری میں بہت سی وہ نئی چیزیں ملتی ہیں جن کا اس سے پہلے وجود نہ تھا - بعض دلچسپ نظمیں جو بچوں کی قابل ہیں آپ نے اس دلکش انداز میں لکھی ہیں کہ بے اختیار داد دینا پڑتی ہے - تمام اصناف سخن پر قادر ہیں - نہایت سخن فہم - نکتہ سنج دقیقہ رس طبیعت پائی ہے - انگریزی میں بی - اے تک تحصیل علم کرکے وکالت کے امتحان کے لئے تیاری کی تھی - کہ یکایک طبیعت اُچاٹ ہوگئی - اور تصنیف و تالیف کی طرف توجہ کی - چنانچہ اسوقت تک آپ کی متعدد تصانیف ملک میں شایع ہوکر مقبول ہوچکی ہیں - جن میں سے کتب سررشتہ تعلیم خصوصیت کے ساتھ قابل قدر اور لائق تحسین ہیں - انگریزی کے علاوہ فارسی کا مطالعہ بھی نہایت دقیق ہے - آپ بسلسلۂ ملازمت متعدد مقامات پر رہے اور ہر جگہ ادبی خدمات اور زبان اردو کی اشاعت و ترویج میں منہمک رہے - آپ کی عاشقانہ شاعری میں بھی ایک خاص قسم کی جدت ہوتی ہے - اسکے ساتھ ساتھ کبھی کبھی رنگ ظرافت کی طرف بھی توجہ فرماتے ہیں - اور تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ہزل بھی کہتے ہیں - مگر آپ کو کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوتا کہ ان کو شایع کیا جائے میرے سخت اصرار پر یہ چند شعر مرحمت فرمائے تھے آپ میرے زبردست عنایت فرما اور ہموطن ہیں - اتفاق وقت سے آجکل لکھنؤ میں مقیم ہیں اور یہاں کالج لکھنؤ میں اُردو پڑھاتے ہیں آپ کی عمر تقریباً ۲۸ سال ہے

نظر کو وسعتیں حاصل نہ ہونگی دوربینوں سے
خدا تک ہو نہیں سکتی رسائی ان مشینوں سے

جوانی سپاہی کی طرح عمر بسر کی ہم نے
یعنی کی فوج کے دفتر میں کلرکی ہم نے

جہاں میں عیب جتنے ہیں وہ سب کپڑے میں ہوتے ہیں
کہ عیبوں کو چھپا لینے کے ڈھب کپڑے میں ہوتے ہیں

کہا یہ شیخ نے خطبہ میں راہ صدق و صفا
سکھاتے ہیں ہمیں اسکول اس زمانے میں

یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی کہے افسر
شراب ملتی ہے شیشے کے کارخانے میں

وہ کہتے ہیں سوا دیشیوں سے تنگ کر
ہمیں چاند دے دو تو ہم سوت کاتیں

اُن کی پرواز انھیں تا بہ فلک لے پہونچی
ہم ہی سوچ رہے ہیں کہ خیال اچھا ہے

مسٹر ہو مولوی ہو کوئی بات ایک ہے
مذہب میں قورمہ ہے سیاست میں کیک ہے

چپکے سے کان میں سنو پردے کی بات ہے
یہ پردہ ورنہ کچھ نہیں سب واہیات ہے

آپ نے موجودہ زمانے کی روش پر بعض ایسے اشعار کہے ہیں جنکے الفاظ نہایت بلند اور پرشکوہ ہیں مگر معنی نام کو بھی نہیں - مگر اُن کے لکھنے کی اجازت نہیں دی -

---

افسق - میر غلام حسین نام تھا - برہان پور کے رہنے والے تھے - اگرچہ عام اور مشہور تذکرے آپ کے ذکر اور نام سے خالی ہیں - مگر پھر بھی ایک معاصر نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کر ہی دیا " اسمش میر غلام حسین افسق تخلص از شعرائے ایں عصر است از بسکہ مزاجے بہ ہجو مائل است در شعر تیغ زنی مینماید - اکثر مزاج او بہ طرف ہزل می آید شوخی طبعش از کلامش ہویدا است و خوبی مزاحش از تخلص پیدا است - کاش کہ ایں خیال در دل او جا نیافتے و آفتاب اشعار رنگیں بر شیشہ آتش نہ تافتے انشاء اللہ رفتہ رفتہ ازیں تادیب شود و تخلص خود ہدایت قرار دہد - دریں ایام از راقم الحروف ارتباط کلی دارد چنانچہ دیوان را بخط خود نقل کردہ بہ فقیر ارزانی داشت " یہ ہے وہ عبارت جو منشی لچھمی نارائن شفیق اورنگ آبادی نے اپنے تذکرہ چمنستان شعرا میں افسق صاحب کے لئے لکھی ہے - اس سے معلوم ہوتا تھا کہ میر صاحب صاحب دیوان شاعر تھے - مگر اس زمانہ میں اتفاق وقت سے آپ کا وہی لکھا ہوا دیوان جو صاحب تذکرہ کو اپنے ہاتھ سے

لکھکر عنایت کردیا تھا دستیاب ہوگیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب اور شفیق ۱۱۹۳ھ تک بقید حیات تھے۔ کیونکہ دیوان کے آخر میں دونوں کی مہریں لگی ہوئی ہیں۔ افسق صاحب کے ایک مقطع سے اُن کے سلسلۂ تلمذ کا بھی پتہ چلتا ہے

افسق کے اس سخن کا ہوا شہرہ اس سبب ہے فیض بسکہ ذاتی عالم نواز کا

دیوان میں سب اصناف سخن۔ رباعیات۔ مستزاد مخمس۔ واسوخت۔ اور ایک مثنوی گنجینۂ آفاق بھی شامل ہے۔ مثنوی چار کمان۔ مکہ مسجد۔ چوک میدان۔ دائرہ میر۔ چادر گھاٹ۔ چار محل۔ اور چوک حیدرآباد پر نظمیں ہیں اور لطف یہ کہ حیدرآباد کی اخلاقی حالت کا جو اس زمانہ میں تھی فوٹو کھینچ دیا ہے ساتھ ہی ساتھ اپنی آوارہ مزاجی اوباشی کے حالات بھی صاف صاف بیان کرتے چلے گئے ہیں۔ حسینان بازاری کے ذکر خیر سے دیوان الامال ہے۔ تاجو۔ رحمت۔ حبشی بیگم۔ جمیلہ تاج النساء۔ لالن۔ بی جان۔ چندا زہرہ۔ گلابو۔ پناہ جہاں کے نام جا بجا دیوان میں نظر آتے ہیں۔ صفحۂ کاغذ پریوں کا پرستان بنا ہوا ہے۔ اور یہ ذکر خیر جا بجا ایسے عریاں الفاظ میں کیا گیا ہے کہ زمانۂ موجودہ کے مصالح اُن کو مثلاً بھی پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ غزلیں فحش اور سراپا فحش ہیں کہیں دلربایانہ فن کی ہجو پر اتراتے ہیں تو پرخچے اڑا دیتے ہیں کنایہ اور استعارہ کی صنعت سے بہت بلند ہیں کیا مجال کہ کہیں ڈھکی چھپی بات کہیں۔ وہ وہ کھری سنائی ہیں کہ ظرافت اور ہزالی سے گزر کر فواحشات میں جا پہونچے ہیں اور بڑے بڑے ہزال علحدہ صف نعال پر نظر آتے ہیں اور جناب افسق ہزالی کے میر محفل بنے ہوئے نظر آتے ہیں غرضکہ اِن حضرت کا دیوان ہزلیات کی انسائیکلو پیڈیا یعنی قاموس الفواحشات بن کر رہگیا ہے۔ مگر ہزل میں اتنے مشاق معلوم ہوتے ہیں کہ آج بھی ہر لفظ ان کے کمال کا پتہ دیتا ہے۔ سرنامہ دیوان پر۔ جب بسم الشیطان الرجیم لکھا ہوا نظر آتا ہے تو پڑھنے والے کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ بڑی مشکل سے آپ کے دیوان کا انتخاب کرکے فواحشات سے بچا کر

جناب محتسب کانپوری نے یہ چند شعر زمانہ رسالہ کانپور میں طبع کرائے تھے جن کو ہم بجنسہ نقل کرتے ہیں۔

قطرۂ آب ... کو دیکھو بولے در فروش — ہم نے کم دیکھا ہے موتی جگ میں ایسی آب کا

قطرۂ آب .... کی آب سے — چہرۂ گوہر پہ ہے پانی ہنوز

جب اے قبلہ کل تجھکو مے کے نشے نے چمن میں خرد کے خیاباں سے کھینچا

ادھر سے بہار اور ادھر سے جنوں آ کے دونوں نے مجھکو گریباں سے کھینچا

حیدرآباد میں سیندھی کا اس زمانہ میں بڑا زور شور تھا اسی کے متعلق کہتے ہیں۔

آجکل ہے دور سیندھی کا رکھے حق آبرو — ہے مدد گردوں دوں کی مال والوں کیلئے

اس گردش فلک میں اشراف ہیں پریشاں — بھڑووں کو نت میسر شال اور دوشالیاں ہیں

بارہ صدی کے دور میں راحت نہیں رہی — اک ذرہ زندگی کی حلاوت نہیں رہی

حسن کی بھیڑ سے اے قبلہ بہار اب ڈھل گئی — مان مت کر مان لے خوبی کی ساعت ٹل گئی

کس دکھ سے کہہ اے شوخ تو مغموم پڑی ہے — غربت کی ترے مکھ پہ گھٹا جھوم پڑی ہے

یا مکر ہے یا بھوت چڑھا تجھ پہ تو سچ کہہ — یکبار تو بیٹھی ہوئی کیوں گھوم پڑی ہے

اٹھو یارو تماشے کو چلو ہنگام ہولی ہے — کسی کی لال ساری ہے کسی کی زرد چولی ہے

باتوں کے حق میں گرچہ طوفان ہے گلابو — گانے کے حق میں لیکن شیطان ہے گلابو

یہی چند شعر ایسے ہیں جن میں فواحشات نہیں ہیں باقی تمام دیوان اسی سے بھرا پڑا ہے۔

اقبال - ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب - پی - ایچ - ڈی - بیرسٹر ایٹ - لاہور کا تخلص ہے - آپ کے حالات غایت شہرت کی وجہ سے محتاج تعریف نہیں - آپ کی شاعرانہ قوت مشق - فکر صائب - تخیل - جوش وغیرہ کا ملک کا ایک ایک بچہ قائل ہے - اور درحقیقت اردو و فارسی نظموں میں آپ کو ید طولیٰ حاصل ہے - چونکہ آپ نے

اکبر مرحوم کے رنگ ظرافت میں بھی کچھ فرمایا ہے اس لئے بانگ درا سے جو آپ کی نظموں غزلوں وغیرہ کا مجموعہ ہے چند اشعار کا انتخاب کرکے شامل تذکرہ کرتا ہوں - اگرچہ آپ کی اصلی شاعری کے مقابل میں اس قسم کے اشعار کم سے کم درجہ بھی نہیں پا سکتے مگر صرف آپکے نام نامی کے لحاظ سے درج کرتا ہوں - حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی شاعری کے لئے ہرگز آپ کا دماغ موزوں نہیں ہے - کاش جو کچھ فرمایا ہے یہ نہ فرمایا ہوتا - انتخاب ملاحظہ فرمائیے -

مشرق میں اصول دیں بچاتے ہیں — مغرب میں مگر مشین بنواتے ہیں
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے — واں ایک کے تین تین بنجاتے ہیں

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں — مفت میں کالج کے لڑکے الٹے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرمادیا کل آپ نے یہ صاف صاف — پردہ آخر کس سے جو جب مرد ہی زن ہو گئے

بستے ہیں ہند میں جو خریدار ہی فقط — آغا بھی لیکے آئے ہیں اپنے وطن سے ہینگ

تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کی عوض — دل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجئے
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا لیں از سبق — کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

اپنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی — آئیں گے غساں کابل سے کفن جاپان سے

ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جا اٹکا ہے — واں کنٹر سب بلوری ہیں یاں ایک پرانا مٹکا ہے

ممبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں — ووٹ تو ملجائینگے پیسے بھی دلوائینگے کیا
میرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے — ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہے کھائینگے کیا

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں — نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ — نہایت تیز ہیں یورپ کے رندے

سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں — پرانے جھوپڑوں میں ٹھکانا دستکاروں کا
مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا — کوئی اس شہر میں تکیہ نہ تھا سرمایہ داروں کا

اکبر - یعنی سید اکبر حسین صاحب رضوی الہ آبادی مرحوم - اگرچہ آپ کے کمالات نے آپ کو ہندوستان میں اتنا مشہور کر دیا ہے کہ اب یہ احتیاج باقی نہیں ہے کہ آپ کے حالات لکھے جائیں مگر قاعدہ و ترتیب کیوجہ سے کچھ لکھتا ہوں - آپ ۱۶ - نومبر ۱۸۴۶ء اٹھارہ سو چھیالیس کو بمقام الہ آباد پیدا ہوئے - دیسی مدرسوں اور مکتبوں میں تعلیم پائی ۱۸۶۷ء میں آپ نے ادنی درجہ کا امتحان وکالت پاس کیا اور نائب تحصیلدار ہو گئے - اور ترقی پاکر ۱۸۷۳ء میں ہائیکورٹ میں مسل خواں ہوئے ۱۸۷۲ء میں وکالت کی درجۂ اعلی کی سند حاصل کی اور ۱۸۸۰ء تک وکالت کرتے رہے ۱۸۸۰ء میں دوبارہ سرکاری ملازمت اختیار کی اور ترقی کرکے سشن جج کے عہدے تک پہونچ گئے ۱۸۹۸ء میں خان بہادری کا خطاب پایا - آپ کو فارسی اردو اور انگریزی زبانوں پر حسب ضرورت کافی عبور تھا - ابتدا عمر ہی سے شعر و شاعری کا شوق تھا - اور جناب وحید الہ آبادی کے شاگرد تھے - رنگ قدیم آپ کی شاعری پر غالب تھا - مگر ظرافت کے پہلو ابتدا ہی سے کلام میں نمایاں تھے - بالآخر اسی رنگ نے

اسقدر ترقی کی کہ آپ کے قدیم رنگ طبیعت پر غالب آگیا۔ اور باوجودیکہ آپ رنگ قدیم کے ایک پختہ مشق شاعر تھے مگر پھر بھی ظرافت پر آپ کے کلام اور کمال کا حصر ہوگیا۔ اور اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو آج ایک آدمی بھی ایسا نہ ملے گا جو آپ کی غزلوں کی حیثیت سے آپکو جانتا ہو بلکہ سب ظرافت کے ہی وجہ سے آپ کے کمال کے گرویدہ اور دلدادہ ہیں۔ آپ نہایت ہی نیک طینت زندہ دل منکسر المزاج مکمل انسان تھے اس وجہ سے آپ کی ظرافت اُن ہزالوں اور فحاشوں سے بالکل الگ ہے جن کے دیوانوں کا سرمایہ یا اُن کی ہزیان سرائی اور مزخرفات ہیں یا فحاشی اور خرافات۔ اُن کے علی الرغم آپ کی ظرافت نہ صرف ظرافت ہے بلکہ پند و نصائح۔ اور قومی مذہبی تمدنی معاشرتی۔ تہذیبی۔ رسوم۔ تاریخ۔ سیاست وغیرہ کا مجلی اور مصفی آئینہ ہے۔ آپ کی ظرافت سے دل کو ایک سچی خوشی اور روح کو صحیح فرحت ہوتی ہے۔ اور آدمی اس سے اسقدر فوائد عظیم حاصل کر سکتا ہے جو بڑی بڑی اخلاقی کتابوں سے بھی حاصل نہیں ہوتے۔ حق باتوں کی تلخی اور پند و نصائح کے زہر کو خوش بیانی اور مزاح نے شہد و شکر کے شربت کی مانند ایسا خوش مزہ اور گوارا کر دیا ہے کہ اُس سے کبھی سیری نہیں ہوتی۔ ظرافت کے ساتھ اعلیٰ تخیل اور جدت مضامین طرز ادا اور سلیقۂ بیان۔ چستی بندش۔ نشست الفاظ۔ تلاش معانی ہر جگہ حسب محل و موقع موجود ہیں۔ جن سے آپ کی شاعری ایک پری کی طرح بن گئی ہے جو فصاحت و بلاغت کے آسمان میں اڑ رہی ہے۔ اور ایسی بلند ہے کہ دیکھنے والوں کو ٹوپی یا پگڑی سنبھالکر دیکھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ آپ کے چند خود ساختہ استعارے۔ اور اصطلاحات ہیں جنھوں نے سونے میں سہاگے کا کام دیا ہے۔ اور حسن کلام کی جان بن گئی ہے۔ مبتذل نام تھن۔ گھورن۔ کلو۔ بدھو۔ نتھو وغیرہ جو استعاروں یا اصطلاحی یا اشارے کی صورتوں میں پیش کئے ہیں۔ اسقدر خوش نما نظر آتے ہیں کہ دیکھکر جی پھڑک جاتا ہے۔ مہمل ردیفیں اور قافیے اس حسن کے ساتھ لائے گئے ہیں کہ خیال میں نہیں آسکتے۔ حقیقت

یہ ہے کہ اکبر مرحوم کی اس دربار تخیل تک رسائی تھی کہ عام نگاہوں اور معمولی نظروں کے وہاں جاتے ہوئے پر جلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے آپ کے اتباع کا دعوی کیا مگر کوئی ایک بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ اور آپ اپنے رنگ میں متفرد اور منفرد رہے۔

آپ کی ظرافت بعض جگہ محض ظرافت ہے اور اس میں مذہبی انحطاط۔ یا مغربی تقلید۔ یا سیاسی شور و غل۔ یا عام پند و نصائح وغیرہ کی طرف اشارہ نہیں ہے۔ مگر وہ بھی آپ کے کلام کا عنصر غیر فانی ہیں اور اردو ادب کے واسطے سرمایۂ ناز ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے عقیدے اور میری ذاتی رائے کے موافق دو ہی شاعر ایسے ہیں۔ جنھیں ہم فخر کے ساتھ دوسری قوموں کے سامنے لا سکتے ہیں۔ ایک اکبر۔ اور دوسرے مرزا غالب۔ دوسرے لوگوں کے کمال کا اعتراف میں کر سکتا ہوں۔ مگر ان دونوں کے برابر لانے کا کبھی روادار نہیں ہو سکتا۔

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست ۔۔۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اکبر مرحوم کو آخر میں دنیا سے تنفر ہو گیا تھا۔ اور عیش و مسرت رنج و مصیبت کا فرق و امتیاز ان کی نظر سے اٹھ گیا تھا۔ اسی لئے آخری کلام میں مضمونین کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ اور آپ کی آخر عمر تک یہی رنگ آپ پر غالب رہا۔

اسوقت آپ کے چار دیوان ہیں تین دیوان طبع ہو چکے ہیں ایک ابھی طبع نہیں ہوا پہلے دیوان میں اور دوسرے میں اگرچہ فرق ہے۔ مگر تیسرے اور پہلے میں نمایاں اور بین فرق ہو گیا ہے۔ جن کی تفصیل اس ظریفانہ تذکرہ میں بیکار اور بے محل ہے۔ البتہ میں تینوں دیوانوں میں سے ظرافت کا انتخاب علیحدہ علیحدہ کرتا ہوں۔

انتخاب از جلد اوّل

مری تقریر کا اس مس پہ کچھ قابو نہیں چلتا
یہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

لینے دے بوسہ مجھکو نہ تو تین پانچ کر
میں نے سمجھ لیا ہے حساب اسکا جانچ کر
بوسہ لبوں کا لیتا ہوں میں مجھکو دے پلا
حلوا بنا رہا ہوں ذرا تیز آنچ کر

لگیا شرع سے شراب کا رنگ
خوب بالا غرض جناب کا رنگ
چلدیئے شیخ صبح سے پہلے
اڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ

سنا ہے حلّت بادہ پہ ہو گیا فتوی
خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم

موسم گل میں صبا کو جو ہوئی ملچ کی دہن
لعن طعن سے بھی پیدا ہوئی کھاچ کی دہن

الا یا ایہا الطفلک بجو راحت بہ تاد اہا
کہ قرآں سہل بود اول بدے افتاد مشکلہا
بکن تزئین پائے خود بہ بوٹ ڈاسن و پتلونہا
کہ سر میبنہ دا و ذرہ راہ در رم و نقلہا

پردے کا کیا ہے ذکر اڑنگا پیدا
خود ہے کیا اڑنگا اور اڑنگا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی صاحب نے
تیمور نے کیا ہے ہمکو ننگا پیدا

مس کو دیکھا عاشقِ زلفِ چلیپا ہو گیا
مست تھا دل پھول کر ہسکی کا پیپا ہو گیا

کہا یہ فخر سے واعظ نے دیکھو سادگی میری
نہیں شوقِ نمائش کچھ پہنتا ہوں گزی گاڑھا
کہا اکبر نے میں بھی یونہی کر لیتا نمود اپنی
عطا کرتا خدا مجھ کو جو یہ تن توش یہ داڑھا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر
گورے کو نہ بنانا سالا
بھیا رنگ یہی ہے اچھا
ہم بھی کالے یار بھی کالا

رحیمن پکاری کہ نیلہ ہا یوا
عجب جانور ہے یہ کاکا تو ا
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم
کدھر چونچ ہے اور کدھر اسکی دم

کرزن و کچنر کی حالت پر جو کل
وہ صنم تشریح کا طالب ہوا
کہدیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات
دیکھ لو تم زن پہ نر غالب ہوا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا
حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے
شاہ اڈورڈ کی وبائی ہے

پری کی زلف میں الجھا نہ ریش واعظ میں
دل غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا

پیالیں پیسکر دور وٹیاں کھوٹیں جولانا
ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

سکۂ زر بابوے در دھوئی کرتار داشت
یاد چو دستش نالہاے زار در اخبار داشت

گفتمش در حین وصل ایں نالہ و فریاد چیست
گفت مارا خوف غیس و ٹیکس در ایں کار داشت

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دل میں ہے بھر مسٹ
اجمیر میں کلچا ہوں علیگڈھ میں ہوں بسکٹ

شیخ جی رفرف بنے پھرتے تھے پہلے چرخ پر
چشم بد دور اب بنے ہیں آپ کمسریٹ کے اونٹ

سید کی طرف تو چندہ لانے کی ہے چخ
اور شیخ کے گھر میں پنجگانے کی ہے چخ
بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجئے
گو اسمیں بھی صبح کو نہانے کی ہے چخ

تھد پہ ہے شبہہ و حقارت کی نظر
پتلون پہ غصہ و شرارت کی نظر
بہتر ہے یہی کہ ننگے پھرے اکبر
شائد پڑ جاے اُن کی رغبت کی نظر

یوسن چپکے مری غزلیں تو بولے لاچندہ
جو ہنہنا یا ہے اتنا تو تھوڑی لید بھی کر

انھیں شوق عبادت بھی ہے اور گانیکی عادت بھی
نکلتی ہیں دعائیں انکے منھ سے ٹھمریاں ہو کر

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز
بھنیں کے آگے بین ہے کیا چیز

فرمائیں مرا قصور حضرت جو معاف
جو امر ہے واقعی گزارش کردں صاف
انکار نہیں نماز روزے سے مجھے
لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کے خلاف

شیخ صاحب کو نہیں شاعروں کی بات سے کام
حسن کی قید نہیں بس ہے مسماۃ سے کام

ماسٹر صاحب کا علم اسوقت گو ہے نیک نام
اہل دانش میں مگر افزوں ہے میرا احترام
بات بالکل صاف ہے پیچیدگی کچھ بھی نہیں
میں ہوں سعدی کا بھتیجا وہ ہیں ملٹن کے غلام

من العلم قلیلاً کو بھی دیکھو بعد اوتیتم
نہ مانو گے تو اکدن بھائیو کھاؤ گے جوتی تم

آپ کی فرقت میں کل میں رات بھر سویا نہیں
لیکن اتنی بات تھی گاتا رہا رویا نہیں

بوسہ کیسا کہ گلوری بھی نہیں پاتا ہوں
بس کلام اپنا انھیں جا کے سنا آتا ہوں
وہ یہ کہتے ہیں کیا خوب کہا ہے واللہ
میں یہ کہتا ہوں کہ آداب بجا لاتا ہوں

خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں
مگر اندھیرے اوجالے یہ چوکتا بھی نہیں

چاند میں آیا نظر غار حبیب
ہائے اب اے ماہ سیما کیا کروں

چپکوں دنیا سے کس طرح میں
عورت نے کہا کہ گوند ہوں میں
قومی چندے کدھر سمائیں
کالج نے کہا کہ تو ند ہوں میں

یورپ والے جو چاہیں دلیں بھر دیں
جسکے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں
بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبر
تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کر دیں

کہ مٹھی میں جمع ہے نہ ڈپازٹ ہے بینکس میں
تلاش کر دیا مجھے دو چار تھنکس میں

حال دنیا سے بیخبر ہیں آپ
گو تقدس مآب بیشک ہیں
شیخ جی پر یہ قول صادق ہے
چاہ زمزم کے آپ مینڈک ہیں
شیخ جی کو جو آگیا غصہ
لگے کہنے یہ پھینک کر دھسا
ہے تمہاری نمود بس اتنی
جسطرح ہو پڑی پرٹیڈ پہ لیس

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہم ایسی کل کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جنکو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اکبر مجھے شک نہیں تیری تیزی میں
اور تیرے بیان کی دل آویزی میں
شیطان عربی سے ہند میں ہے بیخوف
لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں

گورنمنٹ کی خیر یار و مناؤ
گلے میں جو اتریں وہ تانیں اڑاؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

شوق لیلا سے سول سروس نے مجھ مجنوں کو
اتنا دوڑایا لنگوٹی کر دیا پتلون کو

نیکی کے حق میں کج ادائی نہ کرو
اللہ کے ساتھ بیوفائی نہ کرو
نیٹو بھی رہو گے اور مرو گے بھی ضرور
کہتا ہوں کہ دعوی خدائی نہ کرو

اضافہ ہوئی مجھ سے گندم پہ سے
یہ پوتے سے بھی اک خطا ہو گئی

یہ تھی قیمت رزق ٹوٹے جو دانت
غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

رہا کرتا ہے مرغِ فہم شاکی
نئی تہذیب کے انڈے ہیں خاکی

چھری سے اُن کی کٹوا کر فلک نے
خدا جانے ہماری ناک کیا کی

ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے
کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی

ہوئی جب آمدِ پیری ہوا میں سر کی پیشانی
ترشروئی کی چٹنی جوڑ ہے کھچڑی ہو جیٹھ اڑھی

سوال اب یہ عبث ہے جب ہے پتلونوں کی ارزانی
چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

کچھ بیوں میں ہے پرسشِ گریجویٹوں کی
سڑک پہ مانگ ہے قلیوں کی اور بیٹوں کی

نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقویٰ کی
خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

لذتِ نانِ جویں تجھکو مبارک اے شیخ
مجھ گنہگار کو ہے صرف نمکین کافی

حضرتِ خضر ٹکٹ مجھکو دلا دیں اکبر
رہنمائی کے لئے ہے مجھے انجن کافی

شیخ صاحب دیکھکر اُس مس کو ساکت ہو گئے
ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہو گئے

سکھاتے ہیں تقلید انگلش جو آ
کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجئے

بہت شوق انگریز بننے کا ہے
تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجئے

کامیابی کا شدیشی پر ہر اک دربستہ ہے
چونچ طوطا رام نے کھولی مگر پربستہ ہے

زاہد ایسے بیخبر ہیں ابروے خمدار سے
جسطرح بابر کو ہے بیگانگت تلوار سے

سینۂ مس کا ابھار ایدل فساد انگیز ہے
لوگ سچ کہتے ہیں باد نجان باد انگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھسے کہدیا
آپ بی۔ اے پاس ہیں تو بندہ بی بی پاس ہے

ممکن نہیں اے مس ترا نوٹس نہ لیا جائے
گال ایسے پر نیا دھوں او کیس نہ لیا جائے

ہر اک رمارک آپکا عقرب کا نیش ہے
مجھکو بھی رنج غیر کا بھی سینہ ریش ہے

مجھ سے کہا کہ گوز شتر ہے ترا سخن
اس سے یہ کہدیا کہ تو گوبر گنیش ہے

کہتے ہیں حرج کیا ہے جو باریک ہے وہ پل
بائیسکل پہ گزرینگے ہم پل صراط سے

ہے نور خدا بھی طالب رزق کا دوست
داڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرت واعظ ہیں خوب شخص
یہ اور بات ہے کہ ذرا بے وقوف ہیں

اردو کے تین ربع کے مالک ہنود ہیں
پھر کیا سبب جو اس سے انھیں انحراف ہیں

یعنی اردو ہے چیز انھیں کے مذاق کی
اردو کے تین جز وہی صاف صاف ہیں

شیخ سے چھوٹے الجھے انجمن میں
اسمیں بک بک تھی اس میں جھک جھک ہے

شاہدان مغربی کرتے نہیں مجھکو قبول
ٹالدیتے ہیں یہ کہکر آپ کالا لوگ ہے

چہرے کے نیچے قہر ہے داڑھی کا جھول جھال
اس فرد کو بچائیے تفصیل ذیل سے

جب کہا گیسو کا بوسہ دیجئے دل لیجئے
ہنسکے بولے آپ کو سودا ہے مسہل لیجئے

ہم سے شب وصال وہ بے میل ہوگئے
افسوس انٹرنس میں ہم فیل ہوگئے

واسطہ کم ہوگیا اسلام کے قانون سے
دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے

اب کہاں تک بتکدہ میں حرمت ایماں کیجے
تا کجا عشق بتان سست بیماں کیجے

ہو کہیں بہتر علیگڈھ جا کے سید سے کہیں
ہم سے چندہ لیجئے ہمکو مسلماں کیجے

ہمارے ملک میں ہونا ہے کیا تعلیم نسواں سے
بجز اس کے کہ بادا اور بھی گھبرائیں اماں سے

ان کو کیا کام ہے مروت سے — اپنے رخ سے یہ منھ نہ موڑینگے
جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں — ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑیں گے

اس اکھاڑے میں اڑنگے دیکھکر قانون کے — شیخ نے تہمد سے ہجرت کی طرف پتلون کے

راہ تو مجھکو بتا دی خضر نے — اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے

اب تھیٹر میں ہنسینگے جاکے خوب — خانقاہوں میں تو برسوں رو لئے

ہوتا ہے نفخ یورپین نان پاؤ سے — میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے
ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے — لیکن خرید ہو جو علیگڈھ کے بھاؤ سے
دھمکا کے بوسہ لوں گا رخ رشک ماہ کا — چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

چھٹی اس کس کی ہے کہ یہ جادو ہے — دل جوش مفاخرت سے بے قابو ہے
ایسی پری اور مجھکو پیار اسکے — القاب میں دیکھے ڈیر کلو ہے

اس غرض سے کہ سینہ پوش نہو — شیخ کی ریش روز بنتی ہے

مستو تپہ شراب خانہ مستی لائی — پتلون کو کر دیا لنگوٹی اس نے

پردہ در کی رائے سنکر بیبیاں کہنے لگیں — اب ہمارے وارث ایسے ہی نگوڑے رہگئے

جو وقت ختنہ میں چیخا تو نائی نے کہا ہنسکر — مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

عاشقی کا ہو برا اسنے بگاڑے سارے کام — ہم تو اے بی میں رہے اغیار بی اے ہوگئے

پردہ کا مخالف جو سنا بول اٹھیں بیگم — اللہ کی مار اسپہ علی گڈھ کے حوالے

کھائی مژگان و نظر کی جو قسم بولا وہ شوخ — آپ اب قسمیں بھی کھاتے ہیں چھری کانٹے سے

قصۂ منصور سنکر بول اٹھی وہ شوخ مس — کیسا احمق لوگ تھا پاگل کو پھانسی کیوں دیا

کس مسوں سے آپ کسی شب نہ چونکے — جیسی گھڑی ہیں یہ انھیں ہر روز کوکے

نکالا شیخ کو مجلس سے اس نے یہ کہکر — یہ بے وقوف ہے مرنے کا ذکر کرتا ہے

احمق کالج کی طرف جاتے ہیں اے لو لو — کس کو سوجھیں تمہیں اللہ نگہبان ہے

انتخاب از کلیات دوم

میں نے کہا جو اس سے ٹھکرا کے چل ظالم
حیرت میں آکے بولا کیا آپ جی رہے ہیں

پریوں کے عاشقوں کو سودا ہو امسوں کا
جو پھاڑتے تھے جامہ اب کوٹ سی رہے ہیں

میرے لئے شراب یہاں بھی ہے کیا حرام
اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں

حور مس کو گئے گلگوں کو پری کہتے ہیں
شیخ خوش ہوں کہ خفا ہم تو کھری کہتے ہیں

اللہ کا حال کچھ نہ پوچھو
دیکھا نہیں نام رکھ لیا ہے

حسرت بہت ترقی دختر کی تھی انھیں
پردہ جو اٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

شاعرانہ داد اچھی دی یہ مجھکو چرخ نے
تیغ ابرو کا تھا عاشق خان بہادر کر دیا

شایق تحقیق کے پھندوں سے سن لیں
انسان کی شکل جیسے میموں بنا

پا جامہ بھی یونہی ارتقا سے بدلا
سمٹا ابھرا غرضکہ پتلون بنا

حکم انگلش کا ملک ہند کا
اب خدا ہی ہے بھائی صلو کا

پہلے ہم لوگ یہ سمجھتے تھے
ہر چہ از باب میرسد نیکوست

ہو گئی اب خیال کی اصلاح
ہر چہ از آپ میرسد نیکوست

بہ دین پیچری بستیم امید
ترقی را چو آمادہ برآمد

مارا فلک نشاند بہ پہلوے آں صنم
مدہوش لذتیم و ندانم دگر چہ کرد

اکنوں کراد مارغ کہ پرسد ز پاپنیر
کزدن چہ گفت دل چہ شنید و ما چہ کرد

رفت و نبال داد و ازاں شوخ
یوز نہ ماند و آدمی گم شد

ہیٹ را نہ بر سر من جاے دستار اے عزیز
مرد تا مسٹر تواند شد چرا قبلہ شود

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا چائے — نئی ملت کا ہوں میں زاہد خشک

ختنہ قائم ہے مگر وہ مذہبی تعلیم گم — مہر ابراہیم باقی دین ابراہیم گم

حسرتِ عشاق بازارِ جہاں میں کچھ نہ پوچھ — از مہیا در ندارد مس کی کثرت سیم گم

وہ مناتے ہیں بھی بناتے ہیں — کہتے ہیں مان جاؤ منا رام

میری گردن پہ ہیں شیطان کے احسان بہت — ترک لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے نہیں کچھ — گھر میں بیٹھے ہوئے والتین پڑھا کرتے ہیں

جنگل کے جو تھے سائیس وہ ریل کے ہیں پائیں — الی کی جگہ سگنل قمری کی جگہ انجن

اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تجھ سے — کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمن

پڑھے گنگناتے تھے لالہ نہ بجن — نہ آنکھوں میں انجن نہ دانتوں میں منجن

چھٹے ہمسے بالکل وہ اگلے طریقے — کہاں کھینچ لیجائے گا ہمکو انجن

شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے — اونٹ کے سولفات جانتے ہیں

ہیں مگر اونٹ پر ہمیں قابض — کام کی ہم یہ بات جانتے ہیں

ہماری محفلیں اب بھی لطیف اجزا سے مملو ہیں — بڑا خفش تھے قبل اسکے اب اسپنسر کے ٹٹو ہیں

نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور — کہ ٹڑی کے دشمن سے جا کر لڑیں

نہ دل سے ہم کو سنتے ہیں مگر — کہ اتلی کی تہوں میں کیڑے پڑیں

شیخ صاحب کے تملق کی نہ قلعی کھل جائے — لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہو

کریما بہ بخشائے بر حال بندہ — کہ ہستم اسیر کمیٹی و چندہ

عمر گزری ہے اسی بزم کی طراری میں — دوسری پشت ہے چندہ کی طلبگاری میں

زبان اکبر کی اس طرز سخن پر ناز کرتی ہے — بجن کی دہن میں تردید بت طناز کرتی ہے

تدبیر حفظِ جان بقیہ ضرور ہے — اسوقت مومنوں کو تقیہ ضرور ہے

بنیاد ڈالتے ہیں وہ حکمت کے باغ کی — وہ ہنسکی ہے ہو رہی ہے صفائی دماغ کی

اذانوں سے سوا بیدار کن انجن کی سیٹی ہے
اسی سے شیخ بیچارے نے چھاتی اپنی پیٹی ہے

گل پھینکے ہیں یورپ کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے نیچرِ سائنس بھلا کچھ تو ادھر بھی

رات افسوس سے کہتے تھے یہ بنسی بھائی
ہم سے ناحق ہیں الگ کانفرنسی بھائی

وہ تو گرجا پہ گرا اور یہ گیا کعبہ کو پھاند
شیخ کا ٹٹو تو انجن سے بھی بڑھ کر تیز ہے

دنیا آخر کو تم سے لپیٹی
ہو ہی گئے تم غرض کہ ڈپٹی

کرتے کیا ان سے بھینٹ خالی
کر آئے ہم اپنی ٹینٹ خالی

مکہ تک ریل کا سامان ہوا چاہتا ہے
اب تو انجن بھی مسلمان ہوا چاہتا ہے

کچھ آگرہ آباد ہیں سامان نہیں بہبود کے
یہاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

وہ مس بولی میں کرتی آپ کا ذکر اپنے فادر سے
مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا مالک ہے

کاش کر لے مجھے وہ شاہد ہوئل منظور
کیک تو روز ہے اک رات تنخن بھی سہی

اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے
لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے

ان سے بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی
یہ نہ بتلایا کہاں کہی ہے دلی رات کی

یہی ہے عقدہ کشائی قوم تو اک دن
ازار بند کو کہہ دیں گے بس بیجا ہے

سدا سر حد پہ حاجت ہے رفل کی اور کاٹھی کی
چلی جاتی ہے گستاخی بغندے خان کی لاٹھی کی

اب کہاں دست جنوں تا گریباں کیا کہاں
پانچیر اور دست جنوں اور خبر ہے تار کی

لے لیا شیریں نے کمسن میں ٹھیکہ دودھ کا
ریل بنوانے لگے فرہاد اب کہسار کی

ڈنر سے تم کو کہ دعوت یہاں فاقے سے کم خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

بتاؤں آپ سے نئے بعد کیا ہوگا
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

بشکل دیگر دم انگلش وہ سیٹ
می برد ہر جا کہ میز است و پلیٹ

ہوا آج خارج جو میرا سوال
کہا میں نے صاحب سے با صد ملال

کہاں جاؤں اب میں ذرا یہ بتاؤ
وہ جھنجھلا کے بولے جہنم میں جاؤ

یہ سنکر بہت طبع غمگیں ہوئی — مگر اس تصور سے تسکیں ہوئی
کہ جب اہل یورپ میں بھی ذکر ہے — تو بیشک جہنم بھی ہے کوئی شے

نہیں مناسب کہ ہو یہ ہو اکبر ہی حریف مولوی صاحب — بجا ہو فرما رہے ہیں جو کچھ کہ عبدالعزیز صاحب

در کار چندہ سیم و زر از جیب دور رفتہ — مال حضور بود بہ پیش حضور رفتہ

شیخ اپنی رگ کو کیا کریں ریشے کو کیا کریں — مذہب کے جھگڑے چھوڑیں تو پیشہ کو کیا کریں
فریاد سے کہا کہ مناسب ہو تجھکو صبر — کہنے لگا بتائیے تیشہ کو کیا کریں

رہیں ہر پھر کے آیا بی تصیبن — وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

زمان حال میں اگلے فسانے امر ماضی ہیں — جو تلواریں چلاتے تھے وہ اب ٹھوکر پہ راضی ہیں
شراب ارزاں ہے مجلس میں رواں ہے خون تقوے کا — مزا ہو اب تو رندوں کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

نام اللہ و رسول اب تو میں کم سنتا ہوں — پہلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں
یاد کرتا ہے گر بشتہ بار اثر لا حول کو — شیخ کو طعنے دیا کرتا ہے شیطان اندنوں
بت سے مراسلت ہے تو عنواں سادہ چھوڑ — ناخوش کہیں نہ ہوں وہ ہوا المستعان پہ
مجال کیا کوئی کہدے خوشامدی مجھکو — اسی سبب سے بہت سہل ہے جناب کی مدح
لاکھ روئے کہ رہے جاتے ہیں اللہ و رسول — دیر کا کورس برہمن نے مگر کم نہ کیا

انتخاب کلیات سوم

اطبا کو تو اپنی فیس لینا اور دوا دینا — خدا کا کام ہے لطف و کرم کرنا شفا دینا
خدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں مہذب ہیں — حجاب اسکو نہیں آتا انھیں غصہ نہیں آتا
غریب اکبر نے بحث پردے کی کی بہت کچھ مگر کیا — نقاب الٹ ہی دی اسنے کہکر کہ کر ہی لیگا مرا کیا
کام اس ملک میں ہو سلطنت گورنمنٹ سے کیا — زہر کو ہضم کرے کوئی پیپر منٹ سے کیا

مال گاڑی پہ بھروسا ہے جنہیں اے اکبر
اُن کو کیا غم ہے گناہوں کی گرانباری کا

بھائیو تم کبھی ہندی کے مخالف نہ بنو
بعد مرنے کے کھلیگا کہ یہ تھی کام کی بات

بسکہ تھا نامۂ اعمال مرا ہندی میں
کوئی پڑھ ہی نہ سکا مل گئی فی الفور نجات

بظاہر تھا یراق راہ عرفاں
چو دم بر داشتم لیڈر برآمد

کونسل میں بڑھا رہے ہیں طاقت اپنی
عاقل ہیں مگر مویشی بھوانی پرشاد

شیخ کہتے ہیں کہ پیروں کی پرستش بھی ہے فرض
ماسٹر کہتے ہیں اللہ کی بھی یاد نہ کر

مولوی ہو ہی چکے تھے نذر کالج اس سے قبل
خانقاہیں رہ گئی تھیں اب ہے انکا انہدام

بند ٹاپے میں تھے وہ بنگلہ پر
صبح کے وقت ہنس پڑی وہ بیم

جب وہ بولے بجائے کوکڑوں کوں
مرغ شاخ درخت لا ہو تیم

بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہانتک وفا کریں
لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں

گو بہت اونچی ہے پرواز حریف
شیخ بھی کچھ کم نہیں ہیں جمپ میں

ان کا طوطی بولتا ہے عرش پر
انکی مرغی بولتی ہے کمپ میں

تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور
ناچے دلہن خوشی سے خود اپنی برات میں

بسبب بر گڈ میں مغرب کی رفاقت اسکو کہتے ہیں
ہوئے مدفون تکیہ میں اصالت اسکو کہتے ہیں

بوزنے کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں
ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دوں

چرخ نے پیش کمیشن کہدیا اظہار میں
قوم کالج میں اور اسکی زندگی اخبار میں

پاپ کوئی کھلا نہیں گھر میں لگی ہے آگ
اب بھاگنا ضرور ہوا غور کیا کریں

کتنے ہی بے وقار ہوں مرزا کو غم نہیں
کافی ہے یہ شرف کہ وفاتی سے کم نہیں

اولاد مرزا ہر طرف بدنام ہیں
نیگا بدہو وارث اسلام ہیں

مفتی شرع نہ ہوں لیڈر اسلام تو ہیں
بوسے مسجد نہ سہی کمپ کے گلفام تو ہیں

اس شرط پر ہمیں فلک سے صلح آخر ہو گئی
قبریں مہیا وہ کرے تزئین اونکی ہم کریں

کسی کو بحث نہیں آج باپ اور بیٹے میں
سیاسیات کے نغمے ہیں دیس کی دھن میں

میری نصیحتوں کو سنکر وہ شوخ بولا
نیٹو کی کیا سند ہے صاحب کہے تو مانوں

مہربانی سے مجھے گودام کی کنجی تو دی
لیکن اب گیہوں نہیں باقی فقط گھن کیا کروں

خوب اکبر نے یہ اڑائی تان
دین ہے آنکھ اور مذہب کان

جیسا موسم ہو مطابق اسکے میں دیوانہ ہوں
مارچ میں بلبل ہوں تو جولائی میں پروانہ ہوں

ہمارے دم سے تابندہ بتوں کے بالے بندے ہیں
ہمیں نے ان کو چمکایا ہمیں دوزخ کے کندے ہیں

یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ پڑے رہو
کہتا ہے اب یہ چرخ کہ کھاؤ پڑے رہو

قاصد ملا جب اُن سے وہ کھیلتے تھے پولو
خط رکھ لیا یہ کہکر اچھا سلام بولو

قاعدوں میں حسن معنی گم کرو
شعر میں کہتا ہوں سمجھے تم کرو

خوب لڑوایا بہم دل کھول کر
مار ڈالا راویوں نے قوم کو

سرافرازی ہو اونٹوں کی تو گردن کاٹیے انکی
اگر بندر کی بن آئے تو نیفس ارتقا کہیے

جب کہا میں نے کہ پیار آتا ہے مجھکو تمپر
ہنسکے کہنے لگے اور آپ کو آتا کیا ہے

عام الزام ہے اکبر یہ کہ پیتا ہے کیوں
اسکی پرسش نہیں ہوتی کہ یہ کھاتا کیا ہے

وہ دل کو محو تماشا بنا کے چھوڑیں گے
اس اونٹ کو خر عیسیٰ بنا کے چھوڑیں گے

کریں گے شوق سے مسلم غذا میں نے داخل
شراب کو بھی ہر لیسا بنا کے چھوڑیں گے

توپ کمسکی پر وفسر پہنچے
جب بسولا ہٹا تو رندا ہے

کمیٹی میں چندا دیا کیجے
ترقی کے ہجے کیا کیجے

اب نہ جنگی علم نہ جھنڈا ہے
صرف تعویذ اور گنڈا ہے

کیا ہے باقی جناب قبلہ میں
کچھ حدیثیں ہیں ایک ٹڈا ہے

تاکید عبادت پہ یہ اب کہتے ہیں لڑکے
پیری میں بھی اکبر کی ظرافت نہیں جاتی

دریا میں تو صاحب سے اگن بوٹ ہیں ہارے
میدان الکشن میں گئے ووٹ ہیں ہارے

تہذیب دم بخود ہے طمع کی گھسیٹ سے — حضرت بھی کام لینے لگے مار پیٹ سے

جب غم ہوا چڑھا لیں دو بوتلیں اکھٹی — ملا کی دوڑ مسجد اکبر کی دوڑ بھٹی

سنجدہ کے نغمے کہاں ان بھڑیوں کے سامنے — دلیس کو جیسے بھلایا یہ دہی کھمارج ہے

جو پوچھا دلسے اس جینے کا کیا مقصود ہے اکبر — شکم بولا کہ اسکی بحث کیا خادم تو حاضر ہے

حضرت اکبر سے کہہ دو قافلہ تیار ہے — اک رزدیوشن کا ٹٹو آپ بھی کس لیجیے

عقل نے اچھی کہی کل لالہ مجلسرائے سے — جھک کے چلنا چاہیے ہم سب کو دلسرائے سے

سیٹھ جی کو فکر تھی ایک اک کے دس دس کیجیے — موت آپہونچی کہ حضرت جان واپس کیجیے

قوم ضعیف تنگ ہے چندوں کی مانگ سے — کالج کے چیونٹے لپٹے ہیں ٹیری کی ٹانگ سے

نیٹو کی گذر ہے دال ہی پر — کالا اسطرح دال میں ہے

آمنو میں تو سب کے آگے ہیں — عمل الصالحات مشکل ہے

اسٹیشن قنا کی بھی کیا خوب ریل ہے — اس راہ میں ہر ایک پسنجر کا جیل ہے

کیا پوچھتے ہو دل کو مرے کیا مقام ہے — فطرت کے کارخانے میں غم کا گدام ہے

ہو دسہرہ میں مبارک یہ اچھل کود آپ کو — خون مجھ میں بھی ہے لیکن مجھکو بھاگنا چاہیے

اک ڈنر میں کھا گیا اتنا کہ نکلی تن سے جان — خدمت قومی میں مارے جاں نثاری ہو گئی

سنجدہ میں بھی مغربی تعلیم جاری ہو گئی — لیلی و مجنوں میں آخر فوجداری ہو گئی

یہ مصرع قافیے ہی کے لیے ہے خوب اے اکبر — جو آپڑا لکھنؤ کچھ غم نہیں پیرس تو جائے

نہ سہی الف لحم گھی ہی سہی — شیخ صاحب محبت جی ہی سہی

زندگی کو ضرور ہے اک شغل — خیر بالفعل لیڈری ہی سہی

ان کو بسکٹ کے لئے سونے کی تھیلی ملگئی — کمپ میں عقل مچ گیا مجنوں کو لیلی مل گئی

تھے معزز شخص لیکن انکی لائف کیا کہوں — گفتنی در سنگ گزشت باقی ہے سب ناگفتنی

شکم سے حضرت انسان نجات پا نہ سکے — اب اپنے پیٹ میں ہیں پیدا ہوں کے پیٹ میں تھے

موج ہے دل میں مرے قافیہ پیمائی کی
جا کے گنگا پہ کہا کرتا ہوں سچے مائی کی

آنکھیں ساقی کی تھیں رسیلی
اب تک میں بچا تھا آج پی لی

شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرید آوارہ ہیں
بیبیاں اسکول میں ہیں شیخ جی دربار میں

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر
خاتون خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں

ذی علم متقی ہوں جو ہوں ان کے منتظم
استاد اچھے ہوں مگر استاد جی نہ ہوں

آدم چھٹے بہشت سے گیہوں کے واسطے
مسجد سے ہم نکل گئے گیہوں کی چاہ میں

دو اسے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم
قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

منزل گور تک پہونچنا ہے
خواہ موٹر ہو خواہ چھکڑا ہو

مرزا غریب چپ ہیں انکی کتاب ردی
بدھوا کر رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

جناب ہی کو مناسب ہے یہ سول لائن
نیاز مند کو تو شہر ہی میں راحت ہے

مرغی نے کہا خوب کسی کمپ میں لٹ کے
انڈا وہی اچھا ہے کہ بچہ جسے کھٹکے

کیوں اپنے سر یہ زحمت بیسود لیجیے
کونسل کے بدلے گھر میں اچھل کود لیجیے

ہر چند کہ ہے مس کا لونڈر بھی بہت خوب
بیگم کا مگر عطر حنا اور ہی کچھ ہے

قیمت کو شرح بڑھ کر دیتے ہیں ٹھرے کے دام
بے حسی کا میکدہ ہے غفلتوں کا دور ہے

بھرتے ہیں میری آہ کو فونوگراف میں
کہتے ہیں فیس لیجیے اور آہ کیجیے

شیخ کے دامن کو اکبر نے دیا بوسہ جو کل
ہمنے برکت کیلئے اس مس کا سایہ چھو لیا

قوم پر ممبری کا فیصلہ ہوا
کل جو اپنا تھا آج غیر ہوا

شیخ جی مر گئے کمیٹی میں
شل مچا خاتمہ بخیر ہوا

اک پیر نے تہذیب سے لڑکے کو ابھارا
اک پیر نے تعلیم سے لڑکی کو سنوارا

پتلون میں وہ تن گیا یہ سایہ میں کھیلی
پاجامہ غرض یہ ہے کہ دونوں نے اتارا

بہرا وہ بنا آپ میں یہ بنگلیں آیا
بی بی نہ رہیں جب تو میاں بن بھی سدھارا

دونوں جو کبھی ملتے ہیں گاتے ہیں یہ مصرع — آغاز سے بدتر ہے سرانجام ہمارا

پیئے ممبر ہی جو ابلے سمجھ اسکو خون اچھا — یہ بجا ہے قول شاعر گڑ ٹڈ جنون اچھا

کیونکر خدا کے عرش کے قائل ہوں عزیز — جغرافیہ میں عرش کا نقشا نہیں ملا

فرقت نے کہا کہ جا گئے آپ — کھٹمل نے کہا کہ بھاگ گئے آپ

ہم ڈنر خواہی و ہم آرد و غ صاف — ایں خیال است و محال است و گزاف

کیا پوچھتے ہو اکبر شوریدہ سر کا حال — خفیہ پولیس سے پوچھو ہاں ہے کدھر کا حال

خدا کی راہ میں اب ریل چل گئی اکدن — جو جان دینا ہو انجن سے کٹ مرو اکدن

وصل کا اس بت خود بیں سے کوئی ہنٹ کہاں — صرف بوسہ میں بھلا سلف گورنمنٹ کہاں

رسماً تو ایک بوسہ ہے کافی وم وداع — لیکن مزا جو آئے تو دو تین کیوں نہ لیں

ممبر علی مراد ہیں یا سکھ ندان ہیں — لیکن معائنہ کو وہی تا بدان ہیں

ہجر کی شب یوں فیس کا ٹو جھائیو — اُن کا فوٹو لیکے چاٹو بھائیو

جو چاہتے ہیں کٹے عمر اعتدال کے ساتھ — بٹھا رہے ہیں وہ بسکٹ کا جوڑا کے ساتھ

شیطان نے ترکیب تنزل یہ نکالی — ان لوگوں کو تم شوق ترقی کا دلا دو

کافی ہیں امیروں کو قوانین گورنمنٹ — مذہب کی ضرورت تو غریبوں کے لئے ہے

دل میں اب نور خدا کے دن گئے — ہڈیوں میں فاسفورس دیکھئے

دیہری سکھاتی ہیں ہمکو یہ کہکر — جہنم سے ڈرنا بڑی بزدلی ہے

نظر میں تیزگی ہے اور رگوں میں تازگی ہے — ضرورت کیا ہے پردے کی جاں ہے کا پانی ہے

ٹرخا دیا ہے اک کو مغرب نے پاس کر کے — سید بھی کو رے کہکے برسوں مساس کر کے

برگنڈے موسوی کو کیا پوچھتے ہو کیا ہے — مغرب کی پالسی کا عربی میں ترجمہ ہے

فکر ساری کی ہے نہ فنگن کی — اب تو دھن ہے انھیں ڈنگن کی

یہ دال لب گنگ کبھی گل نہیں سکتی — کلو کے پٹانے سے بلا ٹل نہیں سکتی

پیٹ مصروف ہے کلرکی میں — دل ہے ایران اور ٹرکی میں

ہو گیا ہے الہلال آما جگاہ تیر غرب — اس نئے دور فلک کی چاند ماری دیکھئے

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو — جب توپ مقابل ہو تو تلوار نکالو

ضبطی پر چہ تو حسید ہوئی خیر یہ ہے — قل ہو اللہ احد ضبط نہیں خیر یہ ہے

صاف کہتا ہوں رہیں خوش یا ہوں ناخوش مولوی — آسماں اب چاہتا ہے مولوی کش مولوی

حج کو کیونکر جائیں کارخانگی کو چھوڑ کر — اتنی کثرت ہو جو چوہوں کی تو بلی کیا کرے

شیخ جی کے دو تو بیٹے باہنر پیدا ہوئے — ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پا گئے

ڈائری میں ہو گیا تھا اختلاف اندراج — ٹر گئے خفیہ پولس سے کل کراماً کاتبین

داڑھی خدا کا نور ہے بیشک مگر جناب — فیشن کے انتظام صفائی کو کیا کروں

نہ کٹ لٹ ہے نہ یاں کانٹا چھری ہے — مگر گھی ہے تو کھچڑی کیا بری ہے

دہن دلیس کی عنقی جبیں گاتا تھا اکثر باتی — بسکٹ سے ہو ملائم پوری ہو چپاتی

شان نماز اکبر شاہانہ ہو چلی ہے — مسجد الگ بنائیں اپنی میاں بقائی

بابو ہمیں نگل گئے اس عہد میں تو خیر — رہنا پڑا ہے نیلوں کو مچھلی کے پیٹ میں

حقیقی اور مجازی شاعری میں فرق یہ پایا — کہ وہ جامہ سے باہر ہے یہ پاجامہ سے باہر ہے

لیڈر کو دیکھتا ہوں تصوف پہ معترض — کالج کے کیڑے پڑ گئے دل فقیر میں

تعلیم اسکی اچھی جو گھر میں اپنے خوش ہو — مذہب اسی کا بہتر جس کو پولس پکڑے

طاعون کی بدولت ان کو بھی ارتقا ہے — جو مارتے تھے کبھی اب مارتے ہیں چوہے

فرما گئے ہیں یہ خوب بھائی گھورن — دنیا روٹی ہے اور مذہب چورن

سایہ مدت ہوا غبارہ بنا — پانچوں میں بھی اب بھری ہے ہوا

مغربی تعلیم ہو اور ہوم رولی بات ہو — لطف موسم سے ہی مینڈک ہو اور برسات ہو

خرچ کیا روپیہ جو کاغذ کا چلا — شکر کر روٹی تو گیہوں کی رہی

نبوت کا زمانہ اور تھا اب اور جھوٹ ہے
وہاں سینے میں قرآں تھا یہاں سینے میں اسکا ہے

الانسان خاصاحک صرف یہ تخلص معلوم ہے یا یہ کہ ایک وقت میں یہ مرحوم اودھ پنچ کے نامہ نگار تھے۔ باقی حالات وغیرہ بالکل معلوم نہیں۔ صرف تھوڑا سا کلام ملا ہے جو نقل کیا جاتا ہے۔ ۱۹۰۰ء میں جب کسی یورپین حاکم اعلیٰ نے ہندوستانیوں پر جھوٹ کا الزام لگایا۔ جس سے متاثر ہو کر اکبر مرحوم نے یہ رباعی کہی تھی۔

بیڈ مسب ہے جھوٹ سچ کی اپٹری بہت ہندیں
سچ کہتے ہیں جو جھوٹ ہوں کہتے تو روسیاہ
کیسے ہی ہم ہوں آپ تو ہیں ہمپہ حکمراں
جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

اسی زمانہ میں جناب الانسان خاصاحک نے یہ نظم کہی۔

جھوٹا ہمیں بتاتے ہیں سالانہ بزم میں
کیونکر کہیں کہ جھوٹ کا الزام جھوٹ ہے
وہ صبح کو بتائیں اگر شام راست ہے
اور ہم بتائیں شام کو گر شام جھوٹ ہے
وہ کہہ رہے ہیں ہند میں تکلیف کچھ نہیں
ہم کہہ رہے ہیں ہند میں آرام جھوٹ ہے
آتی تھی سوتے سوتے نظر شکل ہند کی
پوچھا جو میں نے نام کہا نام جھوٹ ہے
انعام پاتے ہیں جو ہمارے گریجویٹ
انعام اسے نہ سمجھو سب انعام جھوٹ ہے
مفلس ہوں گرچہ صدمۂ آلام سے اسیر
افلاس جھوٹ صدمۂ آلام جھوٹ ہے
تصویر میں ہے آم کے اگر آم رس بھرا
پاں شاخ میں لگا بھی ہو گر آم جھوٹ ہے

. . . . . .

بندہ خدا وہاں ہے یہاں بندۂ خدا
دین سچ راست ہے اسلام جھوٹ ہے
ناول ڈراما سچ ہیں کہ یورپ میں ہیں بھیجے
مطبوع ہند قصۂ گلفام جھوٹ ہے
کہتے ہیں وہ جو آئی کو اسٹار عین صدق
کہتے ہیں ہم جو آنکھ کو بادام جھوٹ ہے

. . . . . .

گردش کا اپنی گردش ایام ہے سبب — گو وہ کہیں کہ گردش ایام جھوٹ ہے
ادبار جبکہ آگیا سب عیب آ گئے — آغاز جھوٹ نیز سرانجام جھوٹ ہے

اسی طرح جس وقت فصیح الملک نواب مرزا داغ کا انتقال ہوا تو الانسان خطاء کے صاحب کی منچلی شوخ طبیعت نہ رہ سکی اور جناب نے یہ قطعہ ارشاد فرمایا۔

یادش بخیر آکے اجل نے مٹا دیا — گویا کہ داغ صفحۂ ہستی پہ داغ تھے
تھے باعث نشاط کبھی مورث صداع — بلبل تھے ناچ گھر کے کلب گھر میں زاغ تھے
گھبراتے تھے ولایتی چکر کی سیر سے — مخمور حسن کیفیت جام باغ تھے
مجلس میں ان کی پوٹ نہ دہکی تھی ڈھابیں — سینہ میں کے سیاہ کی نقطہ کچھ یا داغ تھے
شالینہ لیڈیوں کا نہ مطلق تھا ان نشاں — ہاں رنگ تھے ڈالیوں کے پتے نقش سراغ تھے
باتوں میں پر چلے تھے طبیعت ہو شوخیاں — روشن ضمیر تھے نہ وہ عالی دماغ تھے
کہنے کو آ گئے وہ نئی روشنی کے کیمپ — وہ تو الا دین کے طاقی چراغ تھے

المستہ — غالباً ایک فرضی تخلص ہے۔ تھیٹر کے رنگ کی ایک نظم جس میں موجودہ زمانہ کے بعض جنٹلمینوں اور لیڈروں کو ظرافت کی شیرینی سے شربت بنا کر نصیحت کا زہر پلایا گیا ہے۔

تم صاحب لکچر مالک — تم شہر کے لیڈر مالک
تم اعلیٰ افسر مالک — تم مولوی مسٹر مالک
تم خان بہادر مالک
تم ہشو ہشندر مالک — تم پور سے بندر مالک
تم تیز بچھندر مالک — تم لال قلندر مالک

تم خان بہادر مالک

تم دوڑ کے بنگلے جاؤ — تم ڈنر ٹفن سب کھاؤ
تم کلب میں تاچوگاؤ — تم شیخی سے اتراؤ

تم خان بہادر مالک

تم صورت اپنی دیکھو — تم سیرت اپنی دیکھو
تم شہرت اپنی دیکھو — تم نخوت اپنی دیکھو

تم خان بہادر مالک

تم سید زادے کیسے — ہو شاید ایسے ویسے
صاحب کے تلوے چاٹیے — ہو مدہوش اسی پیسے

تم خان بہادر مالک

اب خان بنے مرزائی — ہیں جیسے خلیفہ نائی
کیا اچھی ناک کٹائی — کچھ بھی شرم اور لاج نہ آئی

تم خان بہادر مالک

تم شان عیشت والے — تم کبر و رعونت والے
چھٹکار اور لعنت ملنے — صہبا سے جوتوں کے نوالے

تم خان بہادر مالک

تم کھاؤ مرغی انڈا — تم مارو سب کو ڈنڈا
تم گاڑو پھانسی پھندا — تم پاؤ انگلش کنڈا

تم خان بہادر مالک

تم گھوڑا تم ٹٹو رکھو — تم گوری میڈم رکھو
تم نیزہ بلم رکھو — تم نوکر ایدم رکھو

تم خان بہادر مالک

المست شرابی آیا　　تم بھاگو ڈنڈا لایا

تم ہپ ہپ ہرّا گایا　　یہ نغمہ خوب سمایا

تم خان بہادر مالک

امید۔ تخلص ہے میرے دوست ابوالکمال سید محمد علی صاحب کا۔ جنکا اصلی دولت خانہ امیٹھی ضلع سلطان پور تھا۔ مگر ایک عرصہ سے لکھنؤ محلہ حسین گنج میں قیام ہے۔ آپ فارسی اور اردو دونوں زبان میں شعر کہتے ہیں نہ صرف شعر گو کی حیثیت رکھتے ہیں بلکہ اب ایک مسلم الثبوت استاد کامل ہیں۔ آپکے علمی و ادبی کارناموں سے ملک کا گوشہ گوشہ واقف ہے۔ آپکو سلسلہ ظرفا میں شامل کرنا آپ کے لئے دون مرتبت سے کم نہیں ہے۔ مگر چونکہ اودھ پنچ سابق کے آپ ایک قابل اور مشہور و معروف نامہ نگار تھے اور مدتوں تک آپ کے علمی ادبی تنقیدی مضامین اور اسی کے ساتھ آپ کی ظریفانہ نظمیں بھی شایع ہوتی رہیں بلکہ آخر میں آپ نے اودھ پنچ کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بھی کام کیا۔ اور نہایت ہی فاضلانہ اور قابلانہ طریقہ سے اسکی خدمات انجام دیں۔ اس لئے تذکرہ نویسی کا گناہ ہوگا اگر ہم آپ کا ذکر نہ کریں۔ آپکا سن شریف کم از کم اسوقت پچپن سال کا ہوگا۔ مگر زندہ دلی اور ظرافت کی ایک مجسم تصویر ہیں۔ وضعدار نیک دل ہونے کے علاوہ علمی شغف یہاں تک رکھتے ہیں کہ ہر معمولی سے معمولی لفظ کو بھی بغیر تحقیق و تدقیق کے استعمال نہیں کرتے۔ مجھ سے دس بارہ برس سے ملاقات ہے مگر آپ کی پاس وضع میں کبھی فرق نہیں آیا کہ برابر تیسرے چوتھے روز تشریف آوری سے مجھے شکریہ کا موقع دیتے ہیں۔ اگرچہ آپ کا کلام ظریفانہ بہت کچھ ہے مگر سردست جو کچھ مل سکا وہ حاضر کیا جاتا ہے۔

ایک نظم معروف بہ خیالات عمیق جنوری ۱۹۰۵ء میں آپ نے لکھی تھی جس کا ہر شعر ظرافت کی نہر کا ایک موج رواں معلوم ہوتا ہے یہ آپ نے بطریق تحفۂ سال نو اودھ پنچ کو پیش کی تھی ۔

مشفق من کیجئے کیا عرض حال — شامت اعمال کا سنئے مآل
زن مریدی کا برا ہو کیا کہوں — جان سے جورو کے ہاتھوں تنگ ہوں
زندگی اپنی ہوئی مجھکو وبال — ہے کسی کا شعر میرے حسب حال
حکم جورو جی بہ از حکم خداست — انچہ جورو جی بفرماید رواست
سنت شارع سمجھ کے بے صلاح — اک عفیفہ سے کیا میں نے نکاح
وہ نکاح سنت خیر الورا — میرے حق میں طوق ذلت ہوگیا
حال من از دست بانو ابتر است — در گلویم سنت پیغمبر است
بے اجازت جورو صاحب کے کہیں — میں کہیں آتا نہیں جاتا نہیں
کیا کہوں شامت جو آئی ایکبار — خودسری سر پر ہوئی میرے سوار
جلدی جلدی نوش کرکے میں ٹفن — کوٹ اور پتلون کرکے زیب تن
رکھکے ٹرکش کیپ سر پر اک نئی — فیشن ایبل ہاتھ میں لیکر چھڑی
جورو صاحب سے نہ کچھ پوچھا گچھا — گھر میں سے سیٹی بجاتا چلدیا
کی مٹرگشتی بہت بے فائدہ — جیسے جنٹلمینوں کا ہے قاعدہ
صبح سے القصہ لیکر تا مسا — دربدر کی خاک میں پھانکا کیا
اب خیال آیا کہ کیا کیجیے علاج — میم صاحب ہیں نہایت بدمزاج
وہ جو پوچھیں گی کہ تھے اب تک کہاں — کیا کروں گا سامنے ان کے بیاں
کچھ جو آئیں بائیں شائیں بکدیا — عذر بدتر از گنہ ہو جائے گا
میں جو کچھ بگڑا تو شامت آئیگی — وہ جو بگڑینگی قیامت آئے گی

سوچتا تھا یا الٰہی کیا کروں — جان تھی نیچے دروں نیچے بروں
دیکھتا ہوں سامنے اتنے میں کیا — اک مجسّم دیو آتا ہے چلا
کچھ عجب اک ڈھو کا ڈھو تھا وہ بشر — ڈر گیا میں اسکی صورت دیکھکر
جب مرے نزدیک بالکل آگیا — میں نے حسب وضع اس سے یوں کہا
دل تم آیا ہو کہاں سے کون ہے — یہ جہہ کیا لادا ہے جس سے ڈھو ہے
وہ لگا کہنے مگر اے خواجہ گوش — من ز کابل ہستم انگوزہ فروش
سن کے ان کی بات کو میں خوش ہوا — اور دل ہی دل میں اپنے یوں کہا
عذر معقول آگیا ہے خوب ہاتھ — ان کو لے چلئے مکاں پر اپنے ساتھ
لیکے ہمرہ ان کو قصہ مختصر — پہونچے خوش خوش تا در نکبت اثر
چپکے چپکے گھر کے اندر میں گھسا — سامنا چوہے کو بلی کا ہوا
گو ڈرا میں بگڑتے تیور دیکھکر — دفع دخل اسطرح کر ڈالا مگر
بیوی صاحب یہ نہ سمجھو ڈینگ ہو — دال کی لذت جو ہے وہ ہینگ ہے
دل جو دال ماش کو چاہا مرا — جستجو میں ہینگ کی دن بھر پھرا
اتفاقاً ایک آغا کابلی — ملگئے آتے ہوئے مجھکو ابھی
ساتھ ساتھ اپنے انھیں لایا ہوں میں — اُن کو ڈیوڑھی میں بٹھا آیا ہوں میں
کہکے اتنا گھر میں با خوف و ہراس — الغرض آیا میں پھر آغا کے پاس
چونکہ ہے سودا ترقی کا مجھے — ہینگ دینگ اُن سے نقدی لینا مجھے
بیٹھکر کہنے لگا میں انسے یوں — بیچتے پھرتے ہو تم یہ ہینگ کیوں
ہینگ کیا اور ہینگ کا بکنا ہی کیا — بدی کیا اور بدی کا کیا شوربا
رہ کے دنیا میں ترقی کیجئے — حرفت و صنعت میں حصہ لیجئے
چھانتے پھرتے ہو کیوں گلیوں کی خاک — کیوں ہوئے جاتے ہو آفت میں ہلاک

کر کے ہمت کسب کوئی سیکھ لو — نفع ہمتے تاکہ اوروں کو بھی ہو
آجکل جاپان ہے حرفت کی کان — جسنے کاٹے اہل یورپ کے بھی کان
سیکھئے جاکر وہاں کوئی ہنر — زندگی بھر چین سے کیجئے بسر
سنکے یہ باتیں وہ کابل کا گدھا — یک بیک جھنجھلا کے یوں کہنے لگا
کے خری انگوزہ راو ہینگ را — خرچہ داند شاخ راو سینگ را
ہینگ باشد دافع درد شکم — ہینگ باشد نافع ہضم اتم
ہینگ باشد جملہ علت را دوا — ہینگ باشد نوش دنیش جانفزا
ہینگ خواہد ہر کہ او بینا بود — قدر دانش بو علی سینا بود
ماش را روح روانے چیست ہینگ — قالبش را تازہ جانے چیست ہینگ
بگزر از جاپان واز جاپانیاں — قید صدا یجاد واز زندانیاں
جاہل انداز دال ماشش دانگرہ — مے ندانند ایں غذائے خوش مزہ

غزل

آجکل ہے کچھ سنیچر پاؤں میں — مفت کا رہتا ہے چکر پاؤں میں
سیکڑوں خار مغیلاں ٹوٹ کر — رہ گئے ہیں مثل نشتر پاؤں میں
رشتۂ تہذیب کو تو آج کل — باندھے پھرتے ہیں مچھندر پاؤں میں
بدگمانی تو ہے جب باندھے پھریں — جوروؤں کو اپنے شوہر پاؤں میں
عشق میں اک آسماں رفتار کے — آگیا ہے سر کا چسپکر پاؤں میں
ہجر میں ان کے ستم یہ اور ہے — کاٹتے ہیں شب کو پتھر پاؤں میں

بابو صاحب وطن کا پاس اچھا ہے — بات اچھا ہے ماشلی کا ماس اچھا ہے

مطلب نہ زمین سے نہ لٹھے سے غرض — گاڑھا دھوتر یہی لباس اچھا ہے

ہم دور اندیش لاکھ سمجھا سے گئے — آپ ایسے گھو کر اپنی ہی گا سے گئے
کچھ لاج رہی نہ پت رہی اور نہ راے — جب مانڈے لالہ لاجپت رائے گئے

واعظ پیر مغاں تو کنجوس نہیں — لیکن سمجھا بھی کو منحوس نہیں
لٹیا ہی ڈبوئی بنکے میکش دیکھا — یا وہ ہے تو شراب معکوس نہیں

رات اپنا جس مقام پر قضا پر تھا گزر — تذکرہ کچھ مختصر ہمکو وہاں کے یاد ہیں
یعنی یہ دیکھا ہے کہ اک بوستان بیخزاں — قید غم سے جس جگہ سرو چمن آزاد ہیں
ناگہاں وہ شوخ آکر مجھسے یہ کہنے لگا — آپ کسکو پوچھتے ہیں کسلیے ناشاد ہیں
انتظام مملکت کہتے ہیں مجھکو خاص و عام — پوچھیے ان سے کہ یہ لالہ بڑے استاد ہیں
پھر بقول موسیو اس کافر نے لالہ سے کہا — آپ کہتے پھرتے ہیں ہم مورد بیداد ہیں
اور سوا اسکے سنی ہے آپ کی اپیل بھی — ہم کہیں ظالم کہیں قاتل کہیں جلاد ہیں
جی میں آتا ہے کہ اکدن ذبح کر ڈالوں تجھے — کیوں قضا آئی ہے تیری کیوں لیے ہم جلاد ہیں

کل مجھسے بکڈپو کے منیجر نے یوں کہا — کچھ ملک و قوم کی بھی مدارات چاہیے
دلچسپ ناولوں کی ضرورت ہے ملک کو — کشاف چاہیے نہ اشارات چاہیے
اک جی حضور خان بہادر کا ہے یہ قول — صاحب کے اردلی سے ملاقات چاہیے
غالب کی پوچھیے تو مقولہ ہے انکا یہ — اک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے
مجھسے جو پوچھیے مے و معشوق کے سوا — امید سب سے نیک ملاقات چاہیے

انشا - سید انشاء اللہ خاں نام تھا - حکیم میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے دلی کے رہنے والے تھے - مگر جائے ولادت مرشد آباد تھی - ان کے والد خود بھی پختہ مشق شاعر تھے - انشا جب سیانے ہوئے تو ان کی تعلیم و تربیت اس زمانہ کے شرفا کی طرح کی گئی - اور عربی فارسی وغیرہ میں نہایت زبردست استعداد پیدا کرائی گئی -

انشا کی شاعرانہ طبیعت چند روز میں اپنے اصلی رنگ پر آ گئی مشق شعر و سخن شروع کی ابتدا میں اپنے والد بزرگوار کو اپنا کلام دکھایا - انشاء کی شاعری کا سرسبز پودا مرشد آباد ہی میں پھلا پھولا - مگر چونکہ اس زمانہ میں ہندوستان میں ہر طرف تباہی کا طوفان امڈا ہوا تھا اسی لئے ان کو بھی مرشد آباد چھوڑ کر دلی آنا پڑا - مگر آج کل دلی کا دربار ایک خانقاہ درویشانہ تھا نہ وہ شاہانہ عظمت اور جبروت باقی تھا نہ وہ اقتدار تھا دلی کا بڈھا تاجدار شاہ عالم بادشاہ عماد الملک وزیر کے ہاتھوں شاہ شطرنج بنا ہوا تھا - بے بسی اور بے کسی کی زندگی بسر ہو رہی تھی - مگر تاہم ابھی وہ غریب نوازی اور بندہ پروری کی روایات قدیمہ زندہ تھیں - یہی سبب تھا کہ ہر ذی کمال اہل ہنر کی پہلی تمنا یہی ہوتی تھی کہ وہ دربار شاہی میں داخل ہو - اسی بنا پر انشاء کو بھی داخلہ کا شوق چرایا - چونکہ اہل کمال بھی تھے اور ساتھ ان کی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی چار طرف دھوم تھی اسی لئے آسانی کے ساتھ دربار میں داخل ہو گئے مگر وہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں - دربار نام کا دربار ہے باقی اللہ کا نام ہے - پھر بھی سنگ آمد و سخت آمد کا معاملہ تھا ؎ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز کی مشہور ضرب المثل پر عمل کر کے چار و ناچار چند روز نباہی - اور اپنی خوش بیانیوں اور خوش مذاقیوں - گل افشانیوں سے اس وادی خزاں رسیدہ کو گل و گلزار بنائے رکھا مگر کب تک آخر گھبرا گئے جی اکتا گیا - اور لکھنؤ کی طرف رخ کیا - لکھنؤ اسوقت آج کا لکھنؤ نہ تھا - گوشہ گوشہ قدر دانوں سے آباد تھا - ذرہ میں فیض - ساقی مہماں نوازی کی صلا

موجود تھی - جیسے ہی یہ لکھنؤ پہونچے مرزا سلیمان شکوہ کے دربار میں اُن کو جگہ مل گئی - مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم بادشاہ کے بیٹے تھے - انھوں نے کچھ انشا کے علم وفضل اور رنگین مزاجی کی قدر کی - کچھ اپنے باپ کے درباری ہونے کا لحاظ کیا - غرض کسی نہ کسی صورت سے یہ اُن کے شاگرد ہو گئے - انشا کو تمامتر تو نہیں مگر کچھ نہ کچھ اطمینان ہو گیا اور غربت کے آنسو پُنچھ گئے - چند روز انھیں کے یہاں رہتے سہتے رہے مگر آخرالامر علامہ تفضل حسین خاں کے توسل سے نواب سعادت علیخاں کے دربار میں پہونچے - اور اسقدر مقرب بارگاہ ہوئے کہ نواب کو ان کے بغیر کسی وقت چین ہی نہ آتا تھا - انشا کی رنگین مزاجی نے کچھ نہ کچھ نواب کو بھی رنگیں کر دیا تھا - مگر فطرتاً نواب نہایت ہی سادہ مزاج - خاموش - متین - اور سنجیدہ تھے اب یہ عالم تھا کہ خلوت اور جلوت میں دم بھر کے واسطے بھی سید انشا جدا نہ ہوتے تھے - ایک غیر مطبوعہ کتاب جو مشہور بھی نہیں ہے لطایف السعادت کے نام سے مجھے ملی تھی - یہ انشا کی تصنیف تھی اور اسمیں نواب کے حکم سے انشا نے وہ دلچسپ لطائف اور باتیں جمع کی ہیں جو نواب میں اور ان میں خاص خاص مجلسوں میں ہوا کرتی تھیں یہ کتاب مدتوں میرے کتبخانہ میں رہی اب سید جالب صاحب ایڈیٹر ہمدم کے یہاں ہے - اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ نواب سے اور ان سے اتنی بے تکلفی تھی کہ اس سے زیادہ محال تھی - مگر ہم لکھ چکے ہیں کہ نواب کے مزاج میں یہ رنگینی جو انشا کی صحبت سے پیدا ہو گئی تھی - وہ فی الاصل متین تھے اور انشا ضرورت سے زیادہ ہنسوڑ شوخ مزاج - رندلا ابالی چنانچہ اسی افراط و تفریط کی بدولت یہ نوبت پہونچی کہ نواب کو کچھ برہمی پیدا ہوئی اور اسی کی پاداش میں ان کو ۱۲۲۵ھ میں دربار سے الگ ہونا پڑا - نواب نے اسکے بعد اُن کو یہ بھی حکم دیا کہ ہمارے دربار کے سوا اور کہیں نہ جایا کرو - اسکے بعد یہ ستم کیا کہ تنخواہ بھی بند کر دی - ایک آفت یہ آئی کہ تعالی اللہ خاں جوان بیٹا مر گیا - اور انشا کی اسی غم میں بہت ہی زار و نزار حالت ہو گئی -

آزاد نے اسی واقعہ کو اپنی رنگین بیانی سے آبحیات میں اتنا چمکایا ہے کہ پڑھنے والے کی آنسو نکل آتے ہیں۔ لکھا ہے کہ مجنون ہوئے اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرے۔ مگر دراصل یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔ آزاد لکھتے ہیں کہ میاں رنگین بیان کرتے ہیں کہ میں سوداگری کے لئے گھوڑے لیکر لکھنؤ گیا اور سرا میں اترا۔ شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ قریب ہی کوئی مشاعرہ ہوتا ہے۔ کھانا کھا کر میں بھی جلسہ میں پہونچا ابھی دو تین سو آدمی آئے تھے لوگ بیٹھے باتیں کرتے تھے۔ حقے پی رہے تھے۔ میں بھی بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میلی کچیلی روئی دار مرزئی پہنے سر پر ایک میلا سا پٹکا۔ گھٹنا پاؤں میں۔ پیکوں کا توبڑا ڈالے ایک کلڑ کا حقہ ہاتھ میں لئے آیا اور سلام علیکم کہکر بیٹھ گیا کسی کسی نے اس سے مزاج پرسی بھی کی۔ اسنے اپنے توبڑے میں ہاتھ ڈالکر تمباکو نکالا اور اپنی حلم پر سلفہ جما کر کہا کہ بھئی ذرا سی آگ ہو تو اسپر رکھ دینا۔ اسیوقت آوازیں بلند ہوئیں۔ اور گڑگڑی شاک پیچوان سے لوگ تواضع کرنے لگے۔ وہ بد دماغ ہو کر بولا کہ صاحب ہمیں ہمارے حال پر رہنے دو۔ نہیں تو ہم جاتے ہیں۔ سب نے اسکی بات مانی۔ دم بھر کے بعد پھر بولا کہ کیوں صاحب ابھی مشاعرہ شروع نہیں ہوا۔ لوگوں نے کہا کہ جناب لوگ جمع ہوتے جاتے ہیں۔ سب صاحب آجائیں تو شروع ہو۔ وہ بولا کہ صاحب ہم تو اپنی غزل پڑھ دیتے ہیں یہ کہکر توبڑے میں سے ایک کاغذ نکالا۔ اور غزل پڑھنی شروع کر دی "غزل یہ تھی" کمر باندھے ہوئے چلنے کو یہاں اب یار بیٹھے ہیں۔

مولوی عبدالحی صاحب مرحوم اپنے تذکرہ گل رعنا میں لکھتے ہیں کہ یہ غزل انشا کی اس زمانے کی تصنیف نہیں ہے جو اُن کے جنون اور بیچارگی کا زمانہ بیان کیا جاتا ہے۔ میں نے اس غزل کے چند اشعار تذکرہ مصحفی میں پڑھے ہیں۔ جو اس زمانہ میں لکھا گیا ہے جسوقت انشا لکھنؤ پہونچے بھی نہ تھے۔ مصحفی نے تذکرہ میں وہاں تک کا حال لکھا ہے کہ وہ مرشد آباد سے دلی میں آچکے ہیں۔ اور مرزا عظیم وغیرہ شعراء دہلی سے معرکہ پیش تھے

خود میں نے ایک غیر مطبوعہ نسخہ انیس الاحباب مصنفہ موہن لال انیس میں دیکھا ہے
کہ وہ آخر وقت تک مشاعروں وغیرہ میں شریک ہوتے تھے۔ اور جنون وغیرہ کا اس میں
کہیں ذکر نہیں۔ یہ تذکرہ انشا کی حیات میں لکھا گیا یا اُن کی وفات کے دو چار برس بعد
مصنف تذکرہ اُن کے دوستوں میں تھے۔ افسوس کہ اسوقت وہ تذکرہ میرے پاس
نہیں ہے ورنہ مفصل لکھتا۔ بہرصورت اسمیں کلام نہیں کہ انشا کی زندگی کا آخری زمانہ
تکالیف میں گزرا۔ اور انھیں صعوبتوں میں ۱۲۲۳ھ میں وہ ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہوگئے
انشا کی تصانیف بہت سی ہیں جنمیں سے دریائے لطافت سب سے زیادہ مشہور و
معروف ہے۔ دیوان بھی کئی ہیں جو ایک کلیات میں شامل ہیں۔ کئی سے میری یہ مراد
ہے کہ ایک فارسی۔ ایک بے نقطہ۔ ایک اُردو کا دیوان ہے۔ مثنویاں قصیدے رباعیاں
بہت سی ہیں۔ ان کی شاعری کی نسبت یہاں کوئی رائے دینا بے ضرورت ہے۔ البتہ
ظرافت کے متعلق یہ کہنا ضروری ہے کہ وہ خلقاً نہایت ظریف۔ ہشاش بشاش واقع ہوئے
تھے۔ اکثر تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ درباری شاعر۔ یا نوابی دربار کی مصاحبت کیوجہ
سے انھیں ظرافت کی ضرورت پڑتی تھی۔ مگر میں اس کے خلاف ہوں حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ
درباری مصاحب اور شاعر بھی نہ ہوتے تب بھی ایسے ہی ظریف ہوتے۔ اب بھی دیوان کو دیکھئے
تو ضرورت اور بے ضرورت۔ جا اور بیجا سب جگہ ان کے تمسخر اور مزاح کی شان موجود ہے۔ تذکرۂ
گلشن بے خار کا وہ جملہ جو آزاد کے سینہ پر کٹار کا کام دیتا ہے۔ اگر میرے خلاف ہے تو صرف
اسی لئے ہے کہ شیفتہ مرحوم کو یہ لکھنا تھا۔ کہ بجز ظرافت ہیچ صنف را بطریقہ راست شعرانہ گفتہ۔
حقیقت یہ ہے کہ انشا ظرافت ہی کے لئے پیدا ہوئے تھے اور اگر وہ صرف ظرافت ہی کیلئے تب بھی
اُن کا علم و فضل اتنا ہی مسلم ہوتا جتنا آج ہے۔

ان کی ظرافت کے اقسام گنانا ایک قسم کی دانستہ غلطی کرنا ہے۔ وہ شخص بات
بات میں ظرافت کے دریا بہاتے۔ کہ کوئی کہاں تک اسکا اندازہ کر سکتا ہے۔ پھر بھی سخن کو

اُن کے ظریفانہ انداز کا سب سے بڑا نمونہ سمجھئے۔ بعد ازاں اڑواڑی وغیرہ کا نمبر آتا ہے بہر صورت ہم اُن کی ہر قسم کی ظریفانہ شوخیوں میں سے کچھ نمونے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ مگر قبل اس کے کہ نظم کا حصہ شروع کریں۔ اُن کے کچھ لطائف لکھے دیتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ جو کچھ کہتے تھے ازراہ تکلف و تصنع نہ تھا بلکہ ان کی فطرت یہی تھی۔ ان کا وجود اُن کی ہستی محض ہنسنے ہنسانے کے لئے پیدا ہوئی تھی۔ لطف یہ ہے کہ جس رنگ میں کوئی شعر کہتے ہیں۔ یا جس قسم کی ظرافت سے کام لیتے ہیں اسمیں کسر باقی نہیں رکھتے۔ کیا مجال کہ کہیں اعتراض کیسا نظر بھر کر دیکھنے کی بھی گنجائش نکل آئے کوئی غلطی سرزد ہو معاذ اللہ۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عمر بھر انھوں نے اسی رنگ میں مشق کی ہے۔ اور یہی رنگ عمر بھر رہا ہے۔ وہ انتہا کے شوخ حاضر جواب تھے۔ چنانچہ چند لطیفے درج کرتا ہوں۔

ایکدن نواب کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ اور گرمی کیوجہ سے صافا۔ یا پگڑی علیحدہ رکھدی سر گھٹا ہوا تھا نواب کے دل میں جو ترنگ اٹھی۔ ہاتھ بڑھا کر پیچھے سے ایک ٹیپ دی۔ آپ نے جلدی ٹوپی سر پر رکھکر کہا۔ بزرگوں کی نصیحت پر عمل نہ کرنا بڑی بری بات ہے۔ نواب نے کہا کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ سنا تھا ننگے سر کھانا کھانے سے شیطان دھولیں لگاتا ہے۔

ایک مرتبہ نواب نے دفتر والوں کو حکم دیا کہ بھئی سب خوشخط لکھو اور جو کوئی غلطی کرے گا فی غلطی ایک روپیہ جرمانہ کیا جائے گا۔ اتفاق کی بات ایک بڑے قابل مولوی صاحب نے فردِ حساب میں اجناس کا سین بھولکر اجنا لکھدیا۔ نواب صاحب نے کہیں دیکھ لیا۔ مولوی صاحب نے اسکے معنی بتانا شروع کئے اور تاویلوں کے انبار لگا دئے نواب نے انشا کو اشارہ کر دیا۔ انشا نے یہ رباعیاں نظم کرکے پڑھیں۔ اور غریب مولوی کو دیوانہ کر دیا۔

اجناس کی فرد پر یہ اجنا کیسا　　یہاں ایر لغات کا گر جنا کیسا

گو ہوں اجنا کے معنے جو چیز آگے — لیکن یہ نئی اپچ اپچنا کیسا

ترخیم کے قاعدے سے سجنا لکھئے — اور لفظ خرد خبا کو خجنا لکھئے
گر ہمکو اجی نہ لکھئے ہوئے لکھنا — تو کر کے رخم اس کو اخبا لکھئے

اجناس کے بدلے لکھئے اجنا کیا خوب — قاموس کے رعد کا گرجنا کیا خوب
از روئے لغت نئی اپچ لے لی ہے — اس تان کے پیچ کا اپچنا کیا خوب

اجناس کے موقعہ پہ اخبا آیا — سلماے علوم کا یہ سجنا آیا
اخبا چیزے ست کاں بروید زمیں — یہ تخم لغت کا لو اپجنا آیا

نواب نے کہیں روزہ رکھا تھا اور یہ حکم دیدیا تھا کہ کوئی نہ آئے۔ پہرہ لگوا دیا تھا مگر انشا کو کوئی ضروری کام تھا۔ آخر عورتوں کا لباس بدل ناک پر انگلی رکھ نواب کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ نواب نے چونکہ حکم دے رکھا تھا کہ کوئی نہ آئے۔ اب یہ پہونچے ذرا تیوری پر بل آئے۔ انھوں نے فوراً یہ شعر پڑھا۔

میں تو کہتی تھی نہ رکھو ای مرے پیارے روزہ — بندی رکھ لیگی ترے بدلے ہزاری روزہ

ایک مرتبہ لب دریا چلے جا رہے تھے ایک حویلی نظر آئی جسپر یہ تاریخ لکھی تھی ع

حویلی علی تقی خاں بہادر کی

کسی نے کہا کہ انشا دیکھو کیا تاریخ کہی ہے ذرا اسے رباعی تو کر دو تو انھوں نے فی البدیہہ کہا۔

نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی — نہ سم کی نہ تال کی نہ سرکی

یہ تاریخ کہی ہے کس لڑکی　　حویلی علی نقی خاں بہادر کی

فائق جو ان کے معاصر تھے انھوں نے انشا کی ہجو کہی انشا نے صلہ میں پانچ روپیے دیئے اور کہا۔

فائق بے حیا چو ہجوم گفت　　دل من سوخت سوخت سوختہ بہ

صلہ اش پنج روپیہ دادم　　دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

انھیں فائق نے جنکا بیان ہو چکا ایک مرتبہ بید کو بہ تشدید لکھا۔ انشا کو ایک سامان تمسخر مل گیا ایک قطعہ لکھ مارا۔

چہ خوش گفت فائق شاعر غرا　　کہ چوں ذہن او ذہن رسا نباشد

یکے شعر نادر کہ در چند وزن　　شود خواندہ و شک بجنے نباشد

دراں لفظ بید را بہ دال مشدد　　نوشت است و ایں غلط اصلا نباشد

شنید ایں سخن را چو گرد سخن　　ز انشا کہ ہمسر ش اصلا نباشد

بگفتا کہ من شاعر خش فکرم　　چو من ہیچ مقل گویا نباشد

تو گلستاں را ندانی درست　　ترا ہیچ شعور و ذکا نباشد

سند یاد از استاد است مارا　　بہ کلام ما ہیچ خطا نباشد

چو تشدید در شعر ضرورت افتد　　تشدید صحیح چرا نباشد

گیان چند ساہوکار کی ماڑواڑی میں ایسی ہجو لکھی ہے کہ تلوار تیغ تیز معلوم ہوتی ہے۔ جس سے اسکی عزت تک کا خون بہا دیا گیا ہے۔ بھڑوں کھٹملوں وغیرہ کی ہجوؤں میں پوری پوری مثنویاں نظم کر دیں۔ مصحفی سے الجھے تو ایسے ہی الجھے وہ وہ اوکھیاں کہیں کہ توبہ ہی توبہ ہے جیسے شیخ مصحفی کے ذکر میں لکھیں گے انشا کے لئے کوئی بھی ضروری نہ تھا کہ وہ جیسا غزل۔ یا نظم اخت یا ہجو کا ارادہ کرتے تو بھی انہیں تو لکھنے میں غزل کہتے اسوقت بھی یہی عالم تھا۔ قصیدہ لکھتے تو بھی یہی رنگ غالب رہتا وہ چار شعر

اس قسم کے سنئے اس کے بعد ریختی کا رنگ دیکھئے ۔

لیا گر عقل نے منھ میں دل بتیا کا گٹکا
تو جوگی جی دھرا رہجاے گا سیماب کا گٹکا

صنم خانہ میں جب دیکھا بت ذات کا جوڑا
لگا ٹھاکر کے آگے ناچنے طاؤس کا جوڑا
ملے پارے سے جو ہرتال کرکے راکھ کا جوڑا
تو تانبے سرجی انگلیں کوئی نوسے لاکھ کا جوڑا
نہیں کچھ بھید سے خالی یہ تاسی اس جی صاحب
لگایا ہے جو اک بھوترے سے نتنے آکھ کا جوڑا
لپٹ کر کرشن جی سے رادھا ہنسکر لگیں کہنے
ملا ہے چاند سے اے لو اندھیرے ماگھ کا جوڑا
یہ سچ سمجھو کہ انشا ہے جگت سیٹھ اس زمانہ کا
نہیں شعر و سخن میں کوئی اسکی ساکھ کا جوڑا

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں ادھا کے کنڈ پر
اوتار بن کے گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر

دل ستم زدہ بتیابیوں نے لوٹ لیا
ہمارے قبلہ کو دیابیوں نے لوٹ لیا
سنایا رات کو قصہ جو ہیر رانجھے کا
تو اہل درد کو پنجابیوں نے لوٹ لیا

یوں چلی مژگانسے اشک خونفشاں کی میانی
جیسے بہرا بیچ چلے بالے میاں کی میدنی

رات وہ بولے تجھے ہنسکر چاہ میاں کچھ کھیل نہیں
میں ہوں ہنسوڑا اور تو ہی قطع میرا تیرا میل نہیں

کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے
یہ تو بیچاری آپ ننگی ہے
ڈرو دہشت کی دھوم دھام سے تم
وہ تو ایک دیوانی جوگی ہے
جوگی صاحب آپ کی بھی واہ
دھرم مورت عجیب کٹھنگی ہے

چشم بددور شیخ جی صاحب — کیا ازار آپ کی اٹنگی ہے

خیال کیجئے کہ کیا آج کام میں نے کیا — جب اُن نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا

دیوار پھاندنے میں دیکھوگے کام میرا — جب دہم سے آکھونگا صاحب سلام میرا

ہیں روز حسن سے وہ نہایت گھمنڈ پر — نام خدا نگاہ پڑے کیوں نہ ڈنڈ پر
تعویذ لال ہی کے نہ پھرئے گھمنڈ پر — اک نیلا ڈورا باندھئے اس گورے ڈنڈ پر
یارب سدا سہاگ کی مہندی رچا کرے — پتے سچ کچھیں رہے آفت ارنڈ پر
دو تین دن تو ہو چکے اب پھر چلو وہیں — فیروز شاہ کی لاٹ کے اس چوتھے کھنڈ پر
وہ پہلوان سادہ لب جو پہ ڈنڈ پیل — بولا کہ کوئی عشق تو ہو ایسے بھنڈ پر
انشا بدل کے تلنیے رکھو چھیڑ چھاڑ کے — چڑھ بیٹھ ایک اور بچھیڑے اکنڈ پر

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں راجہ کے کنڈ پر — بنکر مہنت گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر
راجہ جی ایک جوگی کے چیلے پہ عشق ہیں آپ — عاشق ہوئے ہیں واہ عجیب لنڈ منڈ پر

جو چاہے تو مجھے ہنسوڑے کی خیر — تو یوں دیکھ اس گھوڑے جوڑے کی خیر
کہا اوے نشے کے مرے رخش کو — میاں ساقی اس سلفے کوڑے کی خیر
ہنسایا جو میں نے تو بولے نہیں — نظر آئی کچھ اس تگوڑے کی خیر
لگا بیٹھ انشا کو ٹھوکر تو ایک — ارے اپنے سونے کی توڑے کی خیر

غرضکہ اسی طرح بات بات میں ظرافت اور ہنسوڑپن کرتے تھے۔ ریختی ان کا کوئی

خاص رنگ نہ تھا بلکہ اپنے دوست میاں رنگین دہلوی کے اتباع میں تفنن طبع کے طریق پر یہ بھی لکھ ڈالی۔ اور لکھی تو ایسی اور اتنی لکھی کہ آج پورا ایک دیوان موجود ہے۔ ان کی ریختی میں خصوصیت سے یہ بات دیکھنے کے قابل ہے کہ جان صاحب کی طرح تصنع اور آورد سے سراسر پاک ہے۔ خاص دلی کی بیگماتی کا روزمرہ ہے۔ اکثر اشعار ایسے ذو معنی ہیں جو ریختی اور ہزالی دونوں رنگوں کا نمونہ ہیں جنھیں دیکھنے والے خود سمجھ سکیں گے۔

میں کیا کہوں دوگانا اس کل کے دوڑنے سے
جو حال ہو گیا ہے اس پانوں کی تلی کا

مجھ سے نہ اُڑ زنا خی تو رات کو کہیں تھی
چھپتا ہے رنگ کوئی ایسی ملی دلی کا

ہاتھوں سے تیرے میں تو کمبخت عاجز آئی
جو کام ہے نگوڑا تیرا سو ہلبلی کا

انشا سوائے اپنے اللہ کے جہاں میں
ہے کون کھونے والا اس دل کی بیکلی کا

بات جو کہنی نہ تھی سو وہ دوا سے کہی
منھ دکھاوے نہ خدا آپ سے ماداں کا

تیری تو انشا کبھی بات نہ باور کرے
جامہ پہن کر اگر آوے تو قرآں کا

اللہ کرے سلامت جم جم رہے یہ بیڑا
ہے جسکے دم قدم سے دنیا کا سب یہ بکھیڑا

کیوں گیلی انگلیوں سے تو مجھکو ہے پیشتی
ہے ہے تری گلہری کیا مانگتی ہے پیڑا

بندی کی دشمنی میں ناحق جو ہوں الٰہی
لگجائے اُنکے منھ پر از غیب کا تھپیڑا

باجی سے اپنی ہنسکر کل وہ پری یہ بولی
کیوں تمنے میرے انشا اللہ خاں کو چھیڑا

کروں بستار کیا اپنی دوگانہ کی رکھائی کا
دماغ آکر انھیں میں ٹھنس رہا ساری خدائی کا

نیا یہ موہلا سننے لگا ہے ٹوہ میں میری
موا دربان کا لڑکا ملینڈہ منجھلے بھائی کا

وہی جانے کہ کیونکر بات چیت اس تک پہونچتی ہے
دوا کا آسرا ہے یاں بھروسہ ہے نہ نائی کا

تجھے پکڑا نہ تھا انشا سے میں نے بات کرتے کل
مگر نا - کام ہے تیرے یہاں تو بیحیائی کا

چوٹی ہے تری سانپ کی اک لہر دگانا
کھاتی ہوں ترے واسطے میں زہر دگانا
چتون تری لیں دیکھتے ہی یاد پڑی ہے
دلّی کی وہی چہل وہی نہر دگانا
نوج ایسے کہیں اور ہوں گھر کھوج مٹے لوگ
سب تاڑ گئے ہے یہ ترا شہر دگانا
میں تجھ سے سمجھ لوں گی بھلا کون ہے انشا
اللہ رے تو ہے بڑی قہر دگانا

اڑ گئی فاختہ کیوں سر پہ دم دیتی ہے
ابھی اسکا نہ کچھ اچھا مجھے مکھڑا اک لگا

تھام تھام اپنے کو رکھتی ہیں بہت سا لیکن
کیا کہوں تھم نہیں سکتا مرا اندر والا
اپنے کوٹھے پہ کچھ اسکا ہے ٹھیلا کہ مری
لیگیا جان اڑا ایک کبوتر والا

ہے یہ سختی کونسی منزل انشا اسکا نام بتا
ڈر سا میرے دل کے اندر اس منزل میں بیٹھ گیا

تمنے یہ بیتی کہانی تو بنڑی آنا
آپ بیتی تو کوئی بات نہ چھیڑی آنا
پاپلی ٹھیکری اگر ڈھونڈھو کے لاؤ جیسے
اپنی میں رگڑا کروں پاؤں کی ایڑی آنا
کٹ نہ ناشتے سے ہوئی دوستی اچھا تو ہوا
کٹ گئی یعنی مرے پانو کی بیڑی آنا
نہیں سنکا بیانو نے تو پھر انشا نے
میرے دروازے کی کیوں چول اکھاڑی آنا

اپنا جو دکھاتا ہے ہمیں زور نگوڑا
صدقے اسے کر ڈالئے دو گور نگوڑا
میں چیخ پڑوں کیوں نہ جو لے انگلی میں اپنی
ڈالے مسل انگلی کی مری پور نگوڑا

ہمسایہ میں کو غل ہوئی کل رات کو انشا
گھس اُسکے دنا نہ میں گیا چور نگوڑا

تو قیامت بے سری ہے حد بُرا تیرا گلا
خوش نہیں آتا ہمیں بی فاختہ تیرا گلا
کیوں پڑا تھلکے نہ دل میرے کلیجے میں بھلا
ہے تمھارا روپ ایسا جیسے سوتے میں ڈلا
دل میں اک انشا کے چٹکی لی پرے کو ہٹ گئیں
واچھڑی معقول یہ کیا تھا بھلا صاحب بھلا

آگ لینے کو جو آئیں تو کہیں لاگ لگا
بی بی ہمسائی نے دی جیبیں مرے آگ لگا
نہ بُرا مانے تو لوں نوچ کوئی مٹھی بھر
بیگنا تیری کیاری میں تیا ساگ لگا
شوق سے سونگھ لے انشا مرے بو بالوں کی
دے چقل خور کے ہونٹوں میں تو اکناگ لگا

کمبخت ہے وہ کام ڈگا نا بہت بُرا
صدقہ گئی تھی ہے یہ زمانا بہت بُرا
دلسوز ہے دوا مری پر اُس کا ہر گھڑی
لگتا ہے انگلیوں کا نچانا بہت بُرا

تو تو اُکتی نہیں جا بیٹھی مرے عیبوں سے
اری میں عیب بھری ہوں تو بھلا تجھکو کیا
نئی ڈھاکوں کی سی کھیتی کیطرح سے انشا
ڈہڈہی اور ہری ہوں تو بھلا تجھکو کیا

مشک کی طرح سے گال اپنے پھلاتا کیوں ہے
ارے او سقہ کے لونڈے تو نہ پانی چھلکا

پک رہی ہے جو یہ کھچڑی سی سہو تمیں جس سے
اسکی اینک نہ گلی دال نہ چاول کسکا
ہاتھ آیا سو ہتیلی سے ہتیلی ملنا
چولھے اور بھاڑ میں جاوے یہ نگوڑا چسکا

چبھتی ہے یہ تو نگوڑی مجھے بھاری انگیا
کوئی سادی سی مرے واسطے لا ری انگیا

گو کھرد لہر بنت ڈاک ستارے کیا چیز
اس سے ہو جاتی ہے کمبخت گنواری انگیا

گیند اک میں نے جو پھینکی تو جھجک کر اُن نے
کچھ عجب ڈول سے کل اپنی سنواری انگیا

بی بی مغلانی جو سی لائیں تھیں آئی نہ پسند
بیگما جی نے وہ سر اون کے سے ماری انگیا

جیسیں بو باس ہو تیری وہ نشانی دے ڈال
چھلا میں کیا کروں گا اے ترنسے واری انگیا

اوڑھنی مجھسے جو بدلی تو اجی یا جی جان
وہ بھی اک دیکھے جو ہو بھاری سے بھاری انگیا

تھی عجب کوئی سگھڑ جسنے یہ کاڑھے بوٹے
واچھڑی بنگئی اک پھولوں کی کیاری انگیا

ہاتھ انشا کا کہیں چھو جو گیا تو بولیں
تیرا مقدور کہ تو چھیڑے ہماری انگیا

سیل کے کونڈے اسکے آج ہیں کیا اے دوا
ہے وہ چھوٹا سا جو لڑکا تیری گودی کا پلا

تنے جو میرا اوڑھا ڈوپٹہ ہے یہ دگانا بات کڈھب
لگتا ہے اسمیں دونوں کو بیٹھ ہے یہ دگانا بات کڈھب

ایسی نہ چالیں چل تو ہے چاد بھری جو لوگ کہیں
ایس میں ہی ان کے سٹا ہے یہ دگانا بات کڈھب

خط پڑھنے کو ڈیوڑھی کے اوپر جا ہے کوئی بوڑھا سا
انشا تو ہے ہٹا کٹا ہے یہ دگانا بات کڈھب

کوٹھے پر سیڑھیوں میں یا کہ منڈیروں سے اُدھر
صحن میں ڈیوڑھی میں یا اور کہیں منھ سے پھوٹ
سر ہلانے سے بھروسہ نہیں پڑتا کسو وقت
کسجگہ کب وہ کہ ہر یاں کہ وہیں منھ سے پھوٹ

بس بلائیں مری نہ لے چٹ چٹ
اے دگانا تو ایک ہے نٹ کھٹ
دم دلاسا عبث نہ دے آنا
چل چھٹی دور ہو پرے بھی ہٹ
چوٹ اک دل کو لگ گئی انشا
جب سنی اُس کے پانوں کی آہٹ

مت اُجڑ گئے سے بھڑ اور عشق نہ کھا کر گر
بیکلی نہ کر آخر چین نے ذری کم بخت
کچھ تجھے شرم بھی ہے بیٹھ پرے او کمبخت
تاڑ جاویں گے برے لوگ ارے او کمبخت

انشا سے ملتے کیوں نہیں عشق ہو بھلا تو دیر کیا
جی ہی پہ کھیلے ہو تو پھر لوگوں سے ڈرتے ہو عبث

سارے پھوتوں سے پرے ہے یہ موا خواجہ خبیث
مجھکو گھورا ہی کرے ہے یہ موا خواجہ خبیث
رات بھر کھانسا کرے ہے نیند آتی ہی نہیں
موت کے اب دن بھرے ہے یہ موا خواجہ خبیث
بیگما انشا سے پچیسی نہ کھیلو بس کرو
رشک کے مارے مرے ہے یہ موا خواجہ خبیث

کوئی چاہت میں کسی شخص کے بدنام ہو نوج
اے دوا جان وہ کمبخت بُرا کام ہو نوج
مردوا مجھ سے کہے ہے چلو آرام کریں
جسکو آرام وہ سمجھے ہے وہ آرام ہو نوج
دن دہاڑا ہی رہے، جی تو بچے اے انشا
کلموہی کالی بلا ہائے وہ پھر شام ہو نوج

باجی کہتی ہیں کہ اک مردوے پر عشق ہے تو
مفت ایسا بھی کسی شخص پہ ہیہتان ہو نوج
ٹاٹ کے ٹکڑے پہ کھینچا جو انھیں تو بولیں
میرے کپڑوں کی طرف دیکھ ذرا ٹاٹ کو سوچ

کالے بادل نہ گھر آتے تو ارے او لوگو
آبرو آج مری مفت میں کیوں کھوتی صبح
کان کی لو میں گھسی موٹی سی بالی کیونکر
جبکا ہو سوئی کے ناکے سے بھی تنہا سوراخ

بلائیں بیٹھے جو لیں آنکی کل چٹاخ پٹاخ
تو کس مزے سے کہا بیگما نے چل گستاخ

میں ترے صدقے گئی اے مری پیاری مت چیخ
مت جگا نیند بھرے لوگوں کو داری مت چیخ

لگتی ہے چوٹ تو لگنے دے مسوس اور ذری
ایک دم کے لئے خاطر سے ہماری مت چیخ

چیخ چنگھاڑ مچاتی ہوئی انشا سے نہ مل
بنّو اب منتیں کرکے تری ہاری مت چیخ

جاڑا لگے ہے کھینچ لے مجھکو لحاف میں
پاجامہ یخ ہے برف ہڑا دو لا ازار بند

تقصیر کیا ہوئی تھی کہ انشا پہ رات کو
وہ کھینچے دار آپ نے تو لا ازار بند

کیا بھر گیا ہے آج کہ جسکے سبب ترا
ہے سخت جیسے لکڑی کا چیلا ازار بند

انشا کو اور اپنی نشانی نہ دیجئے
دیجئے تو اپنا میلا کچیلا ازار بند

ہے تو سہی اجی یہ نکیلا ازار بند
لیکن کسی کا توڑ ہو ڈھیلا ازار بند

اے دگنا مجھسے کشتی کھیلنے کا ہے گھمنڈ
تو کیا کر آج سے تو بھی بس اک اکیس ڈنڈ

جو پری مہندی لگا دے اسکے باندھے ہاتھ پاؤں
لوٹتی کیا کیا مزے ہو یہ موئی شفتل ارنڈ

جو مجھے لوٹکے سو الٰہی کرے
ہوتے سوتے کو اپنے کھا دے پچاڑ

ٹوٹ جاوے کہیں یہ تیری چول
ارے ادبے سرے نگوڑے کواڑ

لے چل انشا مجھے کھجور تلے
یہ تو ہے مرد نام اسکا ہے تاڑ

بیگماں نے جو کیا جھک کے سلام آقا کو
آغا مینا نے سنائی اسے یوں ہی آواز

پوتوں پھلنا تھے اور دودھوں نہانا ہو نصیب
بیاہ ہو سو تیک بہو سے تری عمر دراز

بیگما جان بڑی شرم کی ہے یہ بات
گھٹ گئیں نطفے سے انشا کی تمہاری بی قاز

بھیجدی اُس نے انگوٹھی مجھے فیروزہ کی
اسکے یہ معنی کہ ہیں ٹوہ میں خواجہ فیروز

گود پھولوں سے بھری میری دگانا شاباش
تیری کھیتی ہو ہری میرے دگانا شاباش
اوٹ میں اپنی دکھا دے مجھے اُس شخص کو آج
میں ترے صدقے اری میری دگانا شاباش
میری خاطر سے جو دکھ ہو تو پڑا ہو سہ لے
اور بھی ایک ذری میری دگانا شاباش

ادئی رابیل ہو گئی میں آج
گورے گورے ترے بدن پر غش
یونہی میں غش ہوئی دگانا پر
راجہ نل جیسے تھا دمن پر غش

باجی تم چاہتی ہو بندی سے جیسا اخلاص
اجی دو کواریوں میں نوج ہو ایسا اخلاص
نہ بتو لے مجھے دو دیاں سے اوڑ نچھو ہو جاؤ
کس کو کہتے ہیں محبت اجی کیسا اخلاص

کب زنا خی مرے پاس آئی تھی کل رات غلط
مجھے اُس سے ہوئی کسطرح ملاقات غلط

شرط ہے رکھنا لحاظ اتنی بھی مت ہو بے لحاظ
سانس مت بھرا دگانا چپ اری ادب لحاظ
ہوتے سوتوں سے کہو اپنے چہ خوش لے داسے چھڑے
دال نے ہو یہاں سہیلا کہتے ہو کس کو بے لحاظ

نہیں جاتی کہیں مہان مرے دل کا شوق
تمکو کیا اس سے وداجان مرے دل کا شوق
بات چیت ایسی طرح کی مجھے آتی ہی نہیں
نہیں اسکا مجھے ارمان مرے دل کا شوق
ٹلنے مت دے مجھے ہاں ہاں اجی ہو جاتی ہو لا
جان اور بوجھ کے انجان مرے دل کا شوق
منتیں مت کرو انشا کی طرف سے اوسپر
میں نہیں کرنے کی احسان مرے دل کا شوق

ہے جو در وازہ وہ گانا کا کا — اُس میں بن چول کا کواڑ ہے ایک
اُس کی زنجیر بھی نہیں لگتی — آگے پھر شرم ہی کی آڑ ہے ایک

میں جھجک اٹھی لیکے انشا نے — کل چھو دی جو میری ران میں لونگ
اری بی ایک ہی عیار ہو تم — ناک چوٹی میں گرفتار ہو تم

میں تو کچھ کھیلی نہیں ہوں ایسی کچی گولیاں — جو نہ سمجھوں گی زنا خی جان تیری بولیاں
کیا یہ چھیڑ خانی کی باتیں آگے ہمسے چھیڑیاں — سیکڑوں تمسے یہاں رگڑا کئے ہیں ایڑیاں

بلا سے اگر آئی ہو لی کہارو — نہ مجھسے کرو بولی ٹھولی کہارو

بال وہ لائیے کمبخت جو چت چاہی ہو — ابھی بس جاؤ بھی کچھ تم تو بڑے واہی ہو
پھر جو بول اٹھوں گی کچھ میں تو یہ طعنے دوگے — تم ایسا نہ کرو تم ابھی بن بیاہی ہو

تم بڑی قہر ہو اے باجی جان — نوج تم سی کوئی چھیٹسی ہو
اے دگانا تری مشغولی کو — چیز اک موم کی بتی سی ہو

جی ہی کچھ رکھتی نہیں دھڑ میں بڑی پولی ہو تو — اے دوا فرما رکشش بڑھیا کی ہمجولی ہے تو

گلوری پان کی جو کھا رہی ہے اس سے کہتا ہوں — ذرا رکھے بات کچھ جی میں بھری ہو سو اگل ڈالے
نصیحت کا نگوڑا ہر گھڑی کیوں پیسنا پیسے — بڑا دانہ جو ہو چکی میں کیا چھوٹوں کو دل ڈالے

بڑائی میرے ٹھینگے پر خدائی رات میں میں نے
بڑے ایسے بہت سارے کڑہائی بیچ تل ڈالے

مجھے ڈر ہے بچھڑا اک جو ہے تاکند سا پھرتا
مبادا اے دواجی وہ کہیں تمکو کہندل ڈالے

غلیلہ پھر اسے گھڑیال کا کیونکر نہ ٹھہرا دیں
نگوڑی بادلی چڑیا مزے میں جو خلل ڈالے

دگانا مدھ میں جوبن کے بھری وہ وقت آپہنچا
کہ کوئی پھول اسکی گود میں کوئی لاکے پھل ڈالے

ارے تو ابلی ہی پڑتی ہے ملے جھل کے اور نڈی
خدا ایسی بھی دیدہ بنیں کیسے نوج جھل ڈالے

ہزاروں دیو دنکو یا نکی پریوں نے پچھاڑا ہے
نہیں یہ لکھنؤ راجہ اندر کا اکھاڑا ہے

رضائی شال کی اوڑھ ہو چلو ہم تم چھپر کھٹ میں
ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی آرہی ہیں خوب جاڑا ہے

میں نے جو کچ کچا کر کل اُن کی رات کاٹی
تو اُن نے کس مزے سے میری زبان کاٹی

یوں جھمکا مجھپہ کوئی رات کا جاگا جیسے
تم تو وہ چاہتے ہو سوئیں میں دھاگا جیسے

یونہی ہر بات میں بولا کر دسکرہ سُردا
ابھی آغا کو بہک کر کہا آگا جیسے

ڈھال تلوار لئے لانگ چڑھائے انشا
مجھے یوں رات ملا ہو کوئی ناگا جیسے

اسے قربان کروں جو مجھے چھیڑے انشا
میری چھاتی جو چھوئے اُسکی ہتیلی جل جائے

پڑ گیا تیل مرے گال میں کیسا قہر ہوا
ارے کمبخت نگوڑے پڑے تجھپر پٹکی

ہو گئی رات تو سلطان لو بولہان لے انشا
دیکھ میں چیخ پڑونگی نہ مرے لے پٹکی

چھپکے دیتی مکول کنڈی لینا انشا کو بلا
ڈر بھلا کیا چاہئے دربان یوبکا تجھ

رات بھر اپنا ترستا ہی رہا جی باجی
ابتو تو بیت بھی اکھوا جی باجی باجی

اسے لو اس کو ٹھڑی میں میرے ڈرانے کیلئے
اک عبا اوڑھ کے بن بیٹھی ہے حاجی باجی

یہ جیھتی ہے یہ نگوڑی مسلسل کی اوڑھنی
لادے وہی دوا مجھے ململ کی اوڑھنی

بن سر ڈھپے ہوئے تجھے کیا چاہیئے بھلا
بوٹے سے قد پہ اس بڑے آنچل کی اوڑھنی

کو کا جی دیکھو میرے دگانا پہ کیا بھی
پشواز اودی اور جلا جھل کی اوڑھنی

انشا کے سونگھنے کے لئے ان نے بھیجدی
جالی کی کرتی اور وہی ہلکی اوڑھنی

رباعیات

اے بی بی میں شاندار بھائی تیرے
صدقے قربان جائے دائی تیرے

وہ چال نہ چل کہ نام رکھے کوئی
بے ڈول یہ ہیں دیدے ہوائی تیرے

ناحق ناحق مجھے جلاتی کیوں ہے
گھر میں مرے آگ لینے آتی کیوں ہے

آئی تو نہیں ٹھہرتی یہ رنجش ہے
بے فائدہ یاں تو آتی جاتی کیوں ہے

جھانکا تو نکر عبث نصیحت ہوگی
آ تو یہ سنے گی تو قباحت ہوگی

جالیں ہی چھوڑ دے نہیں تو ناحق
اک روز بڑی بڑی نصیحت ہوگی

انعام - یعنی جناب مولانا انعام صاحب گنگوہ شریف ضلع سہارن کے رہنے والے ہیں - حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں ہیں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا ہے - عربی فارسی میں کافی دسترس ہے ظرافت نہایت خوب

فرماتے ہیں اور اسمیں اکبر کے رنگ کا اتباع کرتے ہیں اور اس میں نہایت کامیاب ہیں
آپ کے چند شعر دستیاب ہوے جن میں آپ نے سندھیوں کی مقروضیت کا خاکہ کھینچا ہے
ملاحظہ ہو۔

سندھیے شلوار زر ہم سکۂ زر تار داشت — باوجودش نالہ ہاے زار در اخبار داشت
گفتمش در عین وصل این نالہ و فریاد چیست — گفت ما را قرضۂ بقال بر این کار داشت

سیٹھ اگر نہ نشست با مانیست جاے اعتراض — مالک ہمیان زر بود از گدایاں عار داشت
بنگر بدا این تنگیٔ حال مسلمانان سندھ — شیخ سندھی خرقۂ خود رہن ساہوکار داشت

حدیث از قرضۂ خود گو و راو بھیٹی کمتر جو — کہ کش نکشود و نہ کشاید حکمت این معما را
من از آں سود روز افزوں کہ قرضہ داشت دانستم — کہ قرض از کیسۂ سندھی بآرد پیسہ پیسہ را
فغاں کیں بنیاے شوخ دھوتی پوش شہر آشوب — چناں بردند سود از ما کہ ترکاں خوان یغما را
سمن دادی و خور سندم جزاک اللہ نکو کردی — ہمیں زیبد بہ رہن و قرضہ ہر بقال و بنیاں را

غلام دھوتی بقال تا جدا را نند — خراب کھاتہ و بہی تو ہوشیار انند
گزار کن چو صبا در دیار ہند بہ بیں — کہ از تطاول بنیا چہ سوگوار انند
ترا بیاج و مرا آب دیدہ شد غماز — وگرنہ قارض و مقروض راز دار انند

انوری۔ محمد اوحد الدین نام تھا۔ ایران میں علاقہ ابیورد میں بدینہ ایک گاؤں
ہے جو مہنہ کے مقابل واقع ہے وہی اسکا مولد و مسکن تھا۔ اس علاقہ کو خاوران بھی کہتے ہیں
اسی مناسبت سے اوایل حال میں خاوری تخلص رکھا تھا۔ پھر اپنے اوستاد کی فرمائش سے

یہ تخلص بدل کر انوری تخلص اختیار کیا۔ مدرسہ منصوریہ طوس میں علوم کی تکمیل کی اور خصوصیت کے ساتھ علم ریاضی میں کمال حاصل کیا۔ اسکا پایۂ فضل و کمال اتنا بلند ہے کہ تذکرہ آتشکدۂ آذر کے مصنف نے لکھا ہے کہ چار شخص ہیں جنکا جواب شعراء میں کوئی پیدا نہیں ہوا۔ انوری۔ فردوسی۔ طوسی۔ نظامی گنجوی۔ شیخ سعدی۔ انوری ابتدا میں نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ مگر تقدیر نے یاوری کی تو سنجر کے دربار میں رسائی ہوئی عرصہ تک وہاں رہا۔ اور ۵۲۳ھ میں سلطان احمد پیزر سلجوقی نے اسکو بلا لیا۔ اسکے بعد مختلف درباروں میں رہا۔ اور آخر کار بلخ میں پہونچا۔ چونکہ اسکی طبیعت میں قدیم سے ہجو گوئی کا مادہ تھا۔ اور اسی عادت کی وجہ سے اس نے ایک زمانہ کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔ لہذا جب یہ بلخ میں پہونچا تو وہاں بھی لوگوں کی اور اس شہر کی ہجو کی لوگ اس سے نہایت برہم ہوئے بلکہ اصل میں مشہور یہ ہے کہ یہ اسکے دشمنوں کی کارروائی تھی قوی ایک شاعر تھا جس نے اسکے نام سے وہ ہجو کہکر مشہور کر دی تھی۔ مگر پھر بھی اسکا خمیازہ انوری ہی کو اٹھانا پڑا۔ اہل شہر اس قدر بگڑے اسقدر زیر ہم ہوئے کہ انوری کو تختہ کلاہ کیا، اور ڈھنی اوڑھا کر گلی کوچوں میں تشہیر کیا۔ بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ نوبت پہونچی۔ سچ ہے برا اچھا بدنام برا۔ لیکن قاضی حمید الدین مصنف مقامات حمیدی کی سعی و کوشش سے ان کی جان بچ گئی۔ اسکے بعد انوری کچھ ایسا متاثر ہوا کہ اس نے تمام لغویات اور شغل و شاعری سے پرہیز کر لیا۔ اور آخر کار ۵۴۷ھ میں بمقام بلخ وفات پائی۔

انوری شعر و شاعری میں مشہور آفاق تھا۔ اسکے معاصرین میں کوئی اسکا مدمقابل نہ تھا۔ خصوصیت سے ہجو گوئی میں اپنے اقران و امثال میں سب سے زیادہ تھا اسیوجہ سے ہزالی۔ اور ظرافت کی طرف بھی اسکا میلان طبع تھا۔ اور اس میں بھی اس نے وہ کمال حاصل کیا تھا کہ سوزنی۔ اور سعدی وغیرہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اسکی ظرافت، ہزالی۔ اور ہزالی فحش گوئی تک پہونچتی ہے[1]۔ مگر کمال یہ ہے کہ اور ہزلیات

[1] بہت سخت اتنا کہنے کے بعد یہ چند شعر لکھتے ہیں جو اوگ۔ ہزلیات انوری کے پا سے جو پڑھیں وہ انکی ہزالی کا آخری حصہ دیکھ لیں

میں ہے۔ ملاحظہ کیجیے کسی طویل القامت آدمی کی شان میں فرماتے ہیں۔

اے خواجہ دراز بیت رسیدہ است بجائے — کز اہل سماوات بگوشت برسد صوت
گر عمر تو چوں قد تو بودے بدرازی — تو زندہ بماندے و بمردے ملک الموت

روزے از بہر تماشا سوئے دشت — چند زن بیروں شدند از مہتراں
چوں بصحرا ساعتے ماندند دیر — چند خر دیدند در صحرا چراں
زن ترسے بر مادہ خر رغبت نمود — بر مثال عاشقاں با دلبراں
با عمر دے یک گز و نیم آبنوس — گاو نی میکرد بر رسم خراں
کہ فرو می برد گر بر می کشید — تیز می افگند و میکرد عاں دعاں
زاں زناں یک زن آں گاو ان بدید — بر کشید آں بے وگفت اے شوہراں
گر جماع اینست کایں خر میکند — بر کش ما می رسند ایں شوہراں

زعیم خیرہ را ریشے است بر گرد دہن چوں ناں — کہ گوئی عنکبوتے بر کش گاوے تنید ستے
سرے دارد کلی و ہر جائے موے زنہ دہ دارد — مگس گوئی بر اطراف کدوے خشک ید ستے
بجائے ناف چوں او در اول سر برید ستش — دزیغا گر بجائے ناف او در کاں دریدستے

آنکس کہ جگر خورد و بہ مردی ہنر آموخت — در دور قمر گوئی نشیں خون جگر خور
پیغام زناں می برد و بیاسے بزر پوش — یا مسخرگی می کن و حلوائے شکر خور

اوج۔ تخلص تھا عبد اللہ خاں نام تھا۔ دلی کے قدیمی باشندہ تھے۔ اور یہیں کی گلیوں میں پوری عمر گزاری تھی نہایت ہی کہنہ مشق بزرگ تھے۔ مگر خرابی اتنی تھی

کہ چاہتے تھے دنیا بھر سے نیا مضمون کہوں۔ اس میں ایسے الجھتے تھے کہ ایک مصرع کہنے کیلئے گھنٹوں پہروں منہمک اور سر بگریبان رہتے تھے۔ پھر بھی وہ مضمون قابو میں نہ آتا تھا اور کچھ کا کچھ کہہ جاتے تھے۔ جب شعر کہہ لیتے تو شہر کے باکمالوں کو جا کر سناتے۔ اس وقت کے لوگ مہذب تھے کسیکو آجکل کے بدتمیزوں کی طرح یہ جرأت نہ ہوتی تھی کہ منہ پر ایک لفظ بھی ایسا کہہ دیتے۔ جس سے توہین ہوتی۔ سنتے اور خوب واہ سبحان اللہ کا غل مچاتے رہ جاتے۔ ذوق غالب وغیرہ سے پہلے کہنے والے تھے۔ اس واسطے ان لوگوں کو وہ اپنے سامنے کا بچہ ہی سمجھتے تھے۔ ادھر ان کا بھی یہ خیال تھا کہ اگر ایک کہنہ مشق بڈھا خوش رہا تو ہمارا کیا نقصان ہے۔ اسی لئے ان کی مشیخت آبل کی باتیں سنکر یا یہ لوگ چپ ہو جاتے اور یا برابر داد دیتے۔ مرزا غالب نے جب اردو کا دیوان تمام کر دیا تو اوج مرحوم نے یہ شعر کہا اور مرزا غالب کو سنایا۔

دیکھو جیز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غالب — غالب آسان نہیں صاحب دیواں ہونا

مگر مرزا نے کہا کہ واللہ کافر ہیں یہ لوگ جو آپ کو استاد کہتے ہیں۔ تم تو شعر کے خدا ہو۔

ایسے ہی ایک مرتبہ کنور راجیت سنگھ نے حکیم مومن خاں کو ایک ہاتھی انعام دی۔ چونکہ مومن مرحوم نجومی بھی تھے لہذا اسی کو خیال میں رکھتے ہوئے انہوں نے شعر کہا۔

جنہوں میں وہ مومن مکان لیتا ہے — نجومی بنکے جو ہاتھی کا دان لیتا ہے

دلی میں شیریں ایک بڑی نامی رنڈی تھی۔ خدا نے توفیق جو دی تو گناہوں سے تائب ہو کر حج کو چلی۔ اوج کے استہزا کے لئے ایک مسالہ ہاتھ آیا یہ شعر کہا۔

بجا ہے شیریں اگر چھوڑ دلی حج کو چلی — مثل ہے نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی

ان کے کلام میں ظرافت کا چٹخارہ اسی سے پیدا ہو گیا ہے کہ جو کچھ یہ کہنا چاہتے ہیں وہ کہا نہیں جاتا۔ چنانچہ نمونہ کے شعروں میں آپ یہی بات پائیں گے۔

ہیں مچھلیاں بہو ونکی جبین پر شکن کے اندر — الٹی ہے بہتی گنگا مچھلی ہوں سے کے اندر

دنیا کے منقلب کا الٹا ہے کارخانا — ہے سر شمع واژوں اس انجمن کے اندر

میں وہ ہوں نخل بوئے سیل دریائی — مری ہے کشتی گل نارجیل دریائی
مجھے اترتی ہے گرداب آسماں سے وحی — ہے راہبر خضر جبرئیل دریائی
میں کالا پانی پڑا اناپتا ہوں ہر شب و روز — زمین کا گز ہے مرا کلک میل دریائی
بنا ہے کنگرۂ خار میرا دشت حصار — مرا ہے آبلہ برج قصیل دریائی
جہاز ہے مرا اک تار لنگر دم پہ — مرے عمل میں ہے جر ثقیل دریائی
میں اپنے کوچ کی ہوں موج میں بہا جاتا — حباب دار ہوں کوس رحیل دریائی
ہماری موج تلاطم سے آشنائی ہے — یہ آب شور ہے دیباز فیل دریائی
ہے اوج مردمک دیدۂ مردم آبی — نکال دیدۂ تر سے سبیل دریائی

وحشت مجھے زنجیر پہناتی ہی تھی اکثر — طفلی میں بھی ہنسلی مری جاتی ہی تھی اکثر
جب تھا زر گل کیسۂ غنچہ کی گرہ میں — بلبل پڑی گلچھرے اڑاتی ہی تھی اکثر

دم کا جو دمدمہ ہے باندھے خیال اپنا — بے پل صراط اتریں یہ ہے کمال اپنا
طفلی ہی سے ہے مجھکو وحشت سرائے الفت — سم میں گڑا ہوا ہے آہو کے نال اپنا
کسب شہادت اپنا ہے کس کو یاد قاتل — سانچے میں تیغ کے سر لیتے ہیں ڈھال اپنا
بھاتا ہے جوش عشق شیریں دہنوں میں رونا — ہے آب شور گریہ آب زلال اپنا

اوحدی — مولانا اوحدی کرمانی کے علاوہ یہ ایک دوسرا ایرانی شاعر ہے جو علم و فضل کے لحاظ سے اپنے زمانہ میں طاق تھا۔ زیادہ حال معلوم نہیں۔ اس لئے تھوڑے سے اشعار ظریفانہ جن میں اخلاق و نصائح بھی شامل ہیں پیش کرتا ہوں۔

عارفے مشد بخواب در فکرے — دید دنیا چو دختر بکرے

کرد از دے سوال کاے دختر — بکر خوانی یا تیبہ شوہر
گفت دنیا کہ با تو گویم راست — کہ مرا ہر کہ مرد بود نخواست
ہر کہ نامرد بود خواست مرا — ایں بکارت ازاں بجاست مرا

پسرے با پدر بزاری گفت — کہ مرا یار شو بہ ہمسر و جفت
گفت بابا زنا کن و زن نہ — پند گیر از خلائق از من نہ
در زنا گر بگیرت عیسے — بہ بلا کو گرفت چوں تو بسے
زن بخواہی ترا رہا نکند — گر تو بہ گزاریش چہا نکند
از من و مادرت نہ گیری پند — چند بینی و بار بینی چند
آں رہا کن کہ آب وہیمہ نماند — ریش بابا نگر کہ نیمہ نماند

فرج گور است اندراں لحدے — صحبت او عذاب ہر احدے
آلت شہوت تو کور افتاد — زندہ زاں بے کفن بگور افتاد

ایم آر بیگ - اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ظریف تھے - جنکا تھوڑا سا کلام تو دستیاب ہو گیا - لیکن افسوس ہے کہ پورا حال نہ معلوم ہو سکا مجبوراً ایک غزل ہی پر اکتفا کی جاتی ہے - ملاحظہ ہو -

اُٹھنے لگے جمنا سے بخارات سودیشی — لو ہونے لگی ہند میں برسات سودیشی
کیوں آنکھ حرارت سے نہ تحیر ہو پیدا — تا پھر نہ چمکنے لگے ذرات سودیشی
جب پھونک دیں یا دل میں لگی پانی برسنے — ایجاد ہم ایسے کریں آلات سودیشی
یورپ کی نہ مکئی ہو نہ امریکہ کے گیہوں — بنیوں کی دکانوں پہ ہوں غلات سودیشی

چوپایہ نہ لینگے کوئی یورپ سے کبھی ہم — ہاگور کا ہو میل تو ہو شات سودیشی
غلے کی بسا رہا ایسی پیچھے ہند میں گھر گھر — اک کشت سے یورپ کو کرے مات سودیشی
سوڈا ہو کہ منگنیشیا سب چولہے میں جائیں — اب بھیجیں گے عطار نباتات سودیشی
برسات بلا لیں گے ہم اشکوں کی جھڑی سے — آہوں سے اٹھائیں گے بخارات سودیشی
طاعون کا کھٹکا ہے نہ ڈر قحط کا اے پنچ — ہاں فکر رہا کرتی ہے دن رات سودیشی

باب باپ موحدہ

باپ - بابو نام نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں - مگر ہی قمر بدایونی اور جناب حکیم حافظ عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی سے آپ کا کلام ہی ۔ لیکن افسوس ہے کہ حالات کچھ زیادہ نہ معلوم ہو سکے - قمر صاحب ہی سے یہ لطیفہ سنا کہ باپ جب بدایوں کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے - تو اکثر لوگوں سے نوک جھونک ہو جاتی تھی - ایک مرتبہ مستقل حریف پیدا ہوئے اور اپنے ایک شاگرد کا داد اخلاص رکھا - مشاعرہ میں جب اس شخص نے غزل پڑھی تو باپ کو بہت کھری کھوٹی سنائیں - باپ ایک حاضر جواب آدمی تھے - نہ گیا یہ شعر موزوں کر کے اسی مشاعرہ میں سنایا - روئے سخن اپنے خاص حریف کی طرف تھا ؎

وہ میرے باپ ہوں دادا ہوں پردادا ہوں کوئی ہوں — مگر سب نا بچے کو تو باپ ہی اے یار کہتے ہیں

حریف پر ایک اوس سی پڑ گئی - اور عرق شرم میں نہا گئے -

باپ کا کلام محض ظرافت کی حد میں ہے - نہ اسمیں اخلاقی نکات کے حل کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ سیاسیات کا دخل ہے - دیوان کا انتخاب کر کے یہ چند شعر درج کئے جاتے ہیں

اس بات میں اوہی رسے مار ڈالا — کوئی تمسے بڑھ کر زنانا نہ دیکھا

چرائیں بھی ہم گھاس بھی ہم ہی لائیں — نہیں یار تیری گدھیا نے مارا
غضب ہائے اس بیتا کا درد کے کہنا — مجھے آج جورو کے بھیا نے مارا

چھڑا کر کمر بند کہنا کسی کا — تو کیا پھاڑ ڈالو گے لنگا کسی کا
بہت آزمایا زمانے میں ہم نے — نہ رنڈی کسی کی نہ بھڑوا کسی کا

نہیں ہے ساتھ اے ہمراز میرا اور دشمن کا — میں اک اندھی یہ عاشق ہوں وہ شیدائی ہے کوڑھی کا

دیکھے دل ڈرتا ہے مجھے اب یہ مریجاں دل کا — حال پوچھے نہ کہیں مجھ سے مری ماں دل کا

مری جاں قتل کے ملزم ہو تم محشر کا موقع ہے — ضمانت ہو نہیں سکتی مچلکا ہو نہیں سکتا
وہ کہتے ہیں مٹھائی دو تو وعدہ وصل کا کر لیں — چنے خالی کھلا دینے سے ایسا ہو نہیں سکتا
اسی ہفتہ میں سنتا ہوں کہ بچہ ہونیوالا ہے — کہا نکاح اُن سے صرف مجرا ہو نہیں سکتا

پوچھتے کیا ہو شب وصل میں کیا کیا ہوگا — آج تو کچھ بھی نہیں بعد کو چپٹا ہوگا
گڑ چنے کھائے ہیں میرے یہ ذرا یاد رہے — آج وعدے پہ نہ آؤ گے تو ہیضا ہوگا
شیخ کا جبہ تمہیں باپ ہوا ہے دھوکا — میرا سالا تو نہ ہوگا مرا سالا ہوگا

جو نہ نیا اوڑھی کا پہنے ہے یار آج — شاید کہ ہو گیا کوئی عاشق بیمار آج
جاتے ہیں میکدے کو تماشا سے ہوئے — پیچھے ہے شیخ جی کے لگی لونڈیا آج

وہ آدھی رات سے ہی شب وصل چلدیئے
اس کا عذاب شہر کے مرغوں کی جان پر

دوزخ میں بم پولس میں تراڑے پہ جیل میں
کچھ تو کہو ملوگے مجھے کس مقام پر

ہے اُن کے وصل کا وعدہ تو کب وزقیامت پہ
جگہ بجو نہ کیا کی بانس پر یا بے پٹی چھت پر

جو دشمن ہیں ہمارے جنکو ہم اغیار کہتے ہیں
انھیں سب کو وہ اپنی ماں کا رشتہ دار کہتے ہیں

رقیب روسیہ کی کاٹ لینگے ناک جوتے سے
بلا سے ایک دو ہفتہ رہینگے گر پڑے گھر میں

عدو بکری کا بچہ ہو یہ آخر کھل گیا سب پر
کہا کم بخت نے جب بزدلی سے زیر خنجر میں

غلط خیال تھا میرا کہ وہ مری جان ہیں
نہیں ہیں جان مرے دشمنوں کی امان ہیں

تحفت کی رات مری چھیڑ یہ جو رد نے مری
مجھکو یہ کہکے ڈرایا کہ خصم مار ہوں میں

ان کی منت پہ شب وصل انھیں چھوڑ تو دوں
وہ کہیں یہ نہ سمجھ جائیں کہ بیکار ہوں میں

اغیار ترے ماں ہیں بہن ہیں کہ چچی ہیں
کیا حق ہے انھیں کیوں ترا سر باندھ رہے ہیں

غیر کے وصل کو اب ہوتے ہیں کمرے خالی
غسل خانہ ترا لکھا تھا مری قسمت میں

جز میرے ترا بوسہ لب جسنے لیا ہو
اللہ کرے چار مہینے کی سزا ہو

کسواسطے اُس سے مجھے ملنے نہیں دیتے
تم حضرت ناصح کوئی رنڈی کے چچا ہو

سیتے دیکھا جو لنگوٹا مجھکو — دختر رز نے کہا لنگا مجھکو
وصل کی باپ ہو کر کیونکر خواہش — یا ماب کہتا ہے بھیا مجھکو

گھٹتی ہے دشمنوں سے صبح و مسا تمہاری — یہ ٹیڑھا رہینگے اے دلربا تمہاری
رندوں کی تم مذمت کرتے رہے ہو واعظ — اٹھکر خبر نہ لے لیں یہ سب چچا تمہاری

ہم بھی تیرے صحن میں اغیار بھی ہیں آج — یہ دیکھنا ہے اب تری کھٹیا کدھر رہے
کہتے ہیں آج تیرے یہاں سو رہیں تو پھر — اماں سے کیا کہیں گے کہ کل کسکے گھر رہے

خدا کے لئے مرمنڈا و مری جان — بہت بڑھ گئی ہے حجامت تمہاری

تانکہ مجھپہ فدا اور میں رنڈی پہ نثار — ایک کے گھر میں رہوں ایک مرے گھر میں رہے
پھر اگر غیر پھٹک جائے تو اسکا ذمہ — باپ کو حکم دو دیدیں کہ مرے گھر میں رہے

وہ جوتوں سے کی ہے مرمت کسی کی — کہ بن بن گئی ہے حجامت کسی کی
کوئی پنجری سانڈ پالے پڑے گا — علیگڈھ میں ٹھہری ہے نسبت کسی کی

سنا ہے دختر رز آپ کی ہمشیر ہوتی ہے — جبھی تو شیخ کی رندوں میں یہ توقیر ہوتی ہے

گر باپ میں نہیں ہے تو ماں میں قصور ہے — نطفہ میں تیرے فرق مری جاں ضرور ہے

کہاں جا سکتے ہو اب مرے گھر سے
تمہاری تاک میں تھا سال بھر سے

ملا جو اس سے اس نے قینچی کاٹی
ملا ہے جیل خانہ ان کے گھر سے

پھر آخر مجھ سے تم کیونکر ملو گے
خوشامد سے کہ جوتے سے کہ زر سے

عدو کیا مار ڈالے گا مری جان
خطا پیشاب کیوں ہوتا ہے ڈر سے

رنڈیاں طائر دل پھانس رہی ہیں جو یہاں
سیلیاں ہونگی یہ دوزخ کے چڑیماروں کی

ہاتھ میں نیم کی ٹہنی ہے بغل میں جوتا
یہی پہچان ہے باپ انکے خریداروں کی

بزم عدو میں ہوں کہ جہنم میں جائیں آپ
جب میرے گھر نہیں ہیں تو چاہے جہاں رہیں

سیکڑوں کو وہ ٹانگ دیتے ہیں
ان کو پھانسی مگر نہیں ہوتی

کیا مزا آئے جو اغیار کے اوپر سر بزم
وہ ہر پیشاب کی وہ ٹانگ اٹھا کر مارے

کر ہنسنا تھا یار کا جلاب ہے
آج سنتا ہوں کہ رحلت ہو گئی

نیند کیسی سنتے والے مر گئے
اے میں قربان ڈھول کی سی تھاپ کے

نیم کی ٹہنی لئے پھرتا ہے دوست
یہ نیچے ہیں یہ اسنے باپ کے

تاثیر دیکھئے مرے بخت سیاہ کی
معشوق بھی ملا ہے اور الٹا لوا سے مجھے

کوہ کن تم اٹھا دو سہوں بار عاشقی
کیا اپنے جی میں جانتے ہو تم گدھا مجھے

جلاے بے خطا ہم کو تو اسکے آتشک نکلے　　رولائے جو ہمیں ناحق تو بیماری ہو رقت کی

ترا دادا ابز خفش تھا باپ الو کا پٹھا تھا　　پرانا جنگلی ہے بو نہ کیوں ہو تجھ میں وحشت کی

تضمین بر شعر شہیدی

فضول مجھسے تو بدظن ہے اے بت گلفام　　تری قسم نہیں کرتا ہوں میں کسی سے حرام
کھلا کھلا کے مجھے سیر سیر بھر بادام　　پری اٹھی مرے پہلو سے بارہا ناکام
فریفتہ ہوں ترے طرز دلربائی کا

براق - فرضی تخلص ہے مرے ایک دوست کا جو ضلع شاہجہاں پور کے ایک معزز رئیس اور کہنہ مشق شاعر ہیں اسوقت سن شریف تقریباً ۴۵ برس کا ہوگا نہایت باخلاق زندہ دل یار باش اور وضعدار منکسر المزاج ہیں - مجھسے کافی مراسم ہیں - لیکن باوجود اصرار بھی آپ نے اپنا صحیح نام لکھنے سے مجھے منع کر دیا — واقعہ بھی یہی ہے کہ آپ کے دیگر کمالات شاعرانہ کے سامنے ظریفانہ شاعری کا ذکر آپ کے لئے کچھ موزوں اور مناسب نہیں معلوم ہوتا - مگر میں جانتا ہوں کہ آپ کا ظریفانہ کلام بھی بہت کچھ ہے - اور اگر مجھکو وہ سب کلام ملجاتا جو آپ نے مختلف اوقات میں کیا ہے تو شاید ایک بڑے ظریف کا اس تذکرہ میں اضافہ ہو جاتا - مگر کیا کیا جاے - کہ ان چند اشعار کے سوا جو میں نے آپ کی زبان سے سنکر اپنی نوٹ بک میں درج کر لئے تھے اور کچھ بھی نہ مل سکا - شعر یہ ہیں -

محو دیدار ہر اک طرف دیکھنے والا ہوتا　　تنگ لینگے میں کمر بند نہ ڈالا ہوتا

کل شب عجب خیال دل ناصبور تھا　　لنگا کسی حسین کا آغوش حور تھا

اُس طفلِ خشت پخت کی تھی خشمگیں نگاہ — ایسی لگی تھی اینٹ کہ دل چور چور تھا
دشمن لپٹ کے پھول گیا مثلِ نان جو — شاید شکم شریف تمہارا تنور تھا
نارنگیوں سے بڑھ کے کچوں کی بہار تھی — سینہ کسی کا باغچۂ ناگپور تھا

جگنو کی چمک جالی کی انگیا میں نہیں ہے — مرغِ دلِ سوزاں ہے نہ دامِ ہمارا

برق ۔ اسم گرامی منشی جوالا پرشاد تھا قصبہ محمدی ضلع سیتاپور میں ۲۱ ۔ اکتوبر ۱۸۶۱ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے وطن محمدی ہی میں پائی ۱۸۷۸ء میں ضلع کھیری میں انٹرنس کا درجہ اول میں امتحان پاس کیا اور وظیفہ مقرر ہو گیا یہاں تک کہ ۱۸۷۹ء سے کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پا کر ۱۸۸۲ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۸۳ء میں وکالت کا امتحان پاس کر کے وکالت شروع کی ۔ ۱۸۸۵ء میں بعہدۂ منصفی مامور ہوئے اور اسمیں بہت کافی شہرت اور ناموری حاصل کی آخر ۲۶ مارچ ۱۹۰۰ء کو بعارضہ طاعون لکھنؤ میں جب کہ عہدہ جج خفیفہ پر متعین تھے انتقال کیا ۔

گو کہ آپ اسم بامسمیٰ اور قدرتی نہایت ذہین اور ذکی واقع ہوئے تھے مگر پھر بھی آپ نے لکھنؤ کی زبان حاصل کرنے میں کافی کتب بینی کی تھی ۔ اور خصوصیت کے ساتھ یہاں کے بڑے بڑے زباندانوں کے ساتھ ملتے جلتے رہے ۔ منشی سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ سابق پنڈت تربھون ناتھ ہجر ۔ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف ۔ منشی احمد علی شوق وغیرہ حضرات آپ کے احباب خاص میں تھے ۔ جب آپ لکھنؤ میں تشریف لائے اُسیوقت سے اودھ پنچ میں نامہ نگاری شروع کی ۔ اسی سلسلہ میں متعدد ظریفانہ نظمیں لکھیں ۔ اکثر انگریزی ڈرامہ کے لفظ بلفظ ترجمے اس خوبی سے کئے کہ باید و شاید ۔ بنگلہ سے چار پانچ ناولوں کا اردو

ترجمہ کیا کہ میرے خیال میں ہر ناول ان کے واسطے ایک شاہکار ہے۔ وہی۔ پرتاپ بنگالی دہن۔ ماہ استین۔ مرنالنی۔ سب کے سب بیحد دلچسپ سلیس اُردو کے ناول وہی بنگلہ ناولوں کے تراجم ہیں۔ میں نے ان سب کو از اول تا آخر پڑھا۔ ہر ایک لاجواب ہے۔ مثنوی بہار آپ کی شاعرانہ شانی کی ایک زبردست سند ہے۔ ظریفانہ رنگ نظم و نثر میں آپ کو بدطولی حاصل تھا۔ ہم نثر کو بوجہ طوالت نظر انداز کرکے صرف بعض بعض نظموں پر اکتفا کرتے ہیں۔ پہلے ایک مخمس ملاحظہ کیجئے جو فارسی کے اس پرانے اور فرسودہ مصرعہ پر کہا گیا ۔ ؎ اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند۔

کلاہ سرخ ترکی وا یکا بر سر نمی ماند — ہمیشہ کوٹ و جاکٹ زیب و زین بر تن نمی ماند
زمانہ بر یکے آئین اے تیچر نمی ماند — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

براندی وا کمار در بوتل و ساغر نمی ماند — چنیں بیدو چرٹ و دوست و دلکش نمی ماند
بیا ایں بوٹ انگریزی و دفتر بر سر نمی ماند — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

چنیں اسپ و دمر پٹ میدان تا کجا تازی — ہمیشہ گیند و کرکٹ ہیچو طفلاں تا کجا بازی
مزیب و بدن تا کے چنیں پتلون بگو سازی — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

براندی تا بکے از ما بگو اے تیچری نوشی — لباس نازک و پتلون بہ لشکر چند چی پوشی
بدانچ کردن ایں رسم لندن تا کجا کوشی — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمی ماند

کنی گمراہ عالم را بہ ایں زبوں تا کے — بہ مسجد نمودن تنبیہ خود تا کے
نمودن بول استاد و بمثل سگ نمودن تا کے — عروس نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

خوری تا چند مرغِ سر بریدہ را بدین رغبت — حرامے را نمائی از دلیلِ خویش چوں حلت
خرد می نالد اے شیخ بدیں عقلِ دریں ہمت — عروسِ نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

بجائے سنگ اسود رفتے لیڈی را بہ بوسیدن — بوقتِ گیند کرکٹ بید ہر رک بیتاب گردیدن
چو قرآن و حدیث ای شیخ ری انجیل را دیدن — عروسِ نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

تو گوئی ذکر ایزد را کہ ہست آں خالقِ بیچوں — کبوتر چوں بکابک فتہ می سازد غزل خوں
بترس از داورِ دارا و توبہ کن ازیں اکنوں — عروسِ نو حجاب آلودہ با شوہر نمی ماند

اگر ماند شبے ماند شبِ دیگر نمی ماند

نظر پڑا ایک پیر نیچر نرالی سج دھج نئی ادا کا — جو عمر دیکھو تو سو برس کی یہ قہر و آفت غضب خدا کا
سفید داڑھی پہ کالا جوتہ اور اسپر طرہ وہ سرخ ٹوپی — بدنپہ جاکٹ گلے میں پٹی سی عالم اسپر ہے اک بلا کا
ہیں باتیں اسکی وہ سحر افسوں کہ سن لیں جسنے ہو وہ مفتوں — غضب کے فقرے ستم کے جملے اور اسپہ طرز بیاں بلا کا
یہ ست دنوں تک کئے کرشمے طرح طرح کے دکھائے نخرے — خدا کے بندوں کے دین و دنیا کو خوب لوٹا غضب خدا کا

ایک مرتبہ دکن کے قحط پر ایک مرثیہ عجیب طرح کا لکھا تھا جس کے دو تین بند لکھتا ہوں۔

ملکِ دکن پہ قحط کی یارو چڑھائی ہے — چاروں طرف سے فوجِ تبہ کار آئی ہے
محتاج خاوند ایں بلی خدا کی دہائی ہے — کالی گھٹا سی بھوک ہر اک سمت چھائی ہے

بد قتی امیدوار ہوں خواہش ہے کام کی
آؤ سنیو یار رکھی ہے کنگلوں کے نام کی

آئی گھٹا سی ریل بھرے تھے امیدوار — اندھی بلا کی فوج کہ منھ چیکے چار چار
پورب سے یا اودھ علیگڈھ کے سب سوار — آتی تھی ہر طرف سے صدا لیس بار بار

چہروں پہ جھرّیاں تھیں وہ پلکیں اڑی ہوئی
سمت جنوب سب کی تھیں باگیں مڑی ہوئی

اک در کھیپ آئی کہ اللہ کی پناہ — اوسنچے وہ انگرکھے کہ بھئی واہ ولاواہ
تیور سے آشکار کہ پیوستہ ہے نگاہ — اسے نہ کچھ خیال کبھی گو خلق ہو تباہ

بگڑے ہوؤں کو اور بگاڑیں یہ زور تھا
مارا بدہ بدہ کا ہر اک سمت شور تھا

بحر طویل کہنے پر آئے ہیں تو انشا اور مصحفی کو مات کر دیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے

دوش رفتم سوے بازار۔ کسے یافتم عیار۔ زہر قید سبکبار۔ بہ تزویر گرفتار۔ ز خود رفتہ و سرشار۔ سبک خیز چو رہوار۔ تنش چوں تن زنبور۔ سیہ خال رخ حور۔ مثال شب دیجور۔ ببر کوٹ پتلون۔ بدن شستہ ز صابون۔ رخش زرد۔ دلش سرد۔ تن و جان ہمہ گرد۔ نہ او صاحب ایمان، ولے بندۂ شیطان۔ نہ ہندو نہ مسلمان۔ نہ از قوم نصاریٰ۔ دَوَدْ ہر سمت بصد شوق۔ گہے تحت گہے فوق۔ گہے استاد و شاشید۔ گہے جست و مرائید۔ گہے ٹھوکر و سیٹی۔ گہ چار گلے کافی و شیمپین و برانڈی۔ گہے بیرو کلارٹ۔ گہے پاکٹ گہے جاکٹ۔ گہے شیرے و گہے رم۔ گہے بگبی گہے ٹم ٹم۔ ہمیں فکر بہر دم۔ کشتہ حرص و ہوا را۔ گفتم اے ہمسر فرعون۔ چرا می شدی مطعون۔ کسے نیست چو یارت۔ چہ بود آخر کارت۔ ایں وضع کدام است کہ داری۔ چوں شد ز خرد عاری۔ شیشۂ تنگ شکستی۔ در دانش بچہ بستی۔ توئی دیوانۂ مدہوش۔ رہ عقل فراموش۔ بشر علم و ادب دور۔ بہ مئے گرہی مخمور۔ بگو نام و نشانت۔ شوم آگاہ بجانت۔ مکن دیر خدارا۔ گفت عدوے ناموس۔ بر دوام بگر ٹوس۔ تم آدمی ہے کالا۔ یو سو کا لالا۔ من صاحب لوگیم۔ فدائی بسر میم۔ صاحب پلپلی نام۔ بجہاں شہرۂ عام۔ ز رموزم تو چہ دانی۔ کہ نا قابل آنی۔ بزم ٹھوکر و تھپڑ۔ ایٹو گڈا میر شکنم روے شما را۔ گفتم اے صاحب او صاف۔ مزن بیہدہ بمن لاف۔ بہ بیں روے سیہ خویش

بنہ آئینہ در پیش ۔ مشو طائر نقال مزن مفت پر و بال ۔ بخور بسکٹ و ہم کیک ۔ لیکن نزک
رہ نیک ۔ بشو پیرو حسنات ۔ برست از فرخرفات بہ بیں صدق و صفا را ۔

بزمی ۔ مرزا محمد اشرف صاحب بی ۔ اے خلف جناب محمود اشرف گورگانی کا
تخلص ہے ۔ آپ نہایت قابل اور نیک مزاج ہیں مرزا ارشد دہلوی گورگانی کے
شاگرد ہیں ۔ بے حد شوخ اور بلا کے ذہین ہیں ۔ آپ کی ظرافت شعر میں اس درجہ تک
ہوتی ہے ۔ جسے انبساطی شاعری کا انتہائی رنگ کہہ سکتے ہیں ۔ صرف ہزالی اور محض ظرافت
کہیں نہیں ہے ۔ بلکہ اس رنگ انبساطی میں یہ بھی خیال رکھتے ہیں کہ کہیں تغزل سے
علیحدہ نہ ہو جائے چنانچہ چند اشعار درج کئے جاتے ہیں ۔ مگر یہ کلام ابتدائی ہے ۔
اسوقت کا کلام موجود نہیں ۔

شیخ نے جانے کیوں کی توبہ — مے سے اچھی کب تھی توبہ
کعبہ گرجا اور بتخانہ — گھر گھر جھانکی میری توبہ
واعظ کر لو گرمی گرمی — ساون آیا ٹوٹی توبہ
آخر زاہد کی بیٹی تھی — رندوں میں کیا ٹکتی توبہ
میری صورت دیکھی آئی — سیرت دیکھی بھاگی توبہ
مولوی صاحب کیوں کہ نکرتے — اون کی روٹی تھی بی توبہ
میں اور ایسا کام کروں گا — توبہ توبہ کیسی توبہ
واعظ اب تو جاڑا آیا — کسکی توبہ کیسی توبہ
اری بندے ہی جو ٹھہرے — آگئی دل میں کرلی توبہ
واعظ اپنا دل تو دیکھو — بوتل خالی خولی توبہ
دیکھو بزمی اب بھی کر لو — کام وہاں پر دیگی توبہ

بسمل - میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ان کا نام گدا علی لکھا ہے اور ایک دیک نام نقل کرکے یہ بھی کہا ہے کہ اس سے زیادہ بلند شعر اُس کے اور نہیں دیکھے گئے - میر تقی نے لکھا ہے کہ بسمل تخلص ایک شخص کا شہرہ پہلے سنا تھا اُس وقت تک میں نے یہ تذکرہ نہیں لکھا تھا - اب خدا معلوم کہاں گیا - بہرصورت میر حسن نے جو شعر لکھے ہیں انھیں میں سے دو ایک شعر منتخب کرکے لکھتا ہوں - میرا قیاس ہے کہ میر حسن نے جس کے ان شعروں کو بلند لکھا ہے اُس کے وہ پست شعر جنکا انھوں نے ذکر نہیں کیا خدا معلوم کیسے ہوں گے - کاش ہوتے تو لکھتا -

جب کہ دیک کی فوج چلتی ہے — زلزلے سے زمیں دہلتی ہے
دیکھ لو تم بھی کرکے سراغ — مہ کے سینے میں دیوکوں کا داغ
ذرے کے دام میں نہیں خورشید — دیکوں نے اسے کیا ہے چھپید
ڈرے دیک سے وہ جو پہنے شال — یاں تو اب کسکے خصیو پر ہے بال
لنگکے زیر و لنگکے بالا — نے غم دزد و نے غم کالا

بسمل - ایک رسالہ میں آپ کی ایک غزل نظر سے گزری تھی - نام و مقام بھی لکھا تھا مگر حافظہ نے صرف تین چار شعر یاد رکھنے پر اکتفا کی نام و نام سب بھول گیا شعر یہ ہیں -

چھیپ ر اگر علاج میخواہی — طلب وصل مہترانی کن
در شب وصل می پڑد جاڑا — یک لحاف است اینچا تانی کن
بہنیں کم شیر میدہد بسمل — از کھلی و بنولہ سانی کن

بسمل - تخلص ہے مولوی فتح الدین صاحب مرحوم کا - آپ پنجابی اخبار نویسوں میں ایک امتیازی درجہ رکھتے تھے - اور نہایت ذکی و ذہین تھے - عرصہ تک

پنجاب پنچ لاہور کے ایڈیٹر رہے اور برابر ظرافت کے نظم و نثر مضامین لکھتے رہے۔ ظرافت میں آپ کو درجہ کمال حاصل تھا ۱۸۸۱ء میں بعارضہ تپ انتقال کیا۔ کلام تلف ہو گیا صرف ایک ظریفانہ سیاسی نظم مل سکی جو درج کیجاتی ہے۔ غالباً سالب جنگ افغانستان کے وقت لکھی ہے۔

کابلی بر سر پیکار ہیں لو اور سنو — اُن کے اب موت کے آثار ہیں لو اور سنو
جن کے صدقے سے پلے اور بڑے اتنے بڑے — اُن سے بھی لڑنے کو تیار ہیں لو اور سنو
شاہ عقبیانہ تو ادرک نہ مصالح موجود — سونٹھ کی گانٹھ پہ عطار ہیں لو اور سنو
دو قدم گو نہیں چل سکتے مگر اسپر بھی — جنگ میں چلنے کو تیار ہیں لو اور سنو
ہم نرے مولوی تھے آج طفیل سرکار — پنچ میں صاحب اخبار ہیں لو اور سنو
جیب میں نانے پڑے رہتے ہیں تنگی کے مدام — آج ہم غیرت تاتار ہیں لو اور سنو

بقا :- شیخ بقاء اللہ خاں نام تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے تھے۔ حافظ لطف اللہ خاں خوشنویس کے بیٹے تھے میر اور سودا کے معاصر تھے۔ مگر دونوں کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اردو میں شاہ حاتم اور فارسی میں مرزا فاخر مکین کے شاگرد تھے۔ مولوی عبدالغفور نساخ مرحوم نے اپنے تذکرہ سخن شعرا میں انھیں غلطی سے میر درد کا شاگرد لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ پہلے ان کا بقا تخلص نہ تھا بلکہ غمگین لکھتے تھے پھر نہ معلوم یکایک کیا جی میں آئی کہ اس تخلص کو چھوڑ کر بقا بن گئے۔ آخر میں ترک وطن کر کے لکھنؤ آ گئے تھے یہیں میر اور سودا سے معرکے ہوتے تھے۔ اسی بنا پر انھیں ہجو کہنے کی ضرورت پڑتی تھی چونکہ خوشمذاق ظریف الطبع تھے۔ اس لئے انھیں ظرافت کا رنگ پیدا کر کے نئی روح پھونک دیتے تھے۔ میں بہت مہذب ہجوں کے دو چار شعر لکھتا ہوں۔

ایک مرتبہ میر تقی میر نے یہ شعر لکھا۔

دے دن گئے کہ آنکھیں ندیاں سی بہتیاں تھیں　　سو کھا پڑا ہے اب تو مدت سے یہ دوآبا

بقا نے بھی یہ شعر سنا گمان پیدا ہوا کہ میر صاحب نے سرقہ کیا اور میرے ان دونوں شعروں سے یہ دوآبہ کا مضمون اڑا لیا۔

ان آنکھوں کا تت گریہ دستور ہے　　دوآبہ جہاں میں یہ مشہور ہے

سیلاب سے آنکھوں کے رہتے ہیں خرابی میں　　ٹکڑے جو مرے دل کے بستے ہیں دوآبے میں

بس پھر کیا تھا بگڑ گئے اور ایسے بگڑے کہ یہ قطعہ لکھ ڈالا۔

میر نے گر ترا مضمون دوآبے کا لیا　　اے بقا تو بھی دعا دے جو دعا دینی ہو

ایخدا میر کی آنکھوں کو دوآبہ کرے　　اور بینی کا یہ عالم ہو کہ تر بینی ہو

اس کے بعد غالباً میر صاحب سے اور ان سے چل گئی ایک اور قطعہ کہا۔

میر صاحب پھر اس سے کیا بہتر　　اسمیں ہو وے جو نام شاعر کا

لیکے دیواں پکارتے پھریے　　ہر گلی کوچے کام شاعر کا

ایک جگہ میر اور مرزا دونوں کو لے ڈالا ہے فرماتے ہیں

میر و مرزا کی شعر خوانی نے　　بسکہ عالم میں دھوم ڈالی تھی

کھول دیوان دونوں صاحب کے　　اے بقا جبکہ ہم نے زیارت کی

کچھ نہ پایا سوائے اسکے سخن　　ایک تو تو کہے ہے ایک ہی ہی

تھے ہم استادہ ترے در پہ والے بیٹھ گئے　　تو نے چاہا تھا کہ ٹالے نہ ٹلے بیٹھ گئے

آئینہ دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں　　اسکا میں دیکھنے والا ہوں بقا واہ رے میں

ان اشعار کے سوائے اور ظریفانہ شعر دستیاب نہ ہو سکے۔

جبکائی - اودھ پنچ سابق کے کوئی نامہ نگار ہیں - ۶ - اپریل ۱۹۰۵ء کے اودھ پنچ میں آپ کا یہ نوحہ - اس مختصر دیباچہ کے ساتھ درج ہوا تھا -

نوحہ رقت و خجالت افزا حسن اتفاق سے نوحوں - سوز دل - مرثیوں کی فصل - رونے رلانے کی بہار ہے چنانچہ بالفعل اپنی حسرتوں آرزوؤں کے قتل و کشتہ ہونے بلکہ مرے دل سے پوچھیئے تو شہادت پر ایک نوحہ حسب حال عرض کیا ہے کیا عجب لوکل سلف گورنمنٹ اور اس محرم کے اجتماع میں یہ نوحہ ہندوستانیوں کے بہت سے دلوں میں رقت پیدا کرے -

چنگی کا میں حاکم تھا بالطاف الٰہی ہے ہے مری شاہی
کرتا تھا میں بیٹوں کی بڑی پشت پناہی - ہے ہے مری شاہی

افسوس عجب طرح کی آئی یہ مصیبت - ذلت ہوئی ذلت
چنگی کی حکومت گئی آپہنچی تباہی - ہے ہے مری شاہی

کرتا نہیں داروغہ صفائی مری عزت - کیا ہے بغاوت
مہری پہ حکومت ہے نہ تالی پہ الٰہی - ہے ہے مری شاہی

باری سے ہوا نام مرا بورڈ سے خارج - اب یدیا چارج
بیکار ہی بیکار لگی منھ کو سیاہی - ہے ہے مری شاہی

یہ رنج کیا ضبط تو تپ آگئی مجھکو - اے میرے محبو
خون تھوکا جو بھائی نے تو وحشت سی آگئی ہے ہے مری شاہی

اک بھائی کے دل پر تھے لگے تیر سے چلنے - لگا نیل سا ڈھلنے
جب بورڈ میں جا نیکی ہوئی میری منادی ہے ہے مری شاہی

کمبخت مجھے حمل ذرا راس نہ آیا - غیرت کو گھٹایا
کالا ہوا منھ بڑھ گئی قسمت کی سیاہی ہے ہے مری شاہی

مینے تو بہت چاہا رہے ممبری قائم - ہو بلکہ وہ دائم
قسمت ہی بری تھی کہ خدا نے نہیں چاہی ہے ہے مری شاہی

میٹنگ میں تو سب ووٹ مخالف مرے لگے - غیر ونکے سکھائے
دیکھا جو یہ چپکے سے ہوا گھر کو میں راہی - ہے ہے مری شاہی

سب ایک ہوئے اور اکیلا مجھے رکھا - فریاد خدایا
رو رو کے میں دیتا رہا گو تیری دہائی - ہے ہے مری شاہی

وقت آیا جو اسکا کہ کریں میری اعانت باقی رہے عزت
منھ پھیر لیا یاروں نے الفت نہ نباہی - ہے ہے مری شاہی

نیچا سر مغرور ہمیشہ ہی ہوا ہے - آخر کو جھکا ہے
لی دونکی میں نے تو لگی منھ میں سیاہی - ہے ہے مری شاہی

بلیغ - محمد ثناء الحسن نام ہے - مین پوری کے رہنے والے ہیں - زمانۂ حال کے ایک

خوش فکر ظریف شاعر ہیں - اردو و فارسی دونوں زبانوں میں فکر سخن کرتے ہیں - مجھے اردو کا کلام نہیں مل سکا فارسی کے کچھ شعر رنگ ظرافت میں ملے جو نمونہ کلام میں درج کرتا ہوں -

ہزاراں حرف نافرجام براین ہمت عالی — کہ من مرغوبۂ خود را در آغوش دگر دارم
چو دستم شد حمائل گفت آں نازک مزاج من — بترس از من کہ یک خونخوار خنجر در کمر دارم
خوشا روزے کہ آں پرخور آید در کنار من — بسا خربوزہ کہ دتربوز دارم نیشکر دارم
بلیغ بالغ بلغو بلاغت صرف کن اینجا — کہ ہر اہل بلغ گوید کہ من سویت نظر دارم

بلبلیلے - یہ مافوق العادت والفطرت تخلص پنڈت رام نراین صاحب شرما کا ہے آپ فرخ آباد کے رہنے والے اور زمانہ حال کے ظریفوں میں ہیں - علمی قابلیت کی بابت اتنا ہی معلوم ہے کہ اردو لکھ پڑھ بھی نہیں سکتے - ہندی خط میں غزل لکھتے اور پڑھتے ہیں - بعض بعض شعر اچھے کہتے ہیں بدقسمتی سے مجھے صرف ایک ہی غزل مل سکی جو انتخاب کرکے درج کرتا ہوں -

یار کے گھر دعوت شیراز کی تدبیر ہے — دیگ میں دیکھا تو بس کفگیر ہی کفگیر ہے
وائے قسمت میرے نسخہ میں نہ تم انجیر ہے — چارہ گر اتنا نہ سمجھا عشق کی تفسیر ہے
عقد زنداں میں عبث تجھ سے ہوا واعظ تجھے — دخت رز ہے نور چشمی یار تو ہمشیر ہے
ہے ازل سے ہی یہ دیوانوں کے رہنے کا مقام — نجد کیا اے قیس تیرے باپ کی جاگیر ہے
ایک مکتب میں پڑھے اور ایک ہی استاد سے — بس اسی رشتہ سے لیلی قیس کی ہمشیر ہے
اے بلبلیلے میں اپنے فن پہ کیوں نازاں نہ ہوں — مضحکہ انگیز شہرت میری عالمگیر ہے

یہ شعر ہے - عجیب و غریب تخلص ہے کسی نامہ نگار اودھ پنچ سابق کا جس کے

لفظ لفظ سے شوخی ٹپکی پڑتی ہے - ایک نظم جو ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے - وہ لکھکر حضرت بندریہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ چند شعر حضرت سعدی کے تتبع میں کہے ہیں - گویا مصرع طرح یہ قرار دیا گیا ہے - ہمچناں از طویلۂ خر بہ -

دست خالی ز کیسہ پر زر بہ — بد نمائی بحال خوشتر بہ
از ہمہ ارزلاں پور و پین — پایۂ ہندیاں فراتر بہ
من بہ کعبہ روم ز ترکستان — از رہ مستقیم چکر بہ
ایلیے ہم بکار می آید — خر عیسیٰ بحال خود خر بہ
وضع خوش اختیار باید کرد — ریش کوتاہ را کلاں سر بہ
تا نہ گردن کنند پیمالیش — خاکساری شمارا احقر بہ
بمحل خواب را نمودے نیست — نو بود خواہ کہنہ چھپر بہ
قند زنگی ز نیشکر آید — چوں شکر سید ہر چقندر بہ
مفلسانیم در بساط حیات — اسپ اگر نیست مہرۂ خر بہ
خرس روسی و شیر جاپانی — جان بل چوں غزال اصفر بہ
ایشیا فتح کرد یورپ را — ایں چنیں ذکر عیش اکثر بہ
چیست مردی زمانہ انگریزی — تیغہا در نیام خنجر بہ
چوں یکے اہل فارس شعر شنید — ہنسکے گفتا کہ اور خوشتر بہ

بو اسحاق اطعمہ ایک نہایت مشہور و معروف ہزال اور ظریف تھے جنکی نسبت معلوم ہوا ہے کہ عہد محمد شاہی کے اوائل میں دہلی میں تھے - اور اس زمانہ کے دستور کے موافق ایک بہت بڑا مکتب قائم کر رکھا تھا - جس میں اس وقت کے بڑے بڑے شرفا کے بچے تعلیم پاتے تھے - چنانچہ میر جعفر زٹل بھی انھیں کے ایک ہونہار

شاگرد ہیں۔ میر صاحب اور بوا سحاق کے متعلق چند لطائف بھی مشہور ہیں جو بجنسہ درج کرتا ہوں۔

ابو اسحاق چونکہ خود بدرجۂ اتم شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے۔ اس لئے جب شاگرد کا رجحان اس طرف دیکھتے تو بہت خوش ہوا کرتے تھے۔ ایکدن اپنے شاگردوں کو کچھ شعر سنائے۔ میر جعفر زٹل نے غور سے اُن اشعار کو سنا اور جی چاہا کہ خود بھی کچھ کہیں۔ مگر ابتدائی رکاوٹیں اس شوق کے پورا ہونے میں مانع آئیں خاموش ہو کر بیٹھ رہے پھر کچھ جوش پیدا ہوا تو کچھ شعر کہے استاد نے دیکھا کہ ان سے تو اور مذمت ہوتی ہے میر صاحب کو بہت ڈانٹا۔ چونکہ شعر قابل اندراج نہیں ہیں اس لئے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ ابو اسحاق کی بیوی کو شامت اعمال سے بخار آگیا۔ مولوی کا زور بچوں پر ختم ہوا کرتا ہے۔ یہ جناب اس عالم پریشانی سے بہت ہی چڑ چڑے ہو رہے تھے شاگردوں کو بات بات پر مارنا شروع کیا لڑکوں میں صلاح ہوئی اور جعفر زٹل سے کہا کہ آج مولوی صاحب کی شان میں کچھ لکھو۔ جعفر کو یہ فرمائش پوری کرنا پڑی اور بہوت بڑا رانامہ جو اب تک انکی کلیات میں ہے لکھ ڈالا جس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

درد پڑھ ناد علی راکش و بیتال کو باندھ — درد پڑھ ناد علی جن و گرد لال کو باندھ
درد پڑھ ناد علی بھیروں گھڑیال کو باندھ — درد پڑھ ناد علی پھولوں کے سر بال کو باندھ
درد پڑھ ناد علی بے خرد جتاں کو باندھ

ہو بید سے باہر تو اسے چھوڑ کے جل جا — باندھونگا عیسیٰ بھاگ مرے آگے سے ٹل جا
کر اور کسو آدم و حیواں پہ عمل جا — آ تو بھی کہا مان شتابی سے نکل جا
بسم اللہ و الحمد کی برکت سے نکل جا
یا شیشہ میں ہو بند دیا آگ میں جل جا

چونکہ ابو اسحاق اکثر اپنی ظرافت میں صرف اُنسے دار طرح طرح کے کھانوں

زیادہ ذکر کیا کرتے تھے اس واسطے اِن کے نام کے ساتھ اطعمہ بھی شامل ہو گیا تھا
اِن کا کلام بہت تھا مگر اب کمیاب ہے۔

من آں نیم کہ ز حلوا نماں بگردانم — کہ ترک صحبتِ شیریں نہ کافر دلم است
کسے بجو ہر یکدانہ نخود نہ رسد — کہ قفل حقہ کیسا بپا چہ نکشا راست
دگر مگوے کہ نان نو عروس غرہ ہست — کہ ایں عجوزہ عروس ہزار داماد است
نوشتہ است نے روغن بچہرہ حبشی — کہ ایں سیاہ زبال مرغ آزاد است
چہ می بری اے کاسہ لیس بر سحاق — بہ پنج زر و عسل روزی خداداد است

بہ پیشیم در سحرگاہاں گرآری صحن نیرارا — ببوے نیکوش بخشم سمرقند و بخارا را
کباب آہوے فربہ اگر داری غنیمتاں — کنار آب گرنا باد و گلگشت مصلا را
جمال برہ بریاں و حسن دنبۂ فربہ — چناں بردند صبر و دل کہ ترکاں خوان یغما را
چہ آرائی بمشک و زعفراں رخسار نالودہ — بزنگ و بوے و خال و خط چہ حاجت روے زیبا را
بگو سحاق وصف نوشۂ انگور شفالے — کہ بر نظم تو افشاند فلک عقد ثریا را

نمی گردم ز ذکر قلیہ حسنا لی — بہ جنگر بور قم فی کل حال
سحر برخیزم از بہر ہریسہ — ومن طلب العلی سہر اللیال
درون رشتہ آں خورشید شلغم — کان الشمس فی جوف اللیال
چو از ہم میدرم مرغ مسلم — فما ادری یمینا عن شمال

بویک ایک بیاض قلمی میں بویک بڈھانوی کے نام سے چند شعر گزرے۔ اور نام و حالات وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں چلا۔ میں اپنے قیاس کی بنا پر کہتا ہوں کہ یہ شاید بوڈھانہ

ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہوں گے۔ اِن کے جسقدر شعر ہیں بڑھاپے کی مذمت میں ہیں یا بیوی کی شکایت ہے جو سننے والے کو ہنساتی بھی ہے اور رولاتی بھی ہے۔ اغلب کہ بوبک نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں شادی کی ہے اور اس کا خمیازہ اٹھانا پڑا ہے۔ ظلم و ستم سے چیخ اُٹھے ہیں۔ وہی شور وہی ہائے واویلا پیدا کرکے موزوں بنی ہے اور شاعری بنکر رہ گئی ہے۔ اگر یہی بات ہے تو بوبک تخلص بہت ہی موزوں ہے۔ کریما کے بعض بعض مصرعوں پر مصرع لگائے ہیں بعض کو تضمین کیا ہے۔ اِن کے اکثر اشعار متانت اور سنجیدگی سے دور ہیں۔ اسی لئے اُن کو نظر انداز کرکے ہم چند ظریفانہ شعر نقل کرتے ہیں۔

جب دانت گرے اور بڑھی بالوں کی سپیدی — شوہر کی جگہ کہتی ہے جورو مجھے گیدی

ہوئی پیری کے ہاتھوں ہمت پست — گرتے پڑتے ہیں جیسے کوئی مست
کبھی نزلہ کبھی زکام اور دست — خوشے بدور طبیعتے کہ نشست
نرود جز بوقت مرگ از دست

بڑھاپے میں کیوں بیاہ ہم نے کیا — کریما بہ بخشائے برحال ما
کہا کر یہ جورو سے اے بوالہوس — نداریم غیر از تو فریاد رس
یہ کہتی ہے جورو ہمیں برملا — کہ ہستی اسیر کمند ہوا
وہ بولی جو ہم نے اشارا کیا — نگہدار مارا ز راہ خطا
میں کہتا ہوں اس سے کہ اے فاحشا — خطا درگذار و صوابم نما

لڑیں وہ عروسی کی شب رات بھر — کبھی مارے گھونسے کبھی پٹکا سر
بنایا کبھی مجھکو اپنا پدر — تو میں نے کہا اس سے تنگ آن کر
تکبر مکن زینہار اے پسر — کہ روزے ز دستش درآئی بسر

بوم - شیر محمد خاں نام ہے - باپوڑ ضلع میرٹھ کی تحصیل میں چپراسی ہیں متین کلام میں فوق تخلص کرتے ہیں اور ظرافت میں بوم - چودہ پندرہ برس پہلے میں بھی ان سے ملا تھا اُسوقت کچھ زیادہ مشہور و معروف نہ تھے - مگر اس زمانہ میں ظرافت کی بدولت اچھا خاصہ نام پیدا کر لیا - اکثر ان کی ظرافت فواحشات کی حد تک پہونچ جاتی ہے - چونکہ خود بھی اسی قسم کے آدمی ہیں اس لئے زیادہ تر کلام کی بنا بھی اسی طرح کے اندازِ کلام پر رکھتے ہیں - اب سُنا ہے کہ میخواری اور عیاشی میں پھنسکر کچھ غبن وغیرہ کیا اور اُس کی بدولت زندانِ فرنگ کی ہوا کھا رہے ہیں - ان کے شعر جو ظرافت کی حد میں ہوتے ہیں نہایت دلچسپ اور قابل انتخاب ہوتے ہیں - مگر افسوس کہ میرے پاس ان کا کلام نہ پہونچ سکا - اگرچہ تلاش میں میں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا مگر کسی طرح کامیابی نہ ہو سکی - اس زمانہ میں جب تذکرہ لکھ رہا ہوں باپوڑ کے کئی احباب کو لکھا مگر جواب نفی میں آیا - چند شعر مل سکے وہی درج کرتا ہوں - اسوقت ان کی عمر تخمیناً چالیس برس کی ہو گی -

جس زمانہ میں مہاتما گاندھی کھدر پر چار کر رہے تھے - اُسوقت گاڑھے کی قیمت اچھے اچھے کپڑوں سے بھی بڑھ گئی تھی - اور جولاہوں نے ہر ایک کپڑے سے زیادہ نرخ بڑھا دیا تھا اُسی سے متاثر ہو کر بوم نے یہ نظم اور اسی قسم کے اور بہت سے شعر لکھے تھے چند اشعار جو ہمکو مل سکے لکھے جاتے ہیں -

پہلے سے نہیں مفلس و محتاج جلاہے — اب بھرنے لگے کوٹھیوں میں ناج جولاہے
لیڈر تو گئے قید میں اک راج کی خاطر — بیٹھے ہیں دبائے ہوئے سوراج جولاہے

جب کہ دنیا میں خلافت کی دہائی ہو گئی — اچھی خاصی ان جولاہوں کی کمائی ہو گئی
ہو ترقی کسطرح ملبوس کھدر کو بھلا — چودہ آنے سیر گاڑھے کی کمائی ہو گئی

کیا کہوں شوق ہوس نے مجھکو اندھا کر دیا — کیا خبر ہے بیخودی میں میں نے کیا کیا کر دیا
کیا ذرا سی بات تھی جسکا فسانہ کر دیا — میں نے اک بوسہ لیا اور تم نے دعوی کر دیا
خود ہوئے بدنام اور مجھکو بھی رسوا کر دیا

کہہ دیا دامن پکڑ کر صاف میں نے اُنسے آج — کس لئے رکھا ہے سر پر یہ مسیحائی کا تاج
پوچھنے کے واسطے آئے نہ تم میرا مزاج — ہو نہیں سکتا جو تمسے درد فرقت کا علاج
تمکو کس الو کے پٹھے نے مسیحا کر دیا

رہگیا تھا میں ہی کیا پٹنے پٹانے کیلئے — کوئی بھی آیا نہیں میرے بچانے کیلئے
اور تو ایجان تھا سب گھر میں کھانے کیلئے — صرف ترکاری نہ لایا تھا پکانے کیلئے
مارنے گھونسوں کے مری بیوی نے بھرتا کر دیا

ٹھہرنے دیتا نہیں کیجا اُسے دوران سر — یہ کبھی اس شاخ پر بیٹھا کبھی اس شاخ پر
دیکھ لو خالی نہیں جاتا تخلص کا اثر — بوم کو کچھ بھی نہیں اپنے سر و پا کی خبر
شاعری نے اب اُسے الو کا پٹھا کر دیا

نہ مل رنڈی سے تو یہ قوم ہے بد — ہوا ہے تجربہ یہ مجھکو بیحد
اگر جوتے اُسے گارد کا گارد — زمین شور سنبل بر نیارد
در و تخم عمل ضایع مگرداں

.....

بھسنٹ ایک شاعر کا مجہول الاسم کا تخلص ہے۔ صرف کلام مل سکا درج کرتا ہوں۔

دل مرا مجھ سے چھین کر بھاگا — ہمت تری دم میں موت کا دھاگا

جب تاج دیکھنا ہوا منظور یار کو — فوراً مجھے مداری کا بکرا بنا دیا

خطاؤں پر مرے اکثر عطا کرتی ہی جاتی ہے — مری بیوی برابر ماما کرتی ہی جاتی ہے

دنیا بدل گئی ہے کھلاڑن بناؤں گا — اب اپنی بیوی کو میں تلنبولن بناؤں گا

کھاتے کھاتے رات دن کمبخت عادت ہو گئی — کوئی ترکاری نہیں بھاتی ہی بینگن کے سوا
والدہ نے یہ شرافت کی مری تدبیر کی — سید دل کے پاس رہ کر مجھکو سید کر دیا

پوچھتے ہیں نام بھنٹ تمسے لوگ — کہہ بھی دو الّو کا بچا نام ہے

دی ایک چکت ایسی گالوں سے لہو نکلا — وہ بھوتنی والا تو سیر ابھی گرو نکلا

. . . . . .

اپنی ٹوپی پہ نام لکھتا ہوں — کھوپڑی کا فقط بچا نا ہے
جسمیں تھے ہم عدم میں اے بھنٹ — اک بڑا وہ بھی کارخانا ہے

وہ مری قطع دیکھکر بولے — یہ تو مسجد کا کوئی ملا ہے

جام جم میں نے بارہا دیکھا — کھوپڑی سے مری نہیں ملتا

چوٹیں کرتا ہوں تو سب لوگوں پر — پھر بھی جوتا کبھی نہیں ملتا

نہ کوئی ڈاکو ہوں نہیں اور نہ کوئی چور ہوں میں — حرام خور نہیں ہوں حلال خور ہوں میں

کان اکثر کھڑے ہی رکھتا ہوں — جب سے دنیا نے گوشمالی کی

میری بیوی بچہ کش ہے اور میں ہوں پرچہ کش — میں مہینہ میں نکالوں اور وہ نو ماہ میں

بیڈھب - ایثار علی نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں شفقی قمر بدایونی کے شاگرد ہیں نوجوان زندہ دل ہیں ابھی کلام سے نومشقی کا عالم نمایاں ہے اگر کہتے رہے تو شاید کسی وقت اچھا کہنے لگیں ایک مجموعہ ثقہ ظریف کے نام سے چھپ گیا ہے جس میں زیادہ تر بیڈھب کا اور باقی اُن کے استاد بھائیوں کا کلام ہے - پورے مجموعہ کو پڑھکر چند شعر انتخاب کیے گئے ہیں - اگرچہ وہ بھی معمولی سے زیادہ نہیں ہیں۔

حمد خدا میں بیڈھب زورِ قلم دکھانا — ایسا ہے جیسے چھپر افلاک پر چڑھانا

اک آہ آتشیں میں ڈبل کام ہو گیا — اُن کو بخار غیر کو سرسام ہو گیا
دو سیر باجرے کا ملیدہ اُڑا گئے — لالہ کا پیٹ کیا ہوا گودام ہو گیا

بہن سے ڈروں گا نہ ماں سے ڈروں گا — جو والد کہیگی وہ بیشک کروں گا
نہ ہوگا اگر تم سے میرا مداوا — تو میں ساتھ اپنے تمہیں لے مروں گا
اگر آپ دل مجھکو واپس نہ دیں گے — تو میں آج سرقے کا دعوی کروں گا
اگر نہ بتا جانی مری کا [illegible] — تو قاتل کو بھی مار کر ہی مروں گا

گدھا ہوں تو لوں گا نہ بوسہ تمہارا
بس اب آؤ سے خدا کا بندہ چروں گا

اگر ساس نے مان لی میری بیڈھب
تو میں بیاہ سے قبل گونا کروں گا

ہمارے بس میں اگر ہوتے وہ بیمار ہوتا
کہ تھانیدار ہم ہوتے وہ چوکیدار ہوتا

ڈھولک بجا بجا کر گاتا تھا اک زنانا
اب کے جنم میں یارب عورت ہمیں بنانا

اس راگ پر ہو لعنت ہے یہ بھی کوئی گانا
تادیم دیم درنا تادارا دیم تانا

کیا وہ سیر جائی مجھے ڈھونڈھے لیگا جو کبھی
ایک سو دس میں گرفتار ہونے پایا

ہار رہا بیٹھ گئے ہار کے چنگی والے
راستہ عشق کا ہموار نہ ہونے پایا

عمر چالیس برس کی ہوئی ان کی اکبر
آجتک سبزہ نمودار نہ ہونے پایا

کوئی انسان ہے بے مہر کہ طاعون ہے تو
کبھی جانبر ترا بیمار نہ ہونے پایا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا
سائیکل اللہ نے دی تھی تا پیدل نہ تھا

دائیل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے
گیس کا ہنڈا تھا بیڈھب تمہارا دل نہ تھا

قحط کی عید بھی ہے موت کا ساماں ہونا
ضعف آنتوں کو سکھانا ہے سویاں ہونا

آخر وقت ہر اک چیز مزا دیتی ہے
قابل قدر ہے آموں کا بھدیاں ہونا

یہ بھی مذہب ہے کہ گائے میں تو رہنا پڑتا
اور کھڑے کے دن آئیں تو مسلماں ہونا!

قحط میں کیسا جھمیلا عید کا
پھنس گیا دلدل میں ٹھیلا عید کا

مفلسی اسپر یہ یہ خودداریاں — عرس افطار اور میلا عید کا
ہیں یہ جبے اور یہ لندن کا بوٹ — شیخ جی ہیں یا بھنڈیلا عید کا
عیش کا ٹٹو تو لدکر چل دیا — رہ گیا خالی طویلا عید کا

دل ہیں اترائے ہو کیا غیر کو اپنا کہکر — ہوش میں آؤ کریلا کہیں میٹھا ہوگا
دل لگانے کی مزا اب تجھے کیا دینگے — قید ہوگی کہ ضمانت کہ نپٹکا ہوگا
سود پیری کا بڑھا جب عمر کی نقد کی ساتھ — ہوگیا نیلام اُن کے حسن کی دوکان کا
تنگدستی کا یہی عالم رہا بیڈھب اگر — عید کے دن بھی مزا آجائیگا رمضان کا
رات یہ اندھیر کیا بزم بتاں پر غضب ہیں تھا — غیر تو دالان میں تھے اور میں آنگن میں تھا

ترقی کے زمانے میں ہے ایسی گھٹی کیوں ہو — خدا ناخواستہ جورو ہماری بے پڑھی کیوں ہو

جو نہ شوقین ہو ایسا نہیں دلبر کوئی — پالتا ہے کوئی بلبل تو کبوتر کوئی
جذب دل نے جو انھیں ٹانگ پکڑ کر کھینچا — وہ یہ سمجھے کہ ہے پتلون کے اندر کوئی
پہلے معشوق انھیں دگ کہا کرتے تھے — اب بھی بیسٹ کوئی کہتا ہے چھچھوندر کوئی
بیسیوں چاہنے والوں کی ضرورت کیا ہے — ناز اٹھواؤ گے تم اُنسے کہ چھپر کوئی

بیکس مرزا محمد نام تھا عظیم آباد کے باشندے تھے۔ ہجو گوئی اور ظرافت میں ید طولیٰ حاصل تھا مگر آج دستبرد زمانہ سے کچھ بھی نہیں بچا صرف ایک یہ رباعی ہے جو غالباً میر ماشاء اللہ اور میر انشاء اللہ کی ہجو میں کہی ہے اس سے اُن کے زمانہ کا اندازہ کیجیے

ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاء اللہ — سب کہتے ہیں زیادہ ہونگے انشاء اللہ

باطن میں جو دیکھا انھیں اتنے ہیں پوچ　　لاحول ولاقوۃ الا باللہ

بیگم ۔ تذکرہ چمن انداز اور ماہ درخشاں میں لکھا ہے کہ ان کا نام رشک محل تھا پنجابن تھیں جو واجد علیشاہ آخری تاجدار اودھ کے متاع میں آئیں۔ اور پھر انتزاع سلطنت کے بعد بادشاہ کے ہمراہ کلکتے چلی گئیں وہیں انتقال کیا۔ ریختی کہتی تھیں چند شعر جو تذکروں میں ملتے ہیں درج کئے جاتے ہیں۔

نہ بھیجوں گی سسرال میں تمکو خانم　　نہیں مجھکو دو بھر ہے کھانا تمھارا
میری کنگھی چوٹی کی لیتی خبر ہو　　یہ احساں ہے سر پہ دگانا تمھارا
ہوا بال بیکا جو مرزا ہمارا　　تو پھر سنگ ہے اور شانا تمھارا

گھر سے گانے کے دگانا مری مہمان گئی　　میں یہ انگاروں پہ لوٹی کہ مری جان گئی

حرف بار فارسی

لالہ پاگل داس اودھ پنچ کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ۱۹۰۰ء کی لکھی ہوئی ایک قصیدہ بھی مجھے بھی مل گئی زبان وہی جو ہر شخص سمجھ سکے گا۔ چندہ کی مذمت میں غالباً یہ شعر کہنے کی زحمت فرمائی ہے۔

ہمنے دیکھے تھے گدایانِ مسلمانے چند — چشم دل سے جو نگہ کی تھی بمردانے چند
شاغل و زندہ دل و راہ حقیقت آگاہ — بس وہی عاشقِ اللہ تھے شاہانے چند
خدمت قوم میں مصروف سدا رہتے ہیں — ہمچو شبلی ہوں و یا مہدیِ علی خانے چند
رات دن اُن کے لیے شغل عبادت ہے یہی — زر و پوشاک کے اُن کو نہیں ارمانے چند
ایک چھن ماں وہ فقیروں کو بنا دیتے ہیں شاہ — آسمانِ پر بھی نہیں اُن کے سے پاکانے چند
گو کہ چھپٹی کی طرح سے ہے یہ تندلال ضعیف — اس کے رتبے کو کہاں پہونچے سلیمانے چند
دلِ احقر میں یہ آوے ہے شب و روز مدام — ترک کر دے دنیا و ایوانے چند

پری جھمن نامے ایک شخص دہلی کے باشندے کا تخلص تھا۔ جو سخن کہنے میں مشاق تھا شاہزادہ مرزا رحیم الدین حیا (جو دلی کے ایک مشہور شاعر تھے) سے اصلاح لیتا تھا۔ تذکرۂ گلستانِ سخن میں لکھا ہے کہ نوجوان ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ چالیس پچاس برس اُدھر اُن کی شاعری کا دور دورہ ہوگا۔ کلام کہیں یکجائی صورت میں نہیں مل سکا تین شعر گلستانِ سخن میں ملے۔ اور دو سخن شعرا میں۔

دنیا کے مردوے مرے اوپر فدا ہوے — مجھ آشنا مزاج کے سب آشنا ہوے
اب کے تو مردوے ہیں غایاں بیوفا — اگلے تماشین خدا جانے کیا ہوے
دن کو ہی آنا تھا تجھے ماہ صیام میں — در گور مردوے مرے روزے قضا ہوے

شاہ پنچھیا - ایک آزاد لاابالی فقیر منش آدمی تھا - دہلی میں قیام تھا - وضع یہ تھی کہ کاغذ قلم دوات ہر وقت ساتھ رہتا تھا - جہاں بیٹھتا تھا - وہیں کچھ نہ کچھ کہہ لیا کرتا تھا - ظاہر ہے کہ اس آوارہ گردی میں کلام کیا جمع ہوتا - میر حسن چونکہ ان کے معاصر تھے صرف ایک شعر اُن کا نقل کرتے ہیں -

دل مرا گر دلبر یار کے منڈلاتا ہے — یہ شکر خورہ شکر چھوڑ کہاں جاتا ہے

پٹنیٹ سابق اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ظریف بدلہ سنج کا تخلص ہے جو غزل مل سکی ہے وہ لکھی جاتی ہے اس غزل کے لکھنے کی علت غائی خود مصنف کی زبان سے سناتا ہوں - ملاحظہ ہو - اودھ پنچ مرحوم کے نام لکھتے ہیں -

ڈیر پنچ - آجکل آپ کے اخبار میں اُردو شاعری پر بحث ہو رہی ہے چونکہ اینجانب بھی غدر سے پہلے شاعر تھے اور پھر بھی بوقت ضرورت باز آمد بندہ بگریختہ شاعر ہو سکتے ہیں لہذا اپنی رائے زریں سے آپ کو محروم رکھنا سخت احسان فراموشی ہے - سنیے جناب بندہ اور ذرا گوش ہوش سے سنیے اردو شاعری پر بڑا اعتراض یہ ہے کہ شاعر لکیر کے فقیر ہیں جدت کا مادہ نہیں - اعتراض کسیقدر صحیح معلوم ہوتا ہے - ہم صرف ایک شق پر بحث کریں گے شعرا نے صرف چند اعضاے انسانی لے لیے ہیں - جن کا فراق اور وصال میں ڈکھڑا رویا جاتا ہے - ہم کہتے ہیں کیا خدا نے کوئی عضو بیکار بنایا ہے - یا کوئی عضو ایسا بنایا ہے جو اس عشق کو حس نہ کرے جو سر سے پیر تک مخلوط ہو جاتا ہے - پھر کیا وجہ ہے کہ صرف دل و جگر

آنکھ سینہ پہلو کا لگاتار سلسلہ ہے اور باقی اعضا جو شاید مادۂ عشق کے قبول کرنے اور متاثر ہونے میں اُن سے زیادہ قابلیت رکھتے ہوں چھوڑ دیئے جائیں۔ ہماری رائے میں سب کو درجہ بدرجہ اور رتبہ برتبہ یاد کرنا چاہیئے۔ اس عمل درآمد کے بعد نیچرل شاعری کے اسکول والوں سے بھی صلح ہو جائے گی۔ بہر صورت ایک نئی غزل اس نئی طرز میں نذر ہے۔ یہ مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا چاہیئے۔ راستہ ہم نے بتا دیا ہے اب شاعران رنگیں بیان طبع آزمائیاں کریں اور اس طرز جدید کو آسمان پر اُڑا لیجائیں۔ حق ایجاد بنام موجد پیٹنٹ ہے تتبع اور تقلید کی اجازت عام ہے۔

اب میں وہ غزل جو واقعی طرز جدید ہے نقل کرتا ہوں ملاحظہ ہو۔

معدہ میں آگ عشق بدستور جلتی ہے — پھیپھڑوں کی دھونکنی مرے سینہ میں چلتی ہے
گردوں نے درد عشق میں آفت مچائی ہے — تلی غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے
چھینک آئی ہم نے شکر خدا کا ادا کیا — اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے
کروٹ بدل رہے ہیں شب ہجر یار میں — آنتوں میں زور شور سے بندوق چلتی ہے
تارے گنا کیا ہوں پڑا چت شب فراق — اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے
دانتوں کا دسترس نہ ہوا گوش یار تک — سچ ہے کہ بدنصیب کی کب دال گلتی ہے
شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی ملا ہوئیں — لو آج پسلیوں میں بھی حلوا چپلتی ہے
تصویر یار ہم نے لگائی دماغ میں — کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے
برسات آئی پھر وہی گربڑ مزاج ہے — پھر پیٹ میں فساد ہے پھر ناف ٹلتی ہے

پیام ۔ نام شرف الدین علی خاں تھا۔ پیام تخلص تھا۔ اکبر آباد کے رہنے والے سراج الدین علی خاں آرزو کے شاگرد تھے مقتضائے طبع اور زمانہ کے دستور کے مطابق زیادہ تر فکر سخن فارسی میں کرتے تھے۔ کبھی کبھی اُردو کے شعر بھی

کہہ لیتے تھے۔ اُن میں کہیں کہیں ظریفانہ اور نہایت شوخ مضامین قلم سے نکل جاتے تھے۔ اِن کے بیٹے سے میر تقی میر کی بڑی دوستی تھی۔ پیام عہد محمد شاہی کے ایک نامور اور ذی وقار شاعر تھے۔ ایک دیوان اِن سے یادگار ہے مگر نایاب ہے۔

دلی کے کجکلاہ لڑکوں نے — کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا — ٹوپی والوں نے قتل عام کیا

حرف تا قرشت

تبسم - مرزا عالیقدر نام ہے خاندان شاہی سے ہیں حضرت ظریف لکھنوی کے شاگرد ہیں۔ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں مگر فی الحال کلکتہ میں مقیم ہیں اور وہیں فوٹو گرافی کی دکان ہے۔ چند شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ راقم نے ان کو ایک دو مرتبہ دیکھا ہے مگر باہمی کوئی تعارف نہیں ہے۔

مرگیا جو وہ کوئی عاشق فرضی ہوگا
جسپہ مرتا تھا وہ معشوق خیالی ہوگا

آدبوچا جو مرے طائر دل کو اُسنے
ناز اُس شوخ کا شاید کوئی بلی ہوگا

کچھ قرابت تو زمانہ میں ہر اک سے ہوگی
کوئی سسرا کوئی سالا کوئی سمدھی ہوگا

خال رخسار اڑا دیتا ہے گر ہوش و حواس
عارض اس شوخ کا بارود کی کاتی ہوگا

در غلطاں شعرا دانت کو جب کہتے ہیں
تو یقیناً دہن یار بھی سیپی ہوگا

غل مچائے جو کسی کوچہ میں شب کو ہر روز
سچ تو یہ ہے کہ وہ عاشق نہیں پاجی ہوگا

بیگناہوں کو دیا کرتا ہے جو قتل کا حکم
یار کا ہے کو جو نیور کا قاضی ہوگا

جسکو دے دے کے مزے کھاتے ہیں انکو عاشق
غم نہ کیجئے اُسے وہ آم کی چٹنی ہوگا

کوہکن سے یہ کہا کرتی تھی آکر شیریں
دب گیا گر کہیں پتھر سے تو بچی ہوگا

تجھپہ ہو جائیگا ظاہر وہ کسی روز ضرور
عشق کچھ چور نہیں ہے کہ یہ مخفی ہوگا

بس میں تہذیب نہ ہو وضع شرافت مہمل
حد سے بڑھ جائے تبسم تو وہ ہی ہوگا

یاں یہ حالت ہے کہ ہم میں تاب ضبط غم نہیں
وہاں سوال وصل پر کہتے ہیں وہ بھی ہم نہیں

ساقی گریز کرتے ہیں یا نشے بھگیدہ ہوں — گر لڑکھڑا گیا تو یہیں گر پڑیدہ ہوں

پردہ سسٹم کے مخالف ہو جو لیڈر صاحبو — پہلے اپنی بیگموں کو لیڈیاں ہونے تو دو
پاک ہو جائے گی سب آب ہوئے راہ عشق — صاف تم اپنی گلی کی نالیاں ہونے تو دو
انڈے بچے گھر پہ جا کر دوگے کیا فخر سما — آشیان شرق سے جاناں اذاں ہونے تو دو
آٹھویں دن ترک الفت دور از انصاف ہے — اپنے عاشق کو ذرا نوشیرواں ہونے تو دو
اے تبسم خون پانی ایک ہو جائیگا پھر — شیر خوار ہے ابھی قاتل جواں ہونے تو دو

تپش تخلص تھا مرزا محمد اسماعیل نام تھا مرزا جان کے نام سے معروف و مشہور تھے۔ گو انکے آبا و اجداد بخارا کے رہنے والے تھے۔ مگر ان کی ولادت خاص شاہجہاں آباد دہلی میں ہوئی۔ کبھی کبھی شستہ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے تھے۔ میر درد کے خاص شاگردوں میں تھے۔ ۱۸۱۲ء تک بخیر و عافیت کلکتہ میں موجود تھے اُردو کی متعدد کتابیں۔ بہار دانش شمس البیان ضرب الامثال انکی تصنیف ہیں۔ اگرچہ ان کی ظرافت اُس حد پر نہیں ہے کہ اس کو محض ظرافت کہا جا سکے مگر شستہ مذاقوں کے لئے ایک اچھی چیز ہے۔

سرک سرک کے پلنگ پر مچل مچل جانا — یہی ادا تو ہمیں بھا گئی تمھاری رات
نہ تیغ چل سکی مجھ پر تو منفعل ہو کر — لگا یہ کہنے کوئی اسکے ہی بندھا تعویذ
میں نے کہا کہ رکھتا ہوں کچھ تمہیں لتماس — کہنے لگا کہ سمجھے ہیں جو التماس ہے
مرضہ اٹھا اٹھا کے یونہی بار بار کا — ایدل مزاج تو نے بگاڑا ہے یار کا

تجلی منشی سید منتخب الدین دہلوی۔ آپ کا ظریفانہ ایک شعر مل سکا۔

شیخ کل میکدے میں بیٹھا تھا — آدمی کیا تھا اک تماشا تھا

تجلی تخلص تھا۔ میر محمد حسین نام تھا حاجی کے عرف سے معروف تھے۔ میر تقی کے بھانجے تھے۔ بیگم کے باغ واقع چاندنی چوک دہلی میں سکونت رکھتے تھے۔ مصنف سخن شعرا اور گلشن بیخار۔ خمخانۂ جاوید سب اسبات پر متفق ہیں کہ یہ نہایت ظریف نکتہ سنج تھے مگر افسوس کہ کسی نے وہ کلام نقل نہیں کیا۔ جو افسردہ دلوں کے لئے کشت زعفران اور نقل محفل بنجاتا پھر بھی جو کلام تذکروں میں ملتا ہے اس میں سے جب انتخاب کیا جاتا ہے تو کچھ کلام ایسا ملجاتا ہے جس سے ہلکی ہلکی ظرافت کا پتہ چلتا ہے۔ وہی درج کرتا ہوں سب سے زیادہ تعجب یہ ہے کہ میر تقی نے اپنے تذکرہ نکات الشعرا میں ان کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ انتخاب کلام یہ ہے۔

مجھے کہتے ہیں کیوں رے تو رہے جو رو دکھتا تھا — اگی اسکے پاؤں تک سر بے آرد و پہونچا
ہوا گستاخ اب ایسا کہ کچھ خطرہ نہیں کرتا — کبھو چھاتی پکڑتا ہے کبھو بازو کبھو پہونچا

کر گلے شکوہ کو موقوف میاں بس چپ رہ — میں بھی بولوں گا تو ناحق تو خفا ہوئے گا
آنکھیں خدا نے دیکھنے کو دی ہیں میر جان — دیکھا تری طرف کو کسی نے تو کیا ہوا

تصور۔ ذکی الدولہ میر تصور علی داروغہ خلف میر صفدر علی خاں باشندۂ بنارس کا تخلص تھا۔ آپ عرصہ تک لکھنؤ میں بھی مقیم رہے ترتیب تذکرہ سخن شعرا کے وقت میں زندہ تھے۔ مولوی عبد الغفور صاحب نساخ نے لکھا ہے کہ ان کا ایک دیوان یخچی میں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ باوجود تلاش مجھے نہ مل سکا اسی لئے کلام کے لکھنے سے معذوری ہے۔

تمکین۔ مولوی غلام بتول خاں صدر امین ضلع بیر بھوم خلف مولوی غلام رسول خاں

متخلص بہ تحسین کا تخلص تھا۔ مولوی عبدالغفور نساخ مصنف تذکرہ سخن شعرا کے دوست تھے مولانا سے مرحوم نے لکھا ہے کہ بیشتر یحیٰی کہتے تھے مگر افسوس ہے کہ کچھ نمونتاً بھی کچھ کلام یحیٰی نقل نہیں کیا۔ مجھے صرف ایک شعر مل سکا ۱۲۸۸ھ میں دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

بوا کتنے ہرجائی یہ مردوے ہیں — کوئی فوج یوں ان کے نخرے اٹھائے

تونی ایران کی ایک مخدرہ عصمت مآب کا تخلص ہے۔ مرزا کمال الدین سحر قزوینی کی شاگرد تھی۔ ظریفہ تھی اور کبھی کبھی تفنن طبع کے طریق پر کچھ ظریفانہ شعر کہہ لیتی تھی۔ اگرچہ کلام مل نہیں سکا۔ مگر تذکرۂ اختر تاباں سے ایک رباعی جو واقعہ طلب ہے نقل کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے شوہر ایک ایرانی مذاق کے بزرگ تھے۔ تونی بیچاری ان کی اس غیر فطری حرکت سے باخبر تھی بہت کچھ سمجھاتی تھی مگر انپر کوئی اثر نہ ہوا آخر عاجز ہو کر ان کو یہ رباعی لکھ بھیجی۔

آن شوخ کہ ہست حسن عالمگیرش — یارب چہ شود شبے بخوابم زیرش
اے خواجہ بیا تا من و تو صلح کنیم — تو با کونش بساز و من با گیرش

تونی آتون۔ ملا بقائی کی جو ایک مشہور و معروف شاعر تھی بیوی تھی۔ میر نظام الدین علی شیر کے زمانہ میں زندہ تھے۔ نہایت خوش مزاج تھی شوہر اور بیوی میں اکثر مطارحہ ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ان کے شوہر نے یہ رباعی کہی۔

یاران ستم پیرہ زنے گشت مرا — کاواک شدہ چونے از و پشت مرا
گر پشت بسوے او دہم خواب کنم — بیدار کند بضرب انگشت مرا

تونی آتون نے جواب میں یہ لکھا۔

ہم خوابگی شدت رگے گشت مرا — روزے نبود از و بجز پشت مرا

قوت نہ چنانکہ پا تواند برداشت　　بہتر بود از پشت دو صد مشت مرا

جواہر العجائب میں بجائے اس کے یہ رباعی ہے -

ملاحہ ناز و غمزہ ات کشت مرا　　تا چند زنی طعنہ بانگشت مرا

شبہا ہمہ پشت سوے من خواب کنی　　بگذار کہ وا گرفت از پشت مرا

حرف تائے ہندی

ٹیٹری۔ کوئی ظرافت مآب شاعر ہیں جنکا نام اور حال معلوم نہیں یہ تین شعر اُن کی طبع وقاد کے دریائے ناپیدا کنار سے نکلے ہیں جو ہدیۃً پیش کرتا ہوں۔

جب وہ آتے ہیں میں رو دیتا ہوں — جب وہ جاتے ہیں میں ہنس پڑتا ہوں
غیر سے رہتی ہے الفت مجھکو — اور اپنوں سے سدا ڈرتا ہوں

تری فرقت میں او ظالم مری نکسیر چلتی ہے — مگر خوں میں نہانے کی یہی تدبیر چلتی ہے

ٹریڈ مارک۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار کا فرضی اور عارضی تخلص ہے۔ موجد پیٹنٹ کی غزل پر خمسہ کہا ہے۔ اور خمسہ کی پیشانی پر یہ دلچسپ عبارت درج کی ہے۔

پنچ۔ آداب عرض جناب من۔ دنیا اور اُسکی مضافاتی بھیڑ یا دھسان الٹی کھوپڑی کی مخلوق نے ناک کھاتے کھاتے کان میں دم کر دیا ہے۔ جب ہمیں خدا نظر موزوں طبع بصیر دے گا۔ تو شعر کا مذاق تا بقائے حیات کیوں چھوٹے گا۔ رہا یہ جھگڑا کہ اُردو سے ہمنی میں شاعری کیجاوے یا حال و مستقبل میں۔ ہم ہانکے پکارے کہتے ہیں کہ کئی پشت سے ہم اس کے دلدادہ ہیں اور شعر کہتے ہیں۔ یہ مثل مشہور ہے کہ کہنے والے کی زبان نہیں رُکتی دور کیوں جائیے ہمارے عنایت فرما موجد پیٹنٹ کو ملاحظہ کر لیجیے کیا غزل بے بدل لکھی ہے جسکا ایک ایک شعر اوندھی کھوپڑی کے خیالات کے لوگوں کے واسطے نہایت لطیف

ارمغاں سمجھنا چاہیئے۔ ماضی کی شاعری سے تجاوز کرکے .....

حال کی شاعری میں حضرت موجہ موصوف نے ثابت کر دیا کہ ہمیں شعر کہنا آتا ہے۔ اور اس سے بھی اگر اُن صاحبوں کی تسلی نہ ہو تو تو بشرطِ درخواست مستقبل شاعری بھی ہم کر سکتے ہیں۔ اگر صحت و سلامتی دساز ہے تو کسی آئندہ نمبر میں بے درخواست بھی شاید کوئی حصہ نظم ندر ناظرین کر دیں۔ میں موجد پٹینٹ کے کلام کو نہایت عزت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور تائید میں حاشیہ لگا کر دوبارہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ دوسری حیثیت سے یقین ہے کہ آتش حسد سے کوئلہ کی طرح جلکر خاک ہو جائیں گے غزل بے بدل پر حاشیہ لاجواب یعنی خمسۂ دنداں شکن یہ ہے۔

شہرگ یہ دمبدم مری گردن ملتی ہے — دیوانگی کی نہر شب و روز ابلتی ہے
گھٹی میں جو پڑی وہ محبت نکلتی ہے — معدے میں آگ عشق بھبھوتو ہلتی ہے
پھیپھڑوں کی دھونکنی مرے سینہ میں چلتی ہے

ٹخنوں میں درد ہو گیا وہ خاک اڑائی ہے — ایڑی ہے پاش پاش یہ اپنی کمائی ہے
ہر زخم میں ہے نام کہ حلق میں بائی ہے — گردوں نے درد عشق میں آفت مچائی ہے
تلوے غم فراق میں ہاتھوں کو ملتی ہے

انگڑائی لیکے توڑا ہے ہر ماں کا آسرا — بختِ سیہ کا کیجئے جا ہی کیا گلا
اچھو ہوا تو سمجھے کہ نازل ہوئی بلا — چھینک آئی ہمنے شکر خدا کا ادا کیا
اس راستے سے ناک کی حسرت نکلتی ہے

صبح شب فراق میں اللہ کی مار ہے — ہے دوپہر تو لوٹ رہے ہیں بخار میں
الہٰ دعا کہ شام ہوئی انتظار میں — کروٹ بدل رہے ہیں شب ہجر یار میں
آنتوں میں زور شور سے بندوق چلتی ہے

بیمار غم کا حال ہوا سوکھ ساکھ کر قاق — یہ حسن اتفاق ہے یا سوء اتفاق

آیا جو چارہ گر تو بتایا مجھے مزاق — مارے گنا کیا ہوں پڑا چت نہ فراق

اتنی دبی کہ ریڑھ کی ہڈی اچھلتی ہے

خط کا شمار کیا کہ دئے ہمنے تار تک — قرم بھی بھیجے ایک سے سو تک ہزار تک

ملنا نہ تھا ملا نہ انھیں گھر میں بار تک — دانتوں کا دسترس نہ ہوا گوش یار تک

سچ ہے کہ بدنصیب کی کب دال گلتی ہے

بیمار غم کی حالتیں کیا کیا تھیں کیا ہوئیں — وہ رونقیں جو پہلے تھیں ساری ہوا ہوئیں

جل جل کے ہڈیاں مری جنگ آزما ہوئیں — شیر و شکر تھیں عشق میں یہ بھی بلا ہوئیں

لو آج پسلیوں میں بھی تلوار چلتی ہے

زلفوں میں جو سیاہی ہے ساری یہ داغ ہیں — جو رنگ تیرے منہ میں وہ دل کے داغ ہیں

یہ اچھی سوجھی عقل کے روشن چراغ ہیں — تصویر یار رہنے لگائی دماغ میں

کچھ کچھ شب فراق طبیعت بہلتی ہے

سردی سے ہو زکام برابر علاج ہو — گرمی میں ہو بخار خنک احتیاج ہے

اچھا تو اپنا حال نہ کل تھا نہ آج ہے — برسات آئی پھر وہی گڑبڑ مزاج ہے

پھر پیٹ میں فساد ہے پھر نات ٹلتی ہے

ٹیسو پرشاد — اودھ پنچ سابق کے کوئی ظریف شاعر ہیں جن کی ایک نظم (ہندوستان کا بھک منگا ٹیسو) کے عنوان سے مل سکی چونکہ نہایت ظریفانہ رنگ میں لکھی گئی ہے لہذا نقل کرتا ہوں۔ ہندوستان کی مفلسی اور ضرورت کی زبردستیوں کی ایک تصویر ہے۔

بازاری لڑکے — آئے آئے جم جم آئے — پنچ دوارے ٹیسو آئے

پنچ بہادر کہاں ہیں آئیں — ہمری اس گرج سن جائیں

پانچ — آتا کیوں چلاتے ہیں — آتے ہیں بھئی آتے ہیں

ٹیسو — آج بات یہ ہم نے ٹھانی — لایہ ہوئی ہمکا یا ہانی
تنک تنک ہم بات بتی ہے — رتی رتی حال سنی ہے

ہندوستان — ٹیسو سارا بہت ستائیں — مگر گھر ہے بھیک منگائیں
بھکمنگی ماں عمر گنوا دا — آدھی دمڑی جو ہم پاوا
ایس جوگ پڑا کچھ آن — چند چھین اس جا پان
کہو کہاں سے اب ہم لائی — دوسرے کی جو لگی بجھائی
جھنجی کوڑی گھر ماں ناہیں — کہو کہ کہہ کی کہیر سنائیں

ضرورت — کہہ دو بہت نہ شور مچائیں — اور کسی کے دوارے جائیں
اور کسی سے بات بنائیں — جہاں سے بنے وہاں سے لائیں

ہندوستان — پانچ بہادر سنتے ہو — سنتے ہو بھئی سنتے ہو

بازاری لڑکے — پانچ بہادر جیتے ہیں — دیتے ہیں بھئی دیتے ہیں

ٹیسو — جھنجھیا ہمری بڑی کھچانی — جہاں بیٹھی بی بی رانی
رانی نخرہ کرتی ہے — بن مارے وہ مرتی ہے
جو کوئی دوارے جاتا ہے — ٹیسو کو وہ سمجھاتا ہے

راجہ سب کی سنتا ہے — روتا ہے اور کہتا ہے
عقل گیان سبھی کچھ ہری — کہو تو جھوٹے کچ کچ کری

بازاری لڑکے — کھیلو کودو جانے دو — مرتی ہے مرجانے دو

ضرورت — پنج روارے سے کالا بو — بیچ سمیچ لہو کا پالو

ہندوستان — ہم کا ملی نہیں اک پائی — کا جھوٹے لیکھا بجھائی

ضرورت — اچھا اچھا دیکھیں گے — دیکھیں گے پھر دیکھیں گے

ہندوستان — اے بدھنا ہم کا گن کینا — ہم سب کرم اپن کا لکھ دینا
یا ہی دیکھا کرم کا لیکھا — جا سے جیتے بھی دکھ دیکھا

حرف ثائے مثلثہ

ثریا۔ جمعیت علی نام تھا۔ بھجر ضلع رہتک کے رہنے والے تھے۔ غدر سے پہلے زندہ تھے۔ مرد خوش وضع سپاہی پیشہ تھے۔ جس زمانہ میں جان صاحب کے کلام کا شہرہ اکناف ہند میں پھیلا اسی زمانہ میں ان کو شعر گوئی کا شوق ہوا رفتہ رفتہ طبیعت کا میلان ریختی گوئی کی طرف ہو گیا اور چند ہی روز میں بہت کچھ کہہ ڈالا۔ اب کلام نایاب ہے۔ یہ چند شعر مل سکے جو درج کئے جاتے ہیں۔

کنگھی چوٹی مسی اور سرمے کی کس کو ڈھن نہیں
اے لو اب کنواریوں میں کنواریوں کے گن نہیں

مجھ منحوسی کو جلاتی ہے سدا وہ جیسے
میری سوتن کے کہیں یونہی آگے آئے

دن گزارا تھا جہاں شب کو بھی جاتے ہیں
ہانپتے کانپتے کیوں رات کو بھاگے آئے

شام سے سوتے ہیں منھ پھیرے مردوں کی طرح
آئے تو گھر میں کئی رات کے جاگے آئے

دل میں یہ سوچنا لاڈو تو نہ زنہار کہیں
کنواریاں خود تو بساتی نہیں گھر بار کہیں

اُن کو آنا ہو تو آجائیں وہ گھر ہے اُن کا
مجھ کو کیا کام ہے جائے مرے پیزار کہیں

آجکل کنواریاں بیگم بڑی پھنسی ہیں
ننگی ہوتے ہی کہیں کرتی ہیں اقرار کہیں

دنکو ہر کام ہے کیوں اونگھتی ہے پھر ماما
رات بھر جاگی نہیں ہے جو یہ مردار کہیں

ماما کا ہے کچھ کٹنی ہے یہ اچھی خاصی
مجھکو کر دے گی اک روز گرفتار کہیں
تیری جوتی سے ثریا جو وہ بہر جاتی ہے
ڈھونڈ ہے تو بھی کوئی اور طرح دار کہیں

عمر بھر سسرال میں جلنا پڑا نا شاد کو
مار اچھی کو مرے موت آئے اس داماد کو

سوتنیں جو مرا غم کرتی ہیں
مرے چونڈے پہ کرم کرتی ہیں

حرف جیم عربی

جان - میر یار علی نام تھا - میر امن لکھنوی کے بیٹے تھے اور نواب عاشور علی خاں لکھنوی کے شاگرد تھے - اگرچہ وطن لکھنؤ تھا - مگر بسبب فکر معاش آخر میں متوسلین درباری میں ملازم ہو کر رام پور میں جا رہے تھے نہایت خلیق زندہ دل خندہ پیشانی سرخجاں مرنج آدمی تھے جب تک لکھنؤ میں رہے فکر معاش میں مبتلا رہے آخر ۱۸۴۷ء میں مجبوراً ترک وطن کر کے روزگار کی فکر میں دلی گئے - مگر یہاں بھی کامیابی نہ ہوئی - پھر بھوپال گئے مگر یہاں بھی بدنصیبی ساتھ رہے - آخر آب و دانہ کی کشش اور نواب کلب علیخاں مرحوم کی قدردانی رام پور میں لے آئی اور یہیں مستقلاً رہنے لگے - تا اینکہ ۱۲۹۰ھ میں ۶۳ برس کی عمر پا کر پیوند خاک ہو گئے -

جان مرحوم نے ابتدا ہی سے ریختی گوئی کی مشق کی تھی بجز اس صنف خاص کے اُنسے کسی دوسری صنف سخن میں کوئی شعر نہیں پایا جاتا -

آزاد مرحوم نے آبحیات میں لکھا ہے کہ رنگین اور انشا اس کے موجد تھے - یہ قول کچھ صحیح نہیں معلوم ہوتا - اس لئے کہ ریختی کا پتہ اس سے بہت پہلے زمانہ میں چلتا ہے - ہاشمی جو دکن کا رہنے والا مادر زاد اندھا شاعر تھا - وہ اس کا موجد ہے اسکا انتقال ۱۱۰۹ھ میں ہوا آصفی ملکاپوری نے دو شعر ریختی کے اپنے تذکرۂ شعرائے دکن میں ہاشمی کے نام سے نقل کئے ہیں - مولانا آزاد نے غالباً تذکرہ مرزا قادر بخش صابر میں یہ عبارت دیکھی " زبان اُردو میں اول ریختی کا رواج انشاء اللہ خاں انشا نے دیا - اور اس کے بعد سعادت یار خاں رنگین نے خواہ اُس سبب سے کہ اُن کی طبیعت کو خود اس صنف کلام کی طرف التفات تھا

خواہ انشاء اللہ خاں کے اثر صحبت سے اس نظم میں ایسی زبان آوری کی کہ گویا اس کو اپنا شعار کر لیا" اس کے بعد اُن کو معلوم ہوا ہوگا کہ خود سید انشاء نے دریائے لطافت میں سعادت یار خاں رنگین کو ریختی کا موجد قرار دیا ہے۔ لہٰذا بطریق مسامحت دونوں کو ریختی کا موجد قرار دیدیا۔ اسیطرح تذکرۂ مہر جہانتاب میں بھی انشا ہی کو ریختی کا موجد بتایا گیا ہے مگر یہ اقوال ایسے ہی ہیں جیسے ولی دکنی کو انھوں نے ریختہ کا موجد قرار دیا تھا اور اب پایۂ تحقیق اس سے بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ بہر حال ہاشمی سے ریختی کی ابتدا ہوئی اگرچہ مٹے مٹے نشانات اور جگہ بھی پائے جاتے ہیں چنانچہ خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں لکھا ہے کہ اس فن کا موجد رحیم معاصر رحمان دولی ہے اور اس کے کچھ شعر بھی لکھے ہیں مگر میرے نزدیک وہ کچھ اور ہیں شعر یہ ہیں۔

ارے نادان تین اپنے سجن کو کیوں رُٹھایا ہے — رُٹھا کر پیو کو جگ میں کسی نے ذوق پایا ہے
بہت پچھتائیگی میری نصیحت مان کہتی ہوں — سکھی کو رات سوہی ہے پیارے کو جو بھایا ہے

بعض نے حضرت امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی موجد قرار دیا ہے۔ لیکن بجز ہاشمی کے ہماری رائے میں دوسروں کو ریختی کو لکھنا۔ مراسر زیادتی ہے۔ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی نے شعر الہند میں اسکی بابت کافی تحقیق کی ہے اُن کی بھی یہی رائے ہے۔ غرض ریختی ایک صنف سخن تھی جو عرصہ سے چلی آرہی تھی جان صاحب نے اس میں مشق کی اور بقول بعض تذکرہ نویسوں کے اسکو تکمیل کو پہونچایا۔ مگر ہمارے نزدیک اُن کی ریختی میں آورد سے بہت زیادہ کام لیا گیا ہے۔ اور اسی وجہ سے رنگین اور انشا کی سی روانی اور بے تکلفی اُسمیں باقی نہیں رہی۔ مراعات النظیر جس نے لکھنؤ کی شاعری کے دفتر کے بیکار کر دیئے ہیں ان کے یہاں بھی موجود ہیں۔ اور بعض جگہ اسقدر بے مزہ ہیں کہ پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ ان کے کلام میں فواحشات کا بھی زور شور ہے یہی وجہ تھی کہ عرصہ تک ان کا دیوان چھپا قانوناً بند ہو گیا تھا۔ مگر اب بعض لوگوں نے محنت کر کے اسکا انتخاب کر کے کانٹے نکال دیئے اور پھول چن لئے ہیں اور اس انتخاب کو چھپوایا ہے سنا ہے کہ

جان صاحب محفل مشاعرہ میں بالکل زنانہ لباس پہنکر جاتے تھے اور اس انداز سے پڑھتے تھے کہ سننے والے ہنستے ہنستے لوٹ جاتے تھے اس میں شک نہیں کہ باوجود آورد اور تکلف کے اُن کے یہاں بیگماتی زبان ۔ لکھنؤ کے ۔ روزمرہ سشیرینی کلام عورتوں کے محاورات ۔ رسوم و رواج کا اسقدر ذکر ہے کہ متقدمین میں کسی کے یہاں بھی نہیں ۔ میں نے ان کے کلام کو اول سے آخر تک متعدد مرتبہ دیکھا اس مرتبہ بھی انتخاب کے لئے پورا دیوان دیکھنا پڑا ۔

ہمسائی میرے سر کی قسم آئیو ضرور — کونڈا کروں گی جمعہ کو سید جلال کا

پھبتی کہی چراغ ہے بیٹے کی جو تجھ میں — محرم کی جب کٹوری میں جگنو نظر پڑا
یہ سات پیڑھیوں کے ہوا بعد اتفاق — کنبے میں بیگما کے دوہا جو نظر پڑا
جس مردوے کے پیچھے مرا گھر ہوا خراب — برسوں کے بعد پھر وہی ہوا تو نظر پڑا

لگا میٹھا برس جب سے یہ صورت زہر لگتی ہے — کہیں مشاطہ کر پیغام اب مصری کی نسبت کا
وہ دل در گور جینا ہے کبھی جو نام الفت کا — کسی دشمن کے دشمن کو نہ ہو آزار چاہت کا
وہ تھے استاد ان سے جا نصاحب تجھ کو کیا نسبت — کیا پر نام روشن رنجی نے تیری نسبت کا
کلوارنی پہ مرتا ہے تف اُسکی ریش پر — قاضی کے گھر میں کیوں نہ ہو چرچا شراب کا
مستانی سوت پر پڑے خالق مرا وبال — پڑ جائے اس کے حلق میں پھندا شراب کا
سوم مٹیوں سے جلا ہو نسے جو جو رہ کھیلے — چاں وہ مجھ سے ٹکے گزکی نکیو نکر چلتا
رہگیا کس سوم کا پیٹ جو جنتی نہیں — تیر ہوا ں مہتاب کو یہ چاند ہے شوال کا
ساس نندوں کی محبت کے میں قربان گئی — جاؤں میکے مجھے منگوا دو سواری مرزا
تم سلامت رہو صدقے میں تمھارے صاحب — کتنا پہنوں گی ابھی گوٹہ کناری مرزا
پکا نہ تھا کچا تھا وہ جن اے پری خانم — کل سر پہ چڑھا آج نگوڑا اُتر آیا

نہ پھینکا ڈھیلا نہ کھٹکا راہ چلے آئے
کسی کے گھر میں کوئی بے خطر نہیں آتا

خصم کا مال تو ہی یار کو کھلا نہ سکی
ہمیں تو لاکھ کا گھر خاک کر نہیں آتا

گرگٹ کی طرح کا لاکھی لال ہو گیا
غصہ سے مردوے کا عجب حال ہو گیا

بیگم اچھا نہیں بڑھنا نکمے مال کا
راکھ مل کے نوچ یا زہر لگا ہر تال کا

آرزو بندی کی خالق سے ہے اکدن میری سوت
کھائے پھل تلوار کا اور پھول سونگھے ڈال کا

خالی کے مہینہ میں وہ خالا نہیں رہتا
در گور مرے پاس رزالا نہیں رہتا

کھلتی ہے جبھی ٹھوکریں کھانے کی حقیقت
سر پہ جو کوئی چاہنے والا نہیں رہتا

کیا ڈرتی ہے ماموں سے محرم میں بھی رنڈی
موباف تری چوٹی میں کالا نہیں رہتا

اس پیٹ سے ہے ہمکو تو سو خطرے ہوں پیدا
مردوں پہ تو کوئی بھی کسالا نہیں رہتا

حسن جاتا رہے پر چھاتیوں کا روپ ہے
صدقے اس عقل کے جس نے یہ بنائی انگیا

اگر باور نہیں آتا ملا کر دیکھ لو صاحب
مری تازگیوں سے آپ کا بہتر نہیں کیلا

خدا دکھائے نہ پیڑو کی آنچ کا صدمہ
یہ وہ جلایا ہے ہرگز سہا نہیں جاتا

کیوں نہ جانے سے میں باہر ہوں بھلا مغلانی
اُدھڑی دو بار اگر ٹھیک نہ آئی انگیا

کوڑھ ان چھاتیوں سے ٹپکے اُسے جو پہنے
میں تو کوسوں گی مری جسنے چرائی انگیا

اب بھلی مانسیں کیا پہنیں جو یہ پہنا میں
اپنی جورو نکو لے کنجڑے قصائی انگیا

چپکے رہتے ہیں تھا حرام وہ کام
ایک دو بولوں میں حلال ہوا

خدا نے پہ منی کو قوم میں ان کی کیا پیدا
بڑا ہر ایک سے رتبہ نہ کیوں سمجھیں چمار اپنا

تف اس بہادری پہ بنا مردوا ہو کر کیوں
چھوڑا پڑا قہ میں نے تو جی دہل گیا

تصویر اُن کی دیکھ کے آنسو نکل پڑے
بچہ ہی تھا کھلونے پہ آخر مچل گیا

باجی دنرات کا پھر وہ ہی بکھیڑا نکلا
کوئی گل پھولے گا پھر سوت کا چرچا نکلا

بہو نہیں تل ہے مری سہتابی کے پھبتی میں کھل
چاند کے پیٹ میں خورشید یہ تارا نکلا

جان صاحب تو ہے رات کو فاخر کے گھر
مجھ بدبختی نے عبث عیش کا سامان کیا

کہے میں دیتی ہوں لاڈو خانم قسم خدا کی دیکھ لینا
نکال لونگی میں دونو دیدے کیا کسی سے جواب اشارا

میں پاس بیٹھی تھی دولھا بھائی کے گر وہ سنتے تو ہوتی آفت
کیا غضب کیا یہ تیرے مرزا جو نام لیکر مرا پکارا

رہونگی میکے میں اپنے جا کر سواری منگوا دو مجھکو صاحب
یہ ساس نندوں کی بولی ٹھولی کر نہیں کبھی بھلا گوارا

کھانا پکا کے خوب نہیں مانسے پان کا
منھ کی کہیں کھلا سے نہ چسکا زبان کا

محرم نکیلی چھاتیوں پر پھبتی ہے نئی
انگیا غلاف جوڑا ہے یہ خاصدان کا

کسکو سمجھاؤں خوابی ہے مری دونو طرح
بھائی پر زور ہے چلتا نہ خصم پر اپنا

اے بوا پتھر کا دل ہے اس محبے بے پیر کا
تھا نکھوٹا گھر میں خالق کے مری تقدیر کا

پیسا تھا پاس رہتے تھے ہر آن آشنا
یاد دور کرتے ہیں اے جان آشنا

کرتا رہا وعدہ تو یونہی دھوکے دھڑی کا
مانوں گی نہ اقرار میں اب ایک گھڑی کا

چھوٹی مری کھائیگی ہری پان کا بیڑا
منجھلی کا نہ سنجھلی کا نہ ہے بیاہ بڑی کا

ناک کٹوا کے میں منڈوا دونگی بی سوت کا سر
دشمنوں کا مرے بیکا اگر اک بال ہوا

نامرد ہے نہ جورو سے اب تک خبر ہوا
قربان اس حیا کے بوا سال بھر ہوا

سوکھا سوکھا گورا گورا
کملو کا گھر والا ہوگا

کھلا جنگل میں آکر حال ان چڑیوں کی چوچ چکا
ہر اک عاشق کو دیتی ہیں یہ پرسا اپنے مجنوں کا

لگجائے نہ کوسا کسی کل جھبی کا ظالم
ہونا ارے مشہور بلا کو نہیں اچھا

جو شوم ہے لٹورا کہتی ہوں اسکے حق میں
چڑیا حلال کردے تجھکو ثواب ہوگا

دل جلی کو کچھ جلی مانگ جلی دکھیا ہوں
ٹھنڈا رکھے گا تجھے اوہی جلانا میرا

تم اگر دوگے نہ تن پیٹ کو روٹی کپڑا
کیا خدا کے بھی نہیں گھر میں ٹھکانا میرا

بچی کے واسطے جو کھلونے منگائے ہیں
گھر والا گھر کو کتا ہو تخانہ ہو گیا

مجھے نفرت ہے صورت سے نگوڑے جان جلتی ہے
وہ اسکی شکل کیا ہو اے بوا قربان کی صورت

ہے دوالی سے سوا آجکا دن آج کی رات
گھر سے نکلو نہ ذرا آج کا دن آجکی رات

صبح کو دیکھا ہے منہ شام برن کا میں نے
خیر سے کاٹے خدا آج کا دن آجکی رات

تیسرے دن نہیں جاتے ہیں کسی کے گھر سے
اور رہ جاؤ بوا آج کا دن آجکی رات

جو دال دلیہ ہووے میسر مجھے دکھائیں
بھائی کو بھابی کیا ہی کمائی کی احتیاج

نشہ میں تاڑی کے جورو کو مارا بھڑوے نے
نکل گئی مری بچی کی اک کٹار میں روح

جیتے جی بندی کو اللہ دکھائے سہرا
مجھکو کیا لوگو جو گھر اسکا ایسا میرے بعد

سچ میں کہتی ہوں نبی بخش برا ہے داماد
رکھے عزت مری بچی کی خدا میرے بعد

قبر میں روح کو صدمہ مری ہوگا مرزا
سوت بچو نہ اگر ہوگی خفا میرے بعد

کارخانے میں خدا کے ہے کسے دخل بوا
بچہ تم پہلے جنیں بیاہ ہوا میرے بعد

رنگیں کی ریختی ہے سخن میرا ریختہ
فتنے کو فوق کیوں نہ ہوا ہے باجی ڈور پر

جھجر میں باجی ایک مسلمان تھا کمہار
یہ حال اسکے گھر کے نظر آئے زور پر

دلوایا شب برات میں مردوں کا فاتحہ
لوٹے گھڑے پر بدھنی پہ پٹکے مٹھور پر

نہ دیکھ دولہا کو ساس نندوں کے آگے گھونگھٹ اٹھا اٹھا کر
نئی نویلی دلہن ہے بچی ابھی تو دو چار دن حیا کر

نکاحی بیاہی کو چھوڑ بیٹھے متاعی رنڈی کو گھر میں ڈالا
بنایا صاحب امام باڑہ خدا کی مسجد کو تم نے ڈھا کر

کریں وہ مجھ پر نہ فرق اتنا کچھ اُن کے گھر میں نہیں پڑی ہوں
کروڑوں میں نے بگاڑ ڈالے گھروندے ایسے بنا بنا کر

لگائی سوسن نے ایسی سسی کہ جیسے بطخ نے کھائی کیچڑ
کسی نے مارا ہے منہ میں پتھر نہیں آتی ہے پان کھا کر

خدا نے چاہا نہ ٹھنڈے پیٹوں رہیگی سوچ کیطرح چندو
چلی ہوں دنیا سے جلتی بھنتی اسی نے مارا جلا جلا کر

نصیب سیدھا اگر ہے میرا نکلتی نکلے گی کھاٹ اسکی
وہ سکھ نہ پائیگی جسنے بھیجا ہے الٹی پٹی تمہیں پڑھا کر

ہوں میں بڑھیا پہ جوانوں کے گلے کاٹتی ہوں
اب بھی یہ کند چھری ہے مرے دو چار سے تیز

سوت سے گالیاں نہ کھلواتے
تمکو ہوتا جو کچھ بھی میرا پاس

کیا زمانہ برا ہے اچھی بی
کوئی کرتا نہیں کسی کا پاس

ماں سے ہمکو سوا ہے پیاری ساس
باجی دنیا ہو اور ہماری ساس

جو ہران کے کھلے ہیں ہو دل پر
چھریاں تندیں ہیں اور کٹاری ساس

بولوں بڑھ کر تو ذبح کر ڈالے
ہے وہ جلادنی ہماری ساس

کافی ہے نیک بخت کو بی جان ایک مرد
کسی کو روز چاہیئے دو چار کی تلاش

آج مجھ سے ہے تو کل اور سے مرزا اخلاص
ایسی ہرجائی سے ہو لیت نگوڑا اخلاص

کوشش بہت کی ہم نے ہٹا پر دنوں کا پھیر
لاچار جان ہو گئی ایام سے غرض

کیا باجی بھیجتا وہ نکھٹو بھلا مجھے
سنتے نہ پوچھی بات کبھی در کنار خط

ٹکڑی سے کے چور کا نہیں کرتا ہو کوئی خون
مہندی کے چور پر کیا تم نے ستم غارت

گالی جو منہ سے نکلی ہو کاٹو مری زبان
تہمت لگا رہی ہے تمہاری حرم غلط

ہر گھڑی آکے بیٹھ جاتی ہے منہ پہ مٹھی ہے
ایک دو بار کروں گی نہ کہ سو بار لحاظ

نرگس سفید پوش تھی بیمار ہو گئی
اوڑھا دوپٹہ اوڑھ کے سوسن بجائے باغ

ایسی ہرجائی سے بی کون نباہے خانم
کبھی مجھ پر کبھی تجھ پر ہوئے مرزا عاشق

جو نہ ماں باپ کا اپنے ہو مالی پیچ ہو
اوہی کیا ہوگا وہ جورو کا نگوڑا عاشق

بنو لذت اٹھاؤ گی آگے
اب تو نام خدا ہوا ہے عشق

چلتا نہیں ہے زور محبت میں اس سے کچھ
عزت یہ جس کی چاہے نگوڑا اتارے دل

لاؤ دیتی ہوں آتا ہے دیدے نکال دل
کیا خوش ہوا ہے دیکھ کے تیرے اشارے دل

ساس ہوں پر میں خدا لگتی کہوں گی بیٹی
پاس مرزا ترا امراد ہو کرتے ہیں

تماشے کرتی یہ بچی تمہاری پھرتی ہیں
میں صدقے دیکھو اتنی پیاری پیاری تھی

ملا تھا ایک ہی ہیلی کو اے دوا جنوں
ہزاروں اس سے تو دشمن ہمارے پھرتے ہیں

الٰہی جو مرے بدنام میرا نام کریں
انہیں کی شوخ بڑی کہ مرے غلام کریں

اکیلی جاؤ نہ مسجد میں طاق بھرنے کو
نگاہ جان تمہیں جھک کے ہم سلام کریں

عجب طرح کی سختی دیکھے اس زمانے کے
نگوڑے سوم کی پگڑی اتار لیتے ہیں

بجلی گرے الٰہی مہاجن کی جان پر
کیا پڑ گئیں کھٹائی میں کانوں کی بالیاں

سنتی ہوں ایک روز بلاتی ہیں مردوا
کیا نیک بخت ہیں مرے ہمسائی والیاں

جیسے بھاتے ہیں مجھے باجی تمھارے ہاتھ پاؤں
گورے گورے ننھے ننھے پیارے پیارے ہاتھ پاؤں

مرشد کھاتی ہوں میں قسموں کلاموں کی قسم
تیرے بن پوچھے گئی ہوں جو اک بار کہیں

جا کے سسرال میں دلھا سے صنم قائم تو
پہلے ہی روز نہ کر بیٹھیو اقرار کہیں

میری ماں نے نکالی ہے نئی مجھ سے چھیڑ
بھیجتی ہوں کہیں جاتی ہے یہ مردار کہیں

اپنے گھر والے کی وہ جا کے خبر تو لیویں
اُن کے بہلاسے زیادہ نہیں مکار کہیں

بیاہ قائم کا تو کرنے کو تیار ہوں میں
باجی کوڑی کا سہارا نہیں لاچار ہوں میں

میں پڑی کیا اہیر کے گھر میں
پھنس گئی بوڑھی بھینس دلدل میں

ایجان لکھنؤ سے نکل جاؤنگی میں اب
اوقات مجھ نحوست کی ہوتی بسر نہیں

سید اکبر کہے ہیں بوا کائنات میں
لیکن سمائی سب کی ہے شیخوں کی ذات میں

مری ہی جاتی ہو تم مجھ سے عقلمند نہیں
یہ بات چیت میں لقمان سے بھی بند نہیں

نہ شوق گانے کا مجھکو نہ ہے بجانے کا
اسی سے حسن مرا مرد سے پسند نہیں

بڑھیا کے بوڑھے جو چاہو نہ مرد کیا مریں
اتری ہوئی کمان میں بے پر کے تیر ہیں

آنسو نکلی جب جھڑی لگتی ہے دم بھر تا ہے یہ
دل لنگڑا بن گیا جھینگر مگر برسات میں

ڈھونڈھتی پھرتی ہیں ہمائی کرایہ کا مکان
چھاونی کا گھر نہ ملتی بیچ کر برسات میں

خصم چھڑا کے موے دل نے یار کروایا
کیا اسی نے ہے بے راہ راہ سے مجھکو

نہ جاؤ تم پڑوسی لے بنے بھیجو مرے بھائی کو
لگے ہیں درد مرتی ہوں بلا لائے وہ دائی کو

انھی کو ڈر دیکے ایسی خلانی کی ہاتھوں میں
کر کے کر دیا غارت مری انگیا کے بازو کو

جیان صاحب ہیں نہ ہونے دونگی بچی کو سوار
رن کو کیا موتے تھے لائے ہو سواری رات کو

سوت کی بھتی نہ کھائی پانچ دنیا سے چلی
دل میں میرے رہ گئے افسوس یہ ارمان دو

پھٹکار کیسے منہ پہ برستی ہے چل چھچھ
منھ اپنا دیکھ مردوے منگوا کر آئینہ

مسجد کا طاق بھرنے نگوڑی چلے گی کب
کیا فرض ہو دو گانے کو کرنا سنگھار کچھ

خوب گن سیکھے کواری کھیلکر جیش کے ساتھ
رات کو مسی ملی اندھیر ہے سوسن کے ساتھ

.....

دوسری مجھ سی لٹے صدر میں چھاتی پھٹ جائے
میں بھی برباد ہوئی اس مجھے ناشاد کے ساتھ

شمع افروز کی بی چھایا تو پھر پھیتی کہوں
تیل پانی کے کنول آج ہیں روشن دیکھے

یہ درشہ کا جھگڑا ہے سنو چھوٹی ممانی
دو چار بڑے اپنے ہوں دو چار تھلے

ڈر لگے کیونکر نہ ان دونوں کی مجھکو چال سے
چھوکری اندھی ہو لڑکا کم نہیں ہو نچال سے

ریختی پڑھ کے بڑھاپے میں سٹکتا ہے بوا
جان صاحب کی ابھی دیکھو حماقت نہ گئی

تانبے کا تار لانا نہ اکدن ہوا نصیب
سونے کا لے گئے مرا زیور اتار کے

حلوائی کی دکان کی پھیتی نہ کیوں کہوں
دن رات آسمان مٹھائی کا تھال ہے

کیا ہوگا گل ہزار کھلائے موا بہار
میں پات پات ہوں وہ اگر ڈال ڈال ہے

کھلوا نہ ٹھوکریں موئے دل دربدر مجھے
رسوا نہ کر ذلیل نہ کر گھر بہ گھر مجھے

باھن یہ مجھسے کہتا ہے پوتھی بچار کے
پھندے میں تم پھنسو گی اب تین چار کے

منگا دو مجھے ڈولی سیکے کو جاؤں
تمھارے لئے کچھ برائی نہ ہوگی

جعفر — مرزا مومن بیگ نام تھا۔ نواب عمدۃ الملک امیر خاں کے (جو عہد عالمگیر کے ایک بڑے امیر تھے) متوسلین میں تھے رفتہ رفتہ تقرب شاہی حاصل کیا اور محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں منصب سہ ہزاری پر فائز ہوئے۔ نہایت ذکی الطبع اور ذہین تھے۔ طبیعت میں ظرافت کا جوہر خداداد تھا۔ دانستہ نہ کہتے تھے تب بھی وہ مذاق پر متین سے متین شعر سے بھی آشکارا

ہو جاتا تھا۔ یہ تین شعر اسی قسم کے ہیں۔ جو نمونہ کلام کے طور پر درج کرتا ہوں زیادہ کلام نہ مل سکا مجبوراً انہی پر اکتفا کی گئی۔

بلبل کو باغباں سے رہے نت کھٹا پٹی — تا صبح کیوں نہ دے چمن میں چٹا پٹی
آ مجھ نین میں بس کہ بنا ہے ترے لئے — یہ خیمۂ سیاہ و سفید و پٹا پٹی
پروے کیوں نہ ہر اک بات میں موتی وہ جھنتیسی — صفا دانتوں کی روشن سب مسی میں تیسی

جعفر زٹلی ۔ میر جعفر نام تھا۔ اسمیں اختلاف ہے کہ دہلی کے باشندے تھے یا نارنول کے۔ بہر صورت عہد عالمگیر کے دور آخری کے نامی گرامی ہزال تھے۔ اور ہزال بھی اس زور کے تھے کہ اُس زمانہ کے بڑے بڑے جید اور مشہور شعرا بھی آپ سے کانپتے۔ آپ کی حالت یہ تھی کہ جس کسی امیر یا رئیس کے ہاں ملنے جاتے تو پہلے ہی سے ایک کاغذ پر میزبان کی مدح اور ایک پر ہجو لکھکر پاس کلہ رکھ لیتے۔ منزل مقصود پر پہونچکر حسب دلخواہ خاطر تواضع ہوتی کچھ اُن کی نذر بھی کیا جاتا تو نعم المراد۔ ورنہ غصہ کے تھرمامیٹر کا پارہ چڑھ جاتا تھا۔ وہ ہجو کا پرچہ نکالکر پہلے اس شامت زدہ کو خود سناتے اور پھر اسکی اس زمانہ کی رسم کے مطابق اشاعت کرکے اس غریب کی اتنی رسوائی کرتے کہ منھ دکھانے کے قابل نہ رہتا۔

ایک مرتبہ ملا عبدالقادر بیدل سے ملنے گئے۔ وہ ایک قدیم وضع کے درویش نیک سیرت ساکت خوشمزاج شاعر خوش فکر تھے۔ آپ نے پہلے ازراہ کرم نوازی پہلے تو کچھ بیدل کا کلام سُنا۔ بلبیت محظوظ ہوئی تو خود بھی کچھ کہنا چاہا۔ بیدل نے اجازت دیدی۔ آپ نے کچھ مدح کرنے کا قصد ظاہر کیا۔ بھلا ان کو روک کون سکتا تھا کسکی شامت آئی تھی بیدل نے اشارہ سے یہ بھی باوجود ناخواستہ منظور کرلیا۔ آپ نے کچھ جزیہ شعر پڑھے جن میں کا ایک مصرع یہ بھی ہے

ع ۔ چہ عرفی چہ فیضی بہ پیش تو ہیش ۔

بیدل ایک متین بزرگ تھے سنتے ہی عرق شرم میں نہا گئے اور کچھ دے دلاکر

اِن کو ٹال دیا۔

میر جعفر نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ چونکہ وہ بھی ایک پرانے ہزال تھے لہذا آپ نے وہیں سے یہ رنگ بھی اخذ کر لیا۔ اور اس میں ایسے کامل الفن ہوئے اور اُن کی شاعری اور ہزالی کا ایک خاص معیار قرار پا گیا۔ جسکے لئے بہت سے نقادوں کا خیال ہے کہ انھیں کے ساتھ ختم ہو گئی۔ کیونکہ جہاں اُس میں فحش اور لایعنی باتوں کا ہجوم ہے اور کانٹے کی طرح پڑھنے والے کی آنکھ میں کھٹکتی ہیں اسی طرح اسمیں بعض نظمیں ایسی ہیں جو ظرافت کے ساتھ اخلاق و انسانیت کی تعلیم کا اعلیٰ نمونہ ہیں مگر افسوس کہ ہزل گوئی کی شہرت نے اُن جواہرات کو ماند کر دیا۔ اور صرف ہزل میر جعفر کے نام سے مخصوص ہو گئی۔ جیسا کہ بیان کیا گیا کہ انھوں نے ابو اسحاق اطعمہ سے ابتدائی تعلیم کی کتب پڑھیں۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ ابو اسحاق پہلے استادوں کے موافق ایک جابر استاد تھے۔ ہر وقت لڑکوں پر تشدد کرتے تھے۔ لڑکے اس روز کی نادر شاہی سے عاجز آ گئے تھے ایک مرتبہ اپنے استاد بھائی میر جعفر زٹلی سے شکایت کی۔ یہ بھی استاد کے ستم دیدہ اور آفت کشیدہ تھے فوراً انتقامی کارروائیوں کے واسطے تیار ہو گئے۔ قلم کا چانسناں حربہ سنبھالا۔ اور استاد کے دل پر وہ کاری زخم لگائے جنھیں کوئی مرہم کبھی نہ بھر سکا۔ یعنی پہلے تو ایک نظم "بھوت بڑا رانامہ" کے عنوان سے لکھی پھر اور کچھ لکھا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مولوی صاحب کو خبر ہوئی۔ اور اچھی طرح تحقیقات کرنے کے بعد میاں جعفر کو بیک بینی و دو گوش اپنے مکتب سے نکال دیا۔ میر جعفر نکل تو گئے۔ مگر سمند ناز کو اک اور تازیانہ نہ ہوا۔ گویا بارود میں آگ لگا دی فوراً ایک کچھوا نامہ لکھا۔ جسمیں مولوی صاحب کی جی کھول کر ہجو کی گئی تھی۔ اس کے ابتدائی بند یہ ہیں۔

کہتا ہوں کچھوے نامے کو نادر سخن ستی — سن مرحبا کہو گے مجھے اس بچن ستی
مشہور ہے یہ بات کچھوے زمن ستی — کچھوے کو شیخ جی نے دغا دی تھی فن ستی
تس کا کروں بیان سنو جان دھن ستی

یہ کچھ اتنا ایسا مشہور ہوا کہ شہزادہ کام بخش کے کانوں تک پہونچا اور میر صاحب طلب ہوئے۔ چونکہ نظم میں ہجو کے ساتھ ہی ظرافت کی خوشگوار چاشنی بھی موجود تھی۔ اسی کے اثر سے خوش ہو کر شہزادہ نے مورچھل کی خدمت میر جعفر کو دیدی۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جعفر زٹلی نہایت اچھے شاعر ہیں تو شہزادہ نے امتحاناً ان سے ایک غزل کی فرمائش کی انھوں نے تعمیل ارشاد کی اور غزل کہی جس میں کے ایک دو شعر یہ ہیں۔

از عاشقی بیچارہ مکن تخرہ و گھونگھٹ — تا کے بود ایں گرمی بازار جو ہے تو

تا چند کنی عشوہ بریں رنگ گلابی — یہ رنگ پتنگے کا اوڑن ہار جو ہے تو

شہزادہ نے غزل پسند کی اور اسکی بدولت میر صاحب کی شہرت ایک سے دو چند ہو گئی مگر خالی شہرت سے کام نہیں چلتا ضرورت تھی کہ نقد و جنس سے کچھ ان کی امداد کی جاتی مگر ایسا نہ ہوا۔ میر جعفر کا دل تنگ ہو گیا اور اب ان کو مورچھل کی خدمت بار ہو گئی انھوں نے فوراً اس خدمت کی ہجو لکھی جس کے چند شعر یہ ہیں۔

توبہ ازیں وسوسۂ مورچھل — دمبدم از دمدمہ جاں در خلل

توبہ ازیں مسکن روزن فراخ — روز و شب آوازۂ پھس پھس چوں پٹاخ

توبہ ازیں مسکن پر شور و شر — مرحلۂ پر خطر و خوف و ڈر

پر خس و خاشاک بہ سر ڈگری — نزد خرد بہتر ازیں نوکری

جعفر ازیں کوچہ دریں مورچھل — شرم حضوری بکن و لوٹ چل

شہزادہ کو جب اس ہجو کا حال معلوم ہوا تو بہت ناراض ہوئے۔ جب ان کو یہ خبر ہوئی تو انھوں نے شہزادہ کو نے ڈالا ہجو لکھی اور دل کھول کر لکھی ایک شعر یہ ہے۔

زہے شاہ والا گہر کام بخش — کہ عجبی بزد کرد پیچی دبخش

اس کے بعد نوکری سے بیزار ہوئے اور دکن کی طرف چلدیئے مگر بدقسمتی ہر جگہ ساتھ تھی یہاں بھی روزگار نہ ملا تو جھنجھلا کر یہ غزل کہی۔

تنہا شدی اندر سفر کہ جعفر اب کیسے بنے — افتادی اندر بحر و بر کہ جعفر اب کیسے بنے
در بیکسی تا بودہ با درد و غم آلودہ — مفلس شدی و در بدر کہ جعفر اب کیسے بنے
از ہجو آن سلطان خود کز پریشان حال خود — درماندہ بے بال و پر کہ جعفر اب کیسے بنے
اسباب غم بر داشتی تخم فلاکت کاشتی — اکنوں کجا آں سیم و زر کہ جعفر اب کیسے بنے

اتفاق سے جس زمانہ میں یہ پریشان روزگار دکن کی خاک چھانتے ہل ہانکتے کدوں بھالتے پھر رہے تھے اسی زمانہ میں نواب کوکلتاش خاں ستارہ کی مہم پر گئے۔ جعفر نے اس موقع کو غنیمت جانا اور شہر کا ایک رقعہ لکھا نواب پر بڑا اثر پڑا۔ اپنے یہاں ملازم رکھ لیا مگر صرف کھانا ملتا تھا۔ نہ کپڑا مقرر ہوا۔ اور نہ کپڑا بنانے کے لئے کوئی پیسہ ملا۔ مجبوراً ایک منظوم عرضداشت لکھی ؎

زخان جہاں شاہ گیتی پناہ — زبیداد جواں ز ظل داد خواہ
جواں پڑ گئیں در قباد ازار — نئی آئی مشکل بہ دلی دیار
رکت کی جویں میری پیاسی پھریں — کہ حیران دہلکان مجھکو کریں
لہو میرا پی پی کے موٹی ہوئیں — بغل بیچ دشمن مری ہو رہیں
جواں مارتے مارتے شب گزشت — ولیکن جویں از میاں کم نگشت

خیر اتنا ہوا کہ یہ عرضی منظور ہوئی اور کپڑے بنوا دئے۔ مگر چند روز بعد اور اسباب پیش آئے اور یہ وہاں سے بھی جدا ہو گئے۔

میر صاحب کی زندگی نہایت مفلسی اور مفلوک الحالی پریشان روزگاری میں بسر ہوئی۔ مگر وہ زمانہ کی زبردستیوں سے عاجز آکر کبھی چیخ نہ اٹھتے تھے۔ بلکہ نہایت آزادی اور خوشدلی سے ان تمام سختیوں کو برداشت کرتے تھے۔ اسیطرح اُن کا مشغلہ شاعری خاص کسی کی مدح و ذم کا پابند نہ تھا۔ وہ ذاتی خصومت کی بنا پر کسی کی ہجو نہیں کرتے تھے بلکہ بلکہ ہمیشہ اس سے تفریح و انبساط مقصود ہوتا تھا۔

اُن کی ظرافت اگرچہ ہزل کے درجہ پر پہونچگئی ہے۔ اور خوش طبعی مسخراپن کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مسخراپن ہو ظرافت ہو ہزل ہو کچھ ہو اس درجہ کی ہے جس کا جواب بڑے بڑے اہل کمال نہیں دے سکتے۔ اُنکے ایک لفظ میں ظرافت اور خوش طبعی کا ایک جہان پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ جیسے مزاج وخندہ روئی کے خوگر ہیں اتنے ہی اخلاق کے دلدادہ ہیں اور اخلاق کے نکات بھی کبھی مولویوں کی طرح بیان نہیں کرتے بلکہ اس میں بھی اپنا انداز خاص قائم رہتا ہے۔ جو کچھ کہتے ہیں ایسا کہتے ہیں کہ دلپر مسرت اور فرحت کی بارش ہونے لگتی ہے۔ اسکی وجہ خاص یہ ہے کہ گو وہ ایک مسخرے ہیں۔ رنگین مزاج ہیں۔ مگر علم وفضل وفنون سے ویسے ہی آشنا ہیں جیسے اس زمانہ کے باکمال ہوتے تھے۔ عربی اچھی طرح جانتے ہیں۔ فارسی کے ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ اس کے ماہر کامل معلوم ہوتے ہیں اور اس بے تکلفی سے اس کو استعمال کرتے ہیں کہ یہی اُن کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

میر جعفر کے ایسے واقعات جنپر ان کی بہت سی مایۂ ناز نظموں کا دار ومدار ہے بے تعداد ہیں جن میں سے ہم چند لکھتے ہیں۔

لطیفہ جس زمانہ میں میر جعفر کولکتاش کے یہاں رہتے تھے ایک روز یہ اتفاق پیش آیا کہ مرزا سلیمان کی اہلیہ مرزا سے ناراض ہوگئیں۔ میر جعفر کو خبر ہوئی۔ یہ جانتے تھے کہ مرزا کی بیوی اونچے گھرانے کی عورت ہے اور یہ دہیل ہیں انھوں نے چند قطعے لکھ ڈالے جو ہجو بھی ہیں سامان تفریح بھی۔ پند ونصائح بھی۔ عزت بھی۔

جعفر اور جہاں معاذ اللہ ہر کہ محتاج نان زن باشد
نتواند کہ ضبط بنشاند گرچہ عفریت و اہرمن باشد

جعفرا مفلسے کہ زن بہ کند آہ آں زن زنست مردک خر
آرزوے دلش بہ دل ماند خود بپے نان خراب و رسوا تر

بزن کردن در افتادم بگرداب پریشانی — دل و دین رفت و نسیان شد رہ و رسم مسلمانی
بلے خوش گفتہ مصرع جعفر این از رہ فطرت — چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

مرزا سلیمان کو جب یہ خبر ہوئی تو بہت بگڑے اور کوکلتاش خاں کے پاس پہونچے۔ میر جعفر کی سخت سے سخت شکایت کی مگر انھوں نے معاملہ کو ہنسی میں ڈالدیا اور ٹالدیا۔

ایک موقع پر کوکلتاش خاں نے غنیم کو سخت شکست دی۔ اور بہت کچھ مال غنیمت پایا۔ جب مال غنیمت تقسیم کیا تو آدھا مال خزانۂ شاہی میں بھیجدیا اور آدھا سپاہیوں میں تقسیم کردیا یہ بیچارے سپاہی تو تھے نہیں کہ کچھ ان کو بھی ملتا۔ میر جعفر کو سخت رنج ہوا۔ نواب کے پاس پہونچ کر کہا کہ مجھکو بھی حصہ دیجئے۔ کہا تم سپاہی نہیں۔ مرد میدان نہیں پھر حصہ کیسا۔ خیر اُسوقت تو جعفر خاموش ہوگئے مگر دوسرے دن اپنا تصنیف کیا ہوا رستم نامہ لیکر پہونچے اور نواب کو سنایا۔ جو یہ ہے۔

من آں رستم وقت رزمیں تنم — کہ دہ پا پڑاز مشت خود بشکنم
کنم روزن اندر چپاتی بہ تیر — برآرم دمار از سر مور تیر
کشم گردن پشہ را در کمند — مگس چند را من درآرم بہ بند
بپوشم اگر جوشن جنگ را — ہزیمت دہم پسوے لنگ را
بہ صد حملہ بال مگس برکنم — قطار دو صد مور برہم زنم
اگر برزنم پنجہ در دال جہات — فتد ہیبت و خوف من در جہات
بدوزم برمح سناں دو دو را — شگافم بہ چنگال فالود را
دریں دور ثانی رستم منم — بتا سا بہ گرز گراں بشکنم
بہ ہنگام خشم و تردد تلاش — کنم غرق انگشت در دال آتش
من آں شہسوارم کہ روز نبرد — برآرم بہ یکشت از پنبہ گرد
چنان بشکنم رستہ خام را — کہ سازم خجل رستم و سام را

من آنم کہ گر اسپ جولاں کنم — چہل خانۂ موش ویراں کنم
چو قصر سازم از خنجر آب دار — بحلوا و جغرات ہنگام کار
اگر بر کشم تیغ تدبیر را — ببرّم سر شیر تصویر را
تہمتن منم گر کشم تیغ خشم — تراشم بہ ضرب یک موئے پشم
نہ آنم کہ بہ گریزم از گوز خر — بہ گوزش کنم سینۂ خود سپر
بہ نام و نشان جعفر دربند — چو گوز خر آوازۂ من بلند
فتد لرزہ از من در اندام شوم — کنم زیر پیوستہ در کام شوم
سر ممسکاں بر سر دار بہ — نہ بر دار بہ بلکہ در غار بہ
تہ سد دل شوم از شاعراں — چو از باز و شاہیں دل طائراں
چو بیند مرا شوم تھر تھر کند — چو از گربہ مرغے کہ کر کر کند
اگر بنگرد صورت من بخیل — گریزد چو از گرگ گاں راغ ذیل
بیا جعفر ایں قصہ کوتاہ کن — بہ سمت جناب سخی راہ کن

اتفاق کی بات ہے کہ میر صاحب جب یہ فخریہ رجز سنا رہے تھے اُسیوقت خبر آئی کہ مغلیہ فوج مغلوب ہوکر دشمنوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوگئی کوکلتاش خاں کو بڑا صدمہ ہوا۔ اور ایسے بگڑے کہ میر صاحب کو نکلوا دیا۔ اسطرح میر صاحب کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ دو نظمیں لکھیں جس میں سے ایک میں اپنی شان استغنا کا ذکر تھا۔ دوسری میں نوکری کی برائیاں تھیں چنانچہ دوسری نظم یہ ہے۔

بشنو بیان نوکری جب گانٹھ ہوئے کھوکری — تب بھول جاوے چوکڑی یہ نوکری کا خبط ہے
ہر روز مجرا اُٹھ کریں درکار یکسو گر پڑیں — بے شرم ایسے لڑ مریں یہ نوکری کا خبط ہے
دس بیس مجرے میں گئے دس بیس بخشی نے لئے — دس بیس میں جھگڑے کئے یہ نوکری کا خبط ہے

ایک مرتبہ میر صاحب کے یہاں چوری ہوگئی اور کچھ بھی باقی نہ رہا غصہ میں یہ نظم کہی۔

دلاور مفلسی سب سے اکڑ رہ — یہ عالم بے کسی سب سے اکڑ رہ
چکن اور زر کا چیرہ پشم کر لو — پھٹی پگ باندھ کر سب سے اکڑ رہ
اگر سٹلور نباشد کسکو غم ہے — لنگوٹا باندھ کر سب سے اکڑ رہ

ایک دفعہ لوگوں نے صلاح دی کہ کو کلتاش خاں سے عفو جرائم کی درخواست کرو انھوں نے ہرگز منظور نہ کیا اور یہ نظم لکھی۔

اے تو نگر ایں محل آلشورہ تا بکے — شربت قند و گلاب کورہ کورہ تا بکے
کج کلاہ و قرب شاہی عز و جاہ و مال و ہ — پاندان نقرہ و زریں کٹورہ تا بکے
کل شئی ھالک جعفر زبان رابند کن — این سخنہائے زٹل پھک پھکوڑہ تا بکے

بادشاہ ذیجاہ اورنگزیب کو جب دکن میں فتح حاصل ہوئی تو آپ نے ایک ظفر نامہ لکھکر قصد کیا کہ بادشاہ کی خدمت میں پیش کریں مگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور دربار تک رسائی نہ ہوئی اسکے بعد یہ توکل کرکے بیٹھ رہے دو چار شعر ظفر نامہ کے یہ ہیں۔

زہے شاہ اورنگ و ہانک بلی — کہ در ملک دکھن پڑی کھل بلی
برآمد عسکر بعد و علوم و دھام — کہ ہل چل پڑی بر سر روم و شام
دریں پیر سالی و ضعف بدن — بجائی دھما پد کڑی در دکن
زہے شاہ شاہاں کہ وقت وغا — نہ ملد نہ ٹلد نہ جنبد زجا
کمر بستہ ہشیار میدان پہ — شب و روز تیار گھسان پہ

اورنگ زیب کی وفات پر سیر صاحب نے دو مرثیے لکھے ایک نہایت متین ہے دوسرا اُن کے رنگ کا ہے جسکے دو شعر یہ ہیں۔

اورنگ زیب مر گئے نیکی جگہ میں کر گئے — تخت اور چھپر کھٹ دھر گئے آخر فنا آخر فنا
مدا خدا کی یاد میں رکھا اورنگ آباد میں — غبار گئیں بغداد میں آخر فنا آخر فنا

اعظم شاہ کی تخت نشینی پر بھی ایک نظم ایسی ہی لکھی۔ مگر بے نتیجہ رہی۔ آخر عمر میں یہ رنگ

ہلکا ہوگیا تھا۔ اور بجائے زٹلیات اور شوخیوں کے متین مضامین اور پیرانہ جذبات زیادہ ہوگئے اگرچہ طرز بیان وہی تھا مگر پھر بھی بہت فرق محسوس ہوتا ہے یہ دو قطعے اُسی رنگ کے ہیں۔

جعفرا بر سرِ عروسِ جہاں　　چند پاپوش و چند کہلہ بزن
زانکہ ایں باکسے نکرد وفا　　بر ہمہ نقد و جنس ٹلہ بزن

تذکرہ خمخانۂ جاوید میں لکھا ہے کہ جب اعظم شاہ تخت نشین ہوئے تو شعرا کے ساتھ میر صاحب نے بھی سکہ نظم کیا اور وہ نہ صرف بادشاہ کو پسند ہوا بلکہ خاص و عام کو پسند آیا۔ بادشاہ نے انعام میں خلعت فاخرہ۔ اور ہاتھی۔ اور ایک لاکھ روپیہ دیا۔ مگر ان کے استغنا کا یہ عالم تھا کہ گھر پہونچنے بھی نہ پائے اور تمام روپیہ راستہ ہی میں صرف کر دیا۔

میر صاحب کے کلیات میں اگرچہ فحش بہت زیادہ ہے پھر بھی وہ انواع و اقسام ظرافت نظم و نثر سے مملو ہے چنانچہ

(۱) گفتگو نامہ نثر جسمیں اردو کے محاورات اور ضرب الامثال کا محل صرف نہایت خوبی سے بتایا گیا ہے۔

(۲) رقعات نثر جنمیں تلازمے۔ اور طرح طرح کی شوخیوں کا وہ عالم ہے کہ دیکھنے والا دنگ رہجاتا ہے۔

(۳) عدالتی تحریریں نثر اپنے خاص الخاص رنگ میں۔ جنمیں تلازمے۔ ظرافت شوخیاں اپنے اپنے محل پر سبھی کچھ ہیں

(۴) شرارت نامہ جسکو شاہی یادداشتوں اور تزک کے طرز پر مرتب کیا ہے۔ اور اس میں ضرب الامثال کو اس صورت سے درج کیا ہے کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔

(۵) مصطلحات زمانہ۔ یہ لغت کے طریق پر ہے۔ زمانہ کی رسم و رواج اور ضرورت کیموافق اسمیں الفاظ کے معانی بیان کئے ہیں۔ اگرچہ اسکو دیکھکر میر صاحب کے کمال ظرافت پر ایمان لانا پڑتا ہے مگر اسکی ایجاد کا سہرا غالباً عبید زاکانی کے سر ہے۔ اُنکی لغت بھی اُن کے کلیات میں

شامل ہے۔ ان کے علاوہ اور اقسام کی نثریں بھی پائی جاتی ہیں۔

حصہ نظم۔ جس میں ظرافت۔ واقعات۔ ہجویات۔ رقعات۔ دستور العمل۔ پند و نصائح رجز۔ نسخہ جات۔ مسئلے۔ غزلیات۔ مورچھل نامہ۔ کچھوے نامہ مسدس۔ ظفر نامہ مراثی۔ سپیش نامہ۔ تضمین قطعات۔ اُردو فارسی سبھی کچھ ہیں۔ اور ہر ایک اپنے رنگ میں لاجواب ہے۔

اگرچہ اُنکا کلام اُن کے رنگ میں سراپا انتخاب ہے مگر ضرورتاً تھوڑا سا انتخاب پیش کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ قطع کرنے پر بعض ناظرین کوتاہ قلمی کی شکایت پیدا ہو۔

انتخاب دستور العمل نظم

ہر زن کہ باشد بنگجو۔ در چال ٹیکے مو بمو — دارد بہ شوہر گفتگو اس نار سے انکار بہ
جورو لڑاکا گر بود پر خوف و ڈر آگر بود — وہ گھر سدا ابتر بود اس گھر سے گنگا پار بہ
جو نار لچکے چال میں سسکی بھری چال میں — کالا تو ہے کچھ دال میں از قربہ او زنہار بہ
جو انڈ ہو کاجل کرے چوکے چندن پر من دھرے — چوڑی پہن مہندی کرے بر گرد نشتی تلوار بہ
گھوڑا جو اسواری نہ دے صاحب طلب پیسے نہ دے — بیٹا جو وہ یاری نہ دے ایں ہر سہ تن فی النار بہ
سسرا جو ہو دل تنگ جی مسک خدیش سنگ جی — داماد سے بیرنگ جی اس سے سگ مردار بہ

جعفر بہ بوستان جہاں دم غنیمت است — شادی نصیب گر نشود غم غنیمت است
دو پیازہ و کباب نہ باشد اگر ترا — زاں ساگ خام بجیہ شلغم غنیمت است
گر اسپ صفا نبود رو بہ کار تو — یک خچر گدھری پالم غنیمت است
آواز شیو برہ نرسد گر بگوش تو — آواز بول بیگم و ناخم غنیمت است
تربوز و خربزہ نبود گر میسرت — یک سبز پھانک کھیرا بالم غنیمت است

ہجو مرزا خدا یار بیگ

زہے قدرت پاک پروردگار — کہ مرزا خدا یار مارا پچھاڑ
کروں اب خبر شہرہ بازار کو — لگی آہ میری خدا یار کو
خدا یار پر صبر میرا پڑا — کہ تالاب پر یہ بکھیڑا پڑا
بدست حریفاں گرفتار شد — بہ پشت و سرش مشت و بیزار شد
چہ مرزا چہ رفتار و گفتار او — چہ آواز پیزار و دستار او
تڑاتڑ سڑا سر لگی لاگنے — مٹک چال مرزا لگے بھاگنے
پکڑ باندھ کر جب مرنڈا کیا — کشندا اس کا تال گنڈا کیا
در لیا چہ صورت چہ دستار او — چہ پاجامہ چوڑیاں دار او
چو ایں ماجرا جان بابا شنید — دوا دو دوا دو پیاپے رسید
زہے جان بابا شرافت مآب — کہ کوا چھڑایا لگڑ سے شتاب
جہاں میں کروں آج میں بوٹری — کہ گیدڑ کے منھ سے چھٹی لومڑی
خدا یار مسکیں دہا دہم کٹا — بلیا کے پنجے سے چوہا چھٹا

ہجو مادھو داس چوکی نویس

سگ لینڈی از وے نکو تر بود — کہ از عفت عفش مردرا ڈر بود

مدح شاہزادہ محمد کام بخش

سنو اے خداوند گیتی پناہ — توئی وارث و مالک تخت و جاہ
بدرگاہ تو ہر کہ کھٹ پٹ کند — خدایش بیک لحظہ چٹ پٹ کند

جو تجھکو برا من میں جیتا کرے — غپا غپ شپا شپ کے پالے پڑے
من از ضعف چوں چونی و بھوسیم — نہ چوری سرا فیل منگو سیم
مرا طاقت ٹکر او کجا است — تن و توش آنکس چو کالی گھٹا است

ایک مرتبہ قمر النسا بیگم نے میر صاحب کو اپنے دیوان کی معرفت تیس روپیہ انعام دلوائے اُس نے صرف پانچ دیئے باقی خود خورد برد کر دئے انھوں نے ہجو کہی جسکا یہ اثر ہوا کہ قمر النسا بیگم نے اپنے دیوان فتح علیخاں کو بہت ڈانٹا اور میر صاحب کو پورا روپیہ دلا دیا ہجو کا ایک شعر یہ ہے۔

دلائے تیس لیکن پانچ نکلے — فتح خاں کی الٰہی..... نکلے

مدح حسن معشوق

جعفر چہ بہی باشد دکس باغکی ہولا — بر حسن تو جبریل گرفتار چو ہے سو
با تیر انا کانی و برچھی تغافل — امروز مجھے مار نہ اے یار چو ہے سو

جوانی کے جانے کا غم

ذریغا کہ جوبن چلا روس کر — اَللّٰہ تَللّٰہ کا گھر موس کر
ارے ہائے جوبن چلا جائے ہے — چہ چارہ کنم ہائے رے ہائے رے
مرا عشق و اٹکھیل پن از تو بود — شب و روز الیل پن از تو بود
طفیل تو بود ایں کلیل و چھلنگ — بمیل تو بود ایں الول و ترنگ
جوانی ز من چوں شنید ایں بیاں — نکو گفت در گوش ہوشم عیاں
کہ اے کل پڑو پنج ہرو کہنہ پاں — توئی میزبان و منم میہمان
ندانی کہ مہماں نگیرد قرار — بجز ایک شب یا دو نادو سہ چار

برو صبر کن با بڑھاپا بساز — ازیں پس مکن پایہ غفلت دراز
بڑھاپا بود مغفرت خواہ تو — رود تا لب گور ہمراہ تو
جوانی و جوبن پڑو بھاڑ میں — کہ آخر ٹھکانا اسی غار میں

تصوّف

در قیام و قعود از کشش نفس مخور غوطہ — در خدمت حق بازی کنکوہ نباشد
دارد خبر از لذت چپ چاپ عبادت — آنکس کہ شکم سیر بہت کہوہ نباشد
برتہیہ تتاتہیہ تتاتہیہ مشو دل — تا روئے تو فردا چو سیہ توہ نباشد
بے سود بود توبہ بہ شیبی و بہ پیری — منظور چنیں توبہ بچھلوہ نباشد

مدح عالمگیر

زہے حکمت شاہ اورنگ زیب — کٹا دے لڑا دے بہ فن و فریب
نقارے دماموں سے دھول دھول کیا — بہ سرناو کرنلے پھوں پھوں کیا
عجب اوٹ ایں کھوٹ بیجا پوراست — کہ ہر برج او مثل بہنہ سراست
چہ گویم ازیں قلعۂ بے لگاؤ — کہ انگشت رانیست در وے لگاؤ
لگا کوٹ کو مورچہ جا سے کر — نکالا سکندر کو انگلا سے کر
زہے بادشہ اوجڑ دو پوجبوت — بلی و ولی نعمت چار پوت
ازیں ہیں بیٹے نپٹ ناخلف — پسر خود خلف بہ وگرنہ تلف
وگرنہ چہ یارا حسن شاہ را — کہ گرداند امرے شہنشاہ را
مگس را چہ طاقت کہ با شاہ باز — بہ ہیچا درآید بود کینہ ساز
چہ پشہ کہ با شیر پہلو زند — چہ پسو کہ با اژدہا پہو زند

چہ خشخش کہ باز ہرہ و مشتری — بہ نخوت زند دعوئ ہمسری
چہ گیدڑ چہ لمڑی بہ پیش پلنگ — چہ جھینگر چہ مچھی بہ پیش نہنگ
چہ جٹمل کہ دعوای رائی کند — چہ کھٹمل کہ پرچار پائی کند
چہ قطرہ کہ سر بار دریا شود — چہ ذرہ کہ اغیار بیضا شود
چہ جھینگر کہ بر کوہ چکر زند — چہ مینڈک کہ بر فیل ٹکر زند
چہ جمشید شوزہ چہ عبد الرؤف — کہ دیکھے مٹا تھوک سے چوں حروف
چہ مدناجی پنڈت چہ مرزا خلیل — بیک دھار پیشاب گردد ذلیل
در آفاق بسیار چکر زدم — بہ ہفتاد و دو فرقہ ٹکر زدم
بایں حسن و سیرت چو تو دلنواز — ندیدم دریں سیرگاہ مجاز

سپیش نامہ

حضور جہاں شاہ گیتی پناہ — زبیداد جواں ڈٹل دادخواہ
جویں پڑ گئیں در قباؤ ازار — نئی آئی مشکل بہ دلّی دیار
آدھی رات تن بیچ اٹھی کلبلی — چو دیدم کہ فوجاں جوانکی چلی
لڑائی پڑی جواں سے وقت رات — جواں کا چلا منھ چلا میرا ہات
جواں مارتے مارتے شب گذشت — ولے یک جواں از میاں کم نگشت
کڑوروں جویں اور اکیلا منم — دونوں ہاتھ سے تا کجا میزنم
کہ در رقبہ ایں قباو ازار — پھروں کھیلتا میں جو دوں کے شکار
بڑا پہلوان است افراسیاب — کہ از زور جواں خورد پیچ و تاب
جو را کاس جواں کند ترک تاز — شود سرنگوں طرۂ طرہ باز
جواب افضل خان صدر الصدور — جواں مارنے میں نہ رکھیں شعور

محمد امین خاں بڑے سارو ھول — جو ال سے گئے چوکڑی مار بھول
جو شہ داد خاں جی بڑے شرع دار — یہ پیش جواں کھول ڈاریں ازار

جوانی بگزرد در عسرت حال — بہ پیری پیش آید دولت و مال
بنزد جعفر مسکیں سخندان — بداں ماند کہ پوسہ بعد انزال

جعفر زرکوب اصفہان کے رہنے والے تھے۔ بے انتہا ہزال اور مسخرے تھے مگر یہ دو شعر مل سکے۔

از خرام آن صنم تنہا نیاید از من آب — میکشد زاندازہ یکسر غربیلہ از روئیں آب
چوں برد حاصل کس از وصلش کہ ہیچ آسیا — سے جہاند از من او در حالت کردیدن آب

جگت ۔ جگت موہن نام ہے الہ آباد کے رہنے والے قوم کھتری۔ سے ہیں قریب قریب ۳۲-۳۳ سال کی عمر ہوگی پہلے ریلوے کے دفتر میں ملازم تھے اب بینک میں ملازم ہیں۔ شاعری کا ابتدائی عمر سے شوق ہے اور اب بہت اچھی ظرافت کہتے ہیں اگرچہ ظرافت میں پختہ مشقی۔ اور مراعات النظیر ضلع جگت نہیں پھر بھی اشعار نہایت شگفتہ ہوتے ہیں۔ بعض بعض ظریفانہ گلدستوں میں آپ کا کلام چھپ چکا ہے۔ بعض رسالے بھی آپ نے ترتیب دیئے جو طبیعت کے لگاؤ کے موافق تمام ظریفانہ رنگ پر مبنی تھے انھیں سے آپ کے کلام کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ کلام میں بسبب عدم پختہ مشقی بعض بعض جگہ خامیاں پائی جاتی ہیں۔ مگر عیوب کو فروگذاشت کرنے کے بعد نہایت عمدہ انتخاب باقی رہ جاتا ہے۔ وہو ہذا۔

بڑے بھنسار ہولی کے جو بھیا ہمرے سن پائن — بلوا بھیج کے توا کے ہاتھن ہمکا بلوائن
بڑی کھاتر سے ہمرا ہاتھ پکڑا لیگئے بھیتر — بچھونا پھر رسوئیاں والے کمرے مان وہ بچھوائن

گلوری وان چاندی کا کہن بھگوا سے لے آؤ
دسا ور پان ال بھوجی سے کتھہ کھوب لگوائین

کچوری پوری ریڑی وال موٹھا دہی برفی شکر نے
پڑ کیا اور پیر یا گھر میں اپنے کھوب پکوائن

گرج ہم کہہ سکت نا ہیں ریڑی کھاتر بھی ہمری
ہمیں تو پیٹ بھر کے اچھا اچھا کھانا کھلوائن

بادل لنگا دوپٹہ بھوجی گائن ہاری بلوائن
ہماری گود ماں بٹھلاے کے کانا ئی سنوائن

عبیر اور بکا سب رکھا رہا بھر بھر کے تھریا میں
ملن ہمرے بھی گلو ماں اور لپٹ منھ میں ملوائن

منگا لس دارو مہوا کی بہت اچھی سی اک بوتل
بڑے ہی سوک سے بھر بھر کے کلھڑ ہمکا پلوائن

خدا غارت کرے اس کشتہ زن کو
نہ نکلا ٹاٹ کا ٹکڑا کفن کو

ہمہ تن یاس کر دیا تو نے
ستیا ناس کر دیا تو نے

دونوں رخسار عنایت کریں اک اک بوسہ
اب مرے واسطے سرکار سے چندہ ہو جائے

دہکا کے بوسہ لوں گلرخ رشک ماہ کا
چندہ وصول ہوتا ہے صاحب باؤ سے

جہاں بارش کمی کرتی ہو کیدو اپنے دہقاں سے
کہ اپنے کھیت پر لیجائے میری چشم گریاں کو

چشم نے میری اشکباری کی
کاشتکاروں نے کاشتکاری کی

ایک دن رو دیا پرائے امتحاں میں ناتواں
سو سمندر ساٹھ نالے لاکھ دریا بہہ گئے

میٹھی نظروں سے جو دیکھا مجھکو
کیا میں حلوہ ہوں مجھے کھائیے گا

نینوں سے نظر مجھسے لڑی ہے
لڑی ہے یا مری قسمت لڑی ہے

خبر دیتی ہے چٹکی ان بتوں کی
نئی فیشن کی یہ جیبی گھڑی ہے

پھنسے جاتے ہیں سب اسکی گرہ میں
تمھاری زلف ہے یا ہتھکڑی ہے

رخ انور پہ ان کے ہے عیاں خال
یہ بیڈ سب دودھ میں مکھی پڑی ہے

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
بت بے پیر پر لعنت خدا کی

مشک کر ناک پر انگلی کو رکھ کر — کہا ایجاد ہے میری ادا کی
غم ہجراں ہے یا پھاگن کی آتش — دلِ ویراں میں ہولی سی جلا کی
ہوا اس سیم تن سے جب سے سونا — اُسیدن سے مری چاندی کسٹا کی
چپت جھٹ مار دیتا ہے اچک کر — بُری عادت ہے یہ اُس بے وفا کی

نہ ہو کیوں کم سنوں کے شربت دیدار میں لذت — مزا دیتا ہے جب پانی تلک بھی کوزۂ بر تن کا
مثل لقا کے آنے لگا وہ ماہ لقا — اب جگت کا بھی اڑا ہوش کبوتر بنکر

کیا خلق میں آمادۂ بیداد ہیں مچھر — نمرود سے کچھ کم نہیں شداد ہیں مچھر
پیاسے ہیں یہ ظالم بنی آدم کے لہو کے — سفاک ہیں خونخوار ہیں جلاد ہیں مچھر
چاہیں جسے کاٹیں جسے چاہیں اُسے کھائیں — خالق کی خدائی میں بس آزاد ہیں مچھر
مارے کوئی لاکھ ان کو مگر فائدہ کیا ہے — مشکل ہے یہی صاحب اولاد ہیں مچھر
ہے گانے بجانے کا فن ایجاد انھیں کا — شاگرد جو دھاڑی ہیں تو استاد ہیں مچھر

ہے شب وصل بولو آہستہ — چارپائی بھی کان رکھتی ہے

مدت کے بعد پائی ہے ہمنے شب وصال — دو چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

روٹھا ہے مجھ سے میرا صنم ہائے باپ رے — کرنے لگا ہے چرخ ستم ہائے باپ رے
بالائے طاق وصل کی امید ہو گئی — چھاتی سے لگ کے بولا صنم ہائے باپ رے
جسطرح مٹ گئے ہیں یہ شاہان دہر سب — اوڑ ہیں گے کیا کفن یونہی ہائے باپ رے

جمیل تخلص — جمیل الدین نام — شیخ حفیظ الدین جو تھانیسر ضلع کرنال کے رئیس تھے ان کے فرزند ارجمند تھے — ابتدائی عمر سے شعر و شاعری کا شوق تھا اور ابتدائے سن ہی کے زمانے میں نہایت ذہین اور طباع تھے — چنانچہ صاحب تذکرہ گلستان سخن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ ہر چند عمر اس کی ہنوز زیادہ تیرہ برس سے متجاوز نہیں ہوئی لیکن ذہن کی تیزی برق سے اور طبیعت کی شوخی شعلۂ ہوا سے زیادہ ہے ازبسکہ حداثت سن کا اقتضا غالب ہے اشعار میں مضامین خندہ انگیز تمسخر آمیز بیشتر باندھتا ہے یہ چند شعر اس کے کلام سے انتخاب ہو کر نذر ظرفائے خوشمزاج ہوتے ہیں —

رواں جو سوئے فلک آہ کا دھواں ہوتا — تو اک جہاز دخانی یہ آسماں ہوتا
چڑھا ہی لیتا اڑنگے پہ اس ستمگر کو — جو آج کو میں زبردست پہلواں ہوتا

ترے کوچہ میں آنے نہیں دیتا ہوں غیروں کو — بنا میں ہیکڑی سے اپنی چوکیدار پھرتا ہوں
ترے غم نے مجھے بخشا ہے اب سامان عشرت کا — کہ شکل اپنی بنائے مثل موسیقار پھرتا ہوں
کہا میں نے کہ اکدن تو ذرا چہرہ دکھا دیجے — اسی کیواسطے اتنا ذلیل و خوار پھرتا ہوں
تو ہنس ہنس کے لگا کہنے کہ یوسف تو نہیں ہے تجھ — کہ ہر اک کو دکھاتا جلوۂ دیدار پھرتا ہوں

اسپہ عاشق ہوں پر نہیں یہ خبر — شکل گوری ہے یا کہ کالی ہے
سیم کی طرح دل گداز میں ہے — میرا سینہ ہے یا کٹھالی ہے
کھودتی ہے ہر ایک کا سینہ — تیری مژگاں ہے یا کدالی ہے
آنکھ پوچھے تو دے جواب وہ لب — اک جوابی ہے اک سوالی ہے
زلف سلجھی رہی تو ہے وہ گرہ — اور الجھی رہے تو جالی ہے
ہم غریبوں کا بستر اکیلا — اک پرانی پھٹی نہالی ہے

مت برا مانیو جمیل اُسکا　　اُس کی گالی نہیں سہانی ہے

جوشش۔ ان کا اصلی نام رحیم الدین تھا۔ مگر لوگ رحمو رحمو پکارتے تھے۔ اور اسی نام سے مشہور ہو گئے تھے۔ تذکرہ خمخانہ میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ پڑھے لکھے نہ تھے مگر مصنف گلشن بے خار کہتے ہیں کہ یہ ایک بازاری اور عامی آدمی تھے۔ ہولیوں میں کوچہ و بازار میں غزلیں گاتے پھرتے تھے۔ اور ہلیاروں کے ساتھ خوب ہلڑ مچاتے تھے ۱۷۹۳ء میں زندہ و بخیریت تھے مصحفی نے ان کو اپنا شاگرد لکھا ہے۔ ان کے شعر ظریفانہ تو کیا ہوتے مگر شوخی طبع کا پتہ ضرور دیتے ہیں ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے۔ جو اگرچہ وثوق کے ساتھ ان کا نہیں کہا جا سکتا مگر اہل تذکرہ نے متفق طریق پر انھیں سے منسوب کیا ہے ممکن ہے کہ اور بھی کلام اسی انداز کا ہو مگر مجھے مل نہیں سکا۔

بیتے جو کہا تجھ بن کیا کیا نہ الم گزرا　　بولا کہ ابے تیرا روتے ہی جنم گزرا

جوکر۔ حسن جعفر نام ہے لکھنؤ کے رہنے والے ہیں ایک شریف خاندان سے تعلق رکھتے ہیں نہایت رنگین مزاج شوخ زبان یار باش ملنسار خلیق زندہ دل آدمی ہیں اب چند روز سے شوخ تخلص کرتے ہیں۔ گو ظریفانہ شاعری کی عمر زیادہ نہیں ہے مگر اپنے احباب کی شاعرانہ گرمی صحبت سے آپ کی سخنگوئی بھی درجہ کمال پر پہونچی ہوئی ہے مجھسے اچھی خاصی ملاقات ہے۔ مشاعروں کی صحبتوں میں آپ برابر شریک ہوتے ہیں اور قریب ہر شاعر اور سخن فہم آپ کے نام سے واقف ہے۔ آجکل معراج الادب میں جو لکھنؤ کے ایک مخصوص طبقہ شعرا کی انجمن ہے۔ آپ بھی شریک ہیں اور ہر مشاعرہ میں اپنی ظرافت سے سامعین کو محظوظ فرماتے ہیں۔ اسوقت ۱۹۳۸ء میں آپ کی عمر چالیس بیالیس برس کی ہوگی۔ مجموعہ تبسم گل کی ترتیب کے وقت میں آپ کا کلام حاصل کرنے کے لئے

آپ سے ملا تھا اور آپ نے نہایت اخلاق سے خود یہ کلام عنایت کیا تھا۔ آج مجموعۂ مذکور سے کلام کا انتخاب کر کے اس تذکرہ میں درج کرتا ہوں جی چاہا تھا کہ اس تذکرہ کے لئے جدید کلام حاصل کروں۔ مگر فرصت کی قلت ہے اور لکھنے کی عجلت اس لئے اُسی پہلے کلام کو قند مکرر سمجھ کر لکھتا ہوں۔

سوکھے ہیں بال کہدو مرے سوگوار سے
تھوڑا سا تیل لے لے چراغ مزار سے

چمن میں اُنکی کوٹھی سے بلند اپنا مکاں ہوتا
کہ اُن کی جھونجھ کے اوپر ہمارا آشیاں ہوتا

اگر وحشت کی لیتا قیس اور مجنوں فعل ہوتا
تو لیلیٰ کے اوپر اونٹ اسپر سا بال ہوتا

کسی کے کان پھٹ جاتے تو کوئی گونگا ہو جاتا
اگر بندہ نصیب دشمنان محو فغاں ہوتا

قفس میں آب و دانہ مفت کا تھا یہ بھی تو
کرایہ پر چلا دیتا جو میرا آشیاں ہوتا

میں دُبلا اور وہ موٹے چھپکلی مٹکے پہ کیا پھرتی
جو اُچکاتے وہ اپنی توند تو پھر میں کہاں ہوتا

حسیں قینے سدیشی تھے بناتے جھنڈیاں اُنکی
جو سنہ ۲۲ میں میرا گریباں دھجیاں ہوتا

گزرتیں اونٹ کے کوہانپر سب وصل کی راتیں
اگر خود ناقۂ لیلیٰ کا مجنوں ساربان ہوتا

کسیکے دس گھر یکے کھیلنے میں کام آجاتا
مرا دل ہوتا کاش اُلی کا چیاں ہوتا

بسیرے کے لئے پھر کیوں کسی کی جھونجھ میں گھستا
مرے صیاد۔ جو کرکا اگر آج آشیاں ہوتا

عاجز ہوئے ہیں گرمی روز شمار سے
مردے نکل کے بھاگ رہے ہیں مزار سے

حاجت ہوئی جو چولھا بنانیکی یار کو
کچھ گنے تھوڑ لیگیا میرے مزار سے

لنگڑیاں دیکھے ٹکر دنکی نہ لفٹ دتا کی ڈور
الفت میں پیچ پڑ گیا اب مانگدار سے

وعدے میں تیرے جھوٹھ کا بوجھ اسقدر نہ ہو
جو دل سے گر پڑے نظر اعتبار سے

اولاد ہے آدم کی مانا کہ ہے سودائی
اس رشتہ سے تو مجنوں لیلی کا ہوا بھائی

کھاتے ہیں قلابازی ہیں جتنے تماشائی
کس قسم کی ہے ورزش ظالم تری انگڑائی

جب پردۂ محمل سے لیلی تھی تماشائی
مجنوں نے حماقت کی گرچہ نہ دکھلائی

عشاق گراں جانسے ہاری شب تنہائی
یہ کہتی ہوئی بھاگی مردوں میں کہوں آئی

کیوں ہر کس و ناکس کے مردے کو بلاتے ہو
ٹھنڈے میں نہ ملجائے اکروز مسیحائی

دم اُن کا دم رخصت کام آیا بہت میرے
وہ بیٹھ گئے اُٹھ کے جب چھینک مجھے آئی

کمبخت کو کنگھی سے فرصت ہی نہیں ہوتی
اللہ کرے اسپر عاشق ہو کوئی نائی

یوں لیلی و مجنوں کو ہم عمر چڑھاتے ہیں
تسلیم بڑی بھابی آداب بڑے بھائی

جب سامنے آتا ہے تم دیکھ کے ہنستے ہو
آخر تمہیں جوکر کی کیا چیز پسند آئی

منہ شیخ نہ لگ شیفتۂ زلف دوتا کے
داڑھی کو تری نوچ نہ لے ہاتھ بڑھا کے

صیاد کا بندہ ہے مرے بچھو بچہ کا دشمن
اللہ کرے گر پڑے پھنگی پہ یہ جا کے

جو آہ مرے صبر میں حارج ہوئی اُسکو
بالائے ہوا پھینک دیا تانگ گھما کے

دیکھوں تو گراتا ہے فلک برق کہاں تک
رکھتا ہوں میں آکبلغ میں جو کچھ لگا کے

کوئی مجھے اس بھول بھلیاں سے نکالے
رہتا ہوں دریار پہ میں گھوم گھما کے

جب فجر کو کھل جاتی ہے مجنوں کی کبھی آنکھ
دیتا ہے اذان اونٹ کے کوہان پہ جا کے

جوکر ترے انداز ظرافت کے تصدق
رنگ اپنا جمایا بھری محفل کو ہنسا کے

دل توڑ دیا میرا اُس بت نے نہ یہ جانا
بنجائیگا یہاں تکیہ ٹوٹا جو صنم خانا

مقتل میں یہ کہتا ہوں ویسے کہ نہ گھبرانا
جب قتل کا وقت آئے چپکے سے کھسک جانا

مجنوں کی طرح ہوتا فرزند بھی دیوانا
اللہ جو لیلی کو دکھلاتا نہ چہ خانا

ساقی سے مرے کسکی ہمت ہے جو مے مانگے
اک ہاتھ میں جو تا ہے اک ہاتھ میں پیمانا

آہ دل سوزاں ہے یا آنچ ہے حلموں کی
عشاق کی محفل ہے یا کوئی چرس خانا

دھڑکن سے مرا دل بھی کچھ کم نہیں مینڈک سے
ادنیٰ سا کرشمہ ہے دو ہاتھ اچھل جانا

ہے دھوی روٹی کپڑے کا یہ منظر حشر ساماں ہے
کہ سارا چوک ہے اور ایک جنکر کا گریباں ہے

ادھر دریائے خوں جاری اُدھر انبار مردوں کے
یہ کوئی مرگھٹا ہے یا زمین کوئے جاناں ہے

انھیں جلاد سے سرگوشیاں کرتے جو نہی دیکھا
تو میں یہ کہہ کے بھاگا اب یہاں کچھ اور ساماں ہے

عجب کیا ہے جو وحشی حرکتوں سے اپنی باز آئے
اگر سب ملکے چلائیں گریباں ہے گریباں ہے

دسہرے میں جو پوچھی اُنسے خیر و عافیت دل کی
تو فرمایا کہ وہ ٹیسو تو زیب طاق نسیاں ہے

کیا ہے گردش ایام نے لیلیٰ کو بھی پاگل
لئے ہے جیتھڑے کہتی ہے مجنوں کا گریباں ہے

زمیں کے اسطرف آباد ہیں سب اہل امریکہ
تو کیا یہ ملک بھی منجملۂ گرد غریباں ہے

ہزاروں ہی سڑی سودائی اسنے کر دیئے پیدا
میاں جو کر یہ دنیا کیا ہے دیوانوں کی اماں ہے

وہ دن نزدیک ہے اس گھر میں اک شادی رچی ہوگی
ہمارا چھوکرا ہوگا تمھاری چھوکری ہوگی

جو حال آیا تو یہ حالت تمھاری شیخ جی ہوگی
بنے ہونگے پاؤں میں گھنگرو گلے میں ڈھولکی ہوگی

شریک بزم جاناں بند کر لو اپنی آنکھوں کو
وہ آتے ہیں نقاب اُلٹے ہوئے بے پردگی ہوگی

نگاہوں سے تمھاری ڈرنے والے ڈر رہے ہونگے
دکھائی آنکھ اگر مجھکو تو انگلی پھونکدی ہوگی

اُسے تو آپ ہی شاید کھینچینگے اپنا دیوانہ
کہ جسکے جسم بھر میں اک لنگوٹی گیروی ہوگی

میں سنتا ہوں کہ معشوق کی معدوم ہوتی ہے
وہ کیا شے ہے جو اُسنے قتل پر میرے کسی ہوگی

گذر جائے گا کوئی انتظار شوق وصلت میں
خدا کی مار تمپر اب یہ کنگھی ختم بھی ہوگی

بڑھا دی حضرت گاندھی نے پیداوار ترکوں کی
خدا چاہے تو ہر نسخے میں دی مصطفیٰ ہوگی

طواف کعبہ کرکے بھی مقدس جو نہیں ٹھیرا
خر عیسیٰ نہ ہوگا میر جی کی وہ گدھی ہوگی

ورے یہاں کے لئے ہے پرے وہاں کیلئے
پچھاں وہاں کیلئے ہو زباں پچھاں کیلئے
کبھی یہاں کیلئے اور کبھی وہاں کیلئے
میں صاف کیا کہوں تجھ سے کہاں کہاں کیلئے
لگائے یار نہ جو تہ تو دل درست نہ ہو
یہی تو ایک مرمت ہے اس مکاں کیلئے
میں چنکے لایا ہوں بہرام گھاٹ کے لٹھے
بہت حقیر یہ تنکے ہیں آشیاں کیلئے
ہزار عاشقوں کا خوں سیکھئے لیکن
کہاں وہ بات جو تھی قیس و زعفراں کیلئے
یہ کوئی کھیل نہیں ہے ذرا خیال رہے
دیا ہے دل تمہیں جو کرنے امتحاں کیلئے

جوینده یا بنده یہ نہ کوئی نام ہے نہ تخلص۔ مگر اودھ پنچ میں کسی مفقود الاسم مجہول الحال شاعر نے اسی نام سے اپنی غزل دی تھی لہذا مجھکو بھی مجبوراً اسی صورت سے لکھنا پڑا۔ حال وغیرہ معلوم نہیں غزل ملاحظہ فرمائیے۔

دل سوے دلربا روانہ ہے
واہ کیا منقلب زمانہ ہے
جورو کہتی ہے دو میاں کو طلاق
مرد عورت میاں زنانہ ہے
جسکو کہتے ہیں غنچۂ سوسن
میری شمشیر کا وہ دہانہ ہے
آجکل کے حکیم ہیں عطار
سب کے گھر میں دوائی خانہ ہے
مسی اسدرجہ گہری تھوپی ہے
اُن کا منھ کالا جیل خانہ ہے
غیر کی آنکھ میں سور کا ہے بال
دیکھتا سب کو دشمنانہ ہے
جمع اک جا ہیں عاشق و معشوق
صبح و شام کا یہ دوگانہ ہے
تل نہیں اُن کے گورے گالوں پر
آیا صدقے کو کالا دانہ ہے

حرف جیم فارسی

چچا یہ تخلص ہے اور نام سید اسحاق ہے۔ دلی کے ایک پیرزادے ہیں۔ مگر تخلص ایسا اختیار کیا ہے کہ تمام دنیا کے چچا بن گئے ہیں طبیعت میں انتہائی ظرافت ہے۔ آپ کا مشاعرہ ہونا دودھ میں چاے کا ہونا ہے۔ سردست حیدرآباد میں مقیم ہیں۔ دو مضمون آپ کے مخصوصات میں سے ہیں اور شاید کہ دونوں خود آپ کے تلخ تجربہ پر مبنی ہیں یعنی ایک اطباے حیدرآباد کی نومشقی کے خطرناک نتائج۔ اور ایک چاندنی رات کی چوریاں۔ اور جگہ چاندنی رات چوروں کے آرام کا زمانہ ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت چچا کو اس کے خلاف سابقہ ہوا آپ کی ایک غزل رسالہ اُردو سے نقل کی جاتی ہے۔ وہو ہذا۔

بھلا کہیے تو کیوں سننے لگا تھا پاسباں میری — مجھے بلوا کے خود ہی آپ سن لیں داستاں میری

اندھیرا ہی بھلا ہے میں اسی کی قدر کرتا ہوں — شب مہتاب میں اکثر ہوئی ہے چوریاں میری

جناب شیخ مجبوری ہے تو اب لال حاضر ہے — کہ سب کام آگئیں نو بتا نو بت مرغیاں میری

ملتہی کا سنی کب تک کیا تک خطمی و خیری — دوائیں اب تو بدلو اے حکیم نیمجاں میری

چرکین شیخ باقر علی نام تھا۔ قصبہ ردولی کے رہنے والے تھے مگر مصنف تذکرہ گلستان سخن ان کو لکھنؤ کا رہنے والا کہتے ہیں اور علی الزعم سب تذکرہ نویسوں کے یہ بھی لکھتے ہیں کہ چرکین نے اوّل اوّل مضامین غلیظ محض ہزل اور تفریح طبع سمجھکر لکھنا شروع کئے تھے" لیکن رفتہ رفتہ اس قال کو حال بنالیا اور اس گندہ ذہنی نے اُسکو اگھوری بنا دیا۔ گویا یہی اُس کے بدن میں رچ گئی تھی۔ مدام لباس چرک پہنتا اور ایسی میلی کچیلی وضع رکھتا کہ اجنبی اُسکو سچ مچ حلال خور

سمجھتا۔ صحبت کا اثر مشہور ہے یہاں صرف تصور اور خیال نے یہ تاثیر کی کہ صحبت کو پرے بٹھا دیا حق یہ ہے کہ جو ابتدا میں کہتا تھا انتہا میں کر دکھایا۔ آخر الامر لال بیگ کی صحبت اور گوگا پیر کی ہمنشینی کے شوقین شہر کے مقامات پاکیزہ سے بھاگ کر صدہا آرزو کا ٹوکرا سر پر رکھے ہوئے بطریق پاتراب کے جنگل کے کسی کونے پر اوّل منزل کی" غرض یہ کہ ہمارے نزدیک چرکین نے اگرچہ رنگ نہایت ہی مہمل اور برا اختیار کیا تھا۔ مگر وہ اپنے طرز کے استاد بے بدل تھے۔ گو اچھالنے کو اپنے دیوان کی ایک مکمل اور لاجواب صنعت بنا دیا ہے۔ اور اس غلیظ کی چھینٹوں سے انکا دامن شاعری کمال کا ایک رنگین گلزار پر بہار معلوم ہوتا ہے۔

کہن سال بزرگوں سے سنا ہے کہ ان کے مختلف شاگرد تھے جن میں سے دو نہایت مشہور اور اپنے استاد کے رنگ کے مشاق تھے۔ ایک کا تخلص گوڈر۔ اور دوسرے کا حیض تھا۔ جنکا نام اگرچہ معلوم نہیں ہو سکا مگر دو دو چار چار شعر مل گئے ہیں۔ جو اُن کے تذکرہ میں درج کروں گا میرا ارادہ ہے کہ اب دیوان چرکین کا ایک ایسا مکمل انتخاب پیش کروں کہ اسکے بعد اُن کے دیوان کے دیکھنے کی کسی احتیاج باقی نہ رہے۔ گو کہ اب دیوان چرکین ایک انتخابی صورت میں چھپ گیا ہے اور وہ عام طریقہ سے ملتا ہے۔ مگر میں قدیم اور مکمل دیوان سے انتخاب کرتا ہوں جس میں بہت سے وہ شعر ہیں جو مروجہ دواوین میں نہیں ہیں۔ انتخاب میں بعض وہ شعر بھی دوں گا جن میں چرکین نے اپنی وضع کے التزام کے ساتھ ساتھ محاورات بھی صرف اسکے ہیں۔ اور اپنے کمال کا اتنا بڑا سکہ بٹھا دیا ہے جسکا ازالہ دشوار تر اور ناممکن ہے

گو ہا بھی چھی ہو گی اگر ان گو ہی گھیرا آبدست — مدعی کو گو میں نہلائے گا جاناں کا تپاک

گھیرے ہی رہتے ہیں اغیار نجس اس ترک کو — لینڈیوں سے بند ہو گیا ہے شیر پستاں کا تپاک

موتنے میں تم جلی پھسکی جو کوئی چھوڑ دو — برق باراں سے نہ چھوٹے ابر باراں کا تپاک

جب سے بڑھا ہے شیخ کا مہتر پسر سے ربط — بدلا ہے گو ہا چھی چھی سے اُن کی قبا کا رنگ

پاخانہ آئے کے فیض سے رشک چمن بنا — گندہ بہار میں بھی نہ بدلا ہوا کا رنگ

موت کی دھار سے بدتر میں سمجھتا ہوں اسے
کسکو دھمکاتا ہے چمکا کے دو دھارا قاتل

سہمگیں ہو گئی ایسی مری صورت مرزع
بگڑے وقت جو دیکھے مرا لاشا قاتل

دست پر دست چلے آتے ہیں لے جلد خبر
تیرے بیمار کا اب حال ہے پتلا قاتل

دست بردار ہو ان باتوں سے آجانے دے
قتل چرکیں کو نکر گو نہ اچھلو اقاتل

تنگ آئے ہیں دنیا کی گو ہا چھی چھی سے
ہو قبض روح بخش چھوٹیں اس عذاب سے ہم

فلک ہو طشت سے ہوں پھٹکیاں گو کی
جو گو کے چھوت کو نسبت دیں آفتاب سے ہم

ہو اسکی کھڈی میں صرف اپنے کا لید کی خاب
یہ چاہتے ہیں زمانہ کے انقلاب سے ہم

بنا ہے چرخ بریں طشت کہکشاں کھٹی
بگے گا کونسا شوکت نشان نہیں معلوم

ہمارے پاس بنا تا ہو گھر جو اے منعم
ہمارے بگنے کی کیا داستان نہیں معلوم

ہمیشہ رہتے ہو بیت الخلا میں تم چرکیں
جہاں میں کسکو تمہارا مکان نہیں معلوم

دماغ کو یہ خوش آتی ہے اسکے موت کی بو
کبھی نہ سونگھیں اگر تیرے کوئی گلاب ہمیں

سڑے کیطرح سے گو بھاپتے پھریں کب تک
جمال اپنا دکھا اوپری شتاب ہمیں

کپڑے چرکیں جب بدلتے ہیں
عطر کے بدلے موت ملتے ہیں

نہیں کہتے ہیں غیر ہو کو برا
اپنے منہ سے وہ گو اگلتے ہیں

کس تیر کے تحریر سیب ذقن
نہ تو گلتے ہیں نہ سڑتے ہیں

بزم جاناں میں پاوتا ہے غیر
ہر طرف سے اشارے چلتے ہیں

تیرے بیمار کے تلے غمخوار
پوٹلے دمبدم بدلتے ہیں

لیتے چرکیں بھی طرفہ سانچا ہے
گو کے مضمون جس میں ڈھلتے ہیں

سگ دنیا جو ہیں کتے دو غا کہتے ہیں
گو کبھی لی کیطرح سے دھپا کہتے ہیں

گو نہ چھی چھی کے سوا کچھ نہیں حاصل اس سے
گو وہ کھاتے ہیں جو امید وفا کہتے ہیں

گو نکی بوتے معطر ہے چرکیں کا دماغ
تجھ سے امید یہ اے باد صبا کہتے ہیں

سمجھتا ہے اُسے گوزشتر بیدِ مجنوں میں
پئے بیمار گر مثلِ جرس فریاد کرتے ہیں

رقیبوں سے تو قارورہ ملا ہے اسقدر اُن کا
مسا حب جا کر پیٹ اخلاص یاد کرتے ہیں

اٹھائے گو مرا کیونکر بجز فرشِ حصیر
سہارا تم نے اُنکے دستِ استاد کرتے ہیں

طلب کرنے نے انکے کر دیا مجبور یاں مجھکو
چلا جاتا ہوں ہنگتا پا دتا جب یاد کرتے ہیں

دنیا کی نجاست سے بری گوشہ نشیں ہے
رغبت نکرے گو یہ کبھی زاغ کماں کا

سُستوں کو کبابوں سے اگر دیجئے تشبیہ
پاخانہ میں عالم ہو کبابی کی دکاں کا

چرکین مرے کوچے میں کہیں رہنے نہ پائے
مہتر کو یہی حکم ہے اس آفتِ جاں کا

پھر گفتگو سے پوچ لگی آنے رنج میں
پھر گوز بند یار کی گفتار نے کیا

گو میں نہائیں خوب سے جھاڑے گئے کمال
بو سے طلب جو یار سے اغیار نے کیا

تو نے آنا جو یہاں غنچہ دہن چھوڑ دیا
گل پہ پیشاب کیا ہمنے چمن چھوڑ دیا

عطر کی بو سے معطر ہوا بلبل کا دماغ
گو ذرا تو نے ہوا غنچہ دہن چھوڑ دیا

ہے متوطا طفلِ اشک غیر دامن میں ترے
مت بھر دامن کا پاکیزہ تری پوشاک میں

پاد اپنی سے ہے چرکین ناز سے بولا وہ شوخ
دیکھ گیا ہے مجھ کو گوز یہ کس خاشاک میں

موت کے کہتا ہے ہمسے اپنے کوچہ میں وہ گل
اس روش کی آج کوئی گلستاں میں نہیں

چرکین غرض نہیں گل گلزار سے ہمیں
مطلب ہے پاخانۂ دلدار سے ہمیں

کرتا ہوں عرضِ حال تو کہتا ہے گو نکلا
ہوتا ہے درد سر تری گفتار سے ہمیں

کاش گھوڑے سے ہو قسمت کا ترے زیدا
تو بھی چرکین بنے یاروں کا کریدا

گردنِ شیخ پہ رندوں نے رکھا بارِ گناہ
کھا اٹھا نے کا اچھا کیا یہ خر پیدا

گو نکلا پوچ رندوں کا سمجھ جھوٹ ہوئی
صوفیا ہوش میں آ عقل و خرد کر پیدا

کوچۂ یار میں پھولا ہے جو گل مشکا
ملبا ہوگا نہ بھرا ایسا گل تر پیدا

اُسکے تو خانے کی دیوار پہ کنگل کیجئے
لیکر گوز فلک کی ہو نہ میں پیدا

وصف گیسو سے معنبر ہیں غضب چرکیں نے
گو کے مضمون کئے عنبر سے بھی بہتر پیدا

چمن میں پھینکا اس گل نے جو انتخے کے ڈھیلے کو
گلیلہ بن کے توڑا سنگ دانہ کسنے بلبل کا

نظر پڑے جسے وہ ہاتھ اس کو دست چھٹے
کبھی جو باغ سے مل کر وہ گل حنا نکلا

اگر بیت الخلا یار چرکیں کا مکاں ہوگا
وہیں تسکین دل ہوگی وہیں آرام جاں ہوگا

سمندر گوز نکلے گا تو جاں خفت سے جائیگی
یہ گھوڑا تو سبق روح رواں کا ہم عناں ہوگا

اگر تعریف بھی کیجئے تو ہو جاتے ہیں کھسیانے
چرک پدنا نہ تمسا بھی کوئی اے مہرباں ہوگا

فلک نے مار ڈالا کیسے کیسے ہگنے والوں کو
مقرر اس برس کچھ کھاد کا سودا گراں ہوگا

ہگ ہگ نے پاؤں پاؤں دئے وہ ملے بوجھ کے
میرا جو طوق قیس کے زیب گلو کریں

جو لوگ شیفتہ ہیں تیرے سرو قد کے یار
پیشاب بھی نہ جا کے اب آبجو کریں

موت کی تھالی ہے یہ تو ساقیا ساغر نہیں
خون سور کا ہے اسمیں بادۂ احمر نہیں

کھانا پینا موتنا ہگنا نہ کیونکر بند ہو
زیست کا جس سے مزا تھا پاس وہ دلبر نہیں

گو میں چوڑا لے گا ڈھیلا کھائیگا چھینٹیں ضرور
شیخ صاحب بھنگ نہ دوں پیچھے کچھ بہتر نہیں

فرش چرکیں کا ہوا گل اوبت پرفن چراغ
کھڈیوں میں مستروں کی گھی کے ہیں روشن چراغ

میلہ ہے گو گا پیر کا چھڑیوں کی سیر ہے
چلئے نواز گنج کے بازار کی طرف

جوش جنوں میں ہمکو یہ پاس ادب ملا
موتا نہ او پری ترے دیوار کی طرف

مژدۂ وصل آئے جائے فراق
ہینگ لگتے ہیں مبتلائے فراق

ہگ چکے خون عاشق ناشاد
اب کوئی اور رنگ لائے فراق

بھلا کیونکر نہ آئے دست اے چرکیں مجھے خوں کا
تصور جب بندھے رونے میں اسکے روئے گلگوں کا

ہزاروں پیچ کھائیں پیٹ میں دہشت سے ہگ مارے
سنے گر سانپ افسانہ بتوں کی زلف مشکوں کا

پاخانہ ہیں ہو گیا گلزار تمہارا
کھڈی میں گرا ٹوٹ کے جب بار تمہارا

پیدا ہوں ہر اک دانہ کی جا سینکڑوں خرمن
گو مول لے چرکیں جو زمیندار تمہارا

بیت الخلائے یار میں کیا غیر جا سکے
دہشت سے گوز بند ہے اُس نابکار کا

پھولے پھلے ہر اک شجر خشک باغباں
تھالوں میں گو پڑے جو مرے گلعذار کا

کیا کہیں تجھ سے کہ کیا کیا ہوئی چرکیں کی آمد
پائخانہ میں بدن دیکھ کے عریاں تیرا

مجھے جو چرکیں وہ خفا ہو گیا
رُعب سے پیشاب خطا ہو گیا

طائر ذکر و مدح غیر بھی
گوز کے مانند ہوا ہو گیا

وصل کا وعدہ کیا بیت الخلا میں یار نے
پنجۂ مژگاں سے جھاڑا چاہیے پاخانہ آج

خواہش آرائش گیسو ہے چرکیں یار کو
چاہیے پنجہ کی ہڈی سے بنانا شانہ آج

شیخ جی کو پھر طبیبوں نے بتایا ہے عمل
ہو گیا پھر آجکل اُن کو خلل سرسام کا

سامنے اُسکے نہ کیجے گفتگو ہر ایک سے
گو اچھالے گا بہت چرکیں اپنے نام کا

سُنئے گر رستم دستاں تہگدے کا رے خطرہ کے
غرض اظہار کے قابل نہیں از ہاں اپنا

قبض سے اب یہ حال ہے صاحب
پادنا بھی محال ہے صاحب

شیخ صاحب سر مبارک پر ق یہ سڑی سی جو شال ہے صاحب

رند کہتے ہیں پھبتیاں اسپر
لینڈی کتے کی کھال ہے صاحب

اب کے چرکیں جو ور کماؤں گا
پائخانہ میں سب لگاؤں گا

موتنے پر کبھی جو آؤں گا
سیر دریا انھیں دکھاؤں گا

تیرے گھر سے جو اب کے جاؤں گا
موتنے بھی کبھی نہ آؤں گا

فخر ہوگا میں تیرا عاشق ہوں
گو بھی تیرا اگر اٹھاؤں گا

نوجوانو ضعف پیری پر مرے ہنستے ہو کیا
آگے آئیگا یہ دریا کا ہگا ہو جائیگا

روز و شب ہگنے سے تم اُسکے خفا ہوتے تھے
بہتر و خوش رہو چرکیں نے وطن چھوڑ دیا

سامنے اعلیٰ کے اسفل سرکشی کرتا نہیں
سامنا پھسکی سے ہو سکتا نہیں ہے باد کا

ایکدن بھی دل نہ اُس بُت کا پسیجا قہر ہے
تھا مگر گوز شتر نالہ دل ناشاد کا

پانے میں شیخ کیا میرا کرے گا سامنا — مجھ میں اسمیں فرق ہے شاگرد اور استاد کا
یہ دعا ہے روز و شب چرکیں کی گو گا پیر سے — میں بھی اب مہتر بنوں جا کر الٰہ آباد کا

چہنماں — اس تخلص کا ایک مختصر دیوان میری نظر سے گزرا جسکے متعلق تحقیق کرنے پر بعض احباب سے معلوم ہوا کہ جناب ابو صاحب جلیس کا یہ دیوان ہے موصوف لکھنؤ کے ایک باکمال شاعر تھے تفنن طبع کے لئے کبھی کبھی اس رنگ میں بھی طبع آزمائی فرماتے تھے۔ غالباً طبیعت کے استغنا اور ذاتی وجاہت نے اجازت نہیں دی کہ اس قسم کے کلام کے ساتھ اپنے نام نامی کو ظاہر فرماتے۔ ممکن ہے کہ یہ خیال صحیح ہو۔ مگر سعدی۔ انوری۔ عبید زاکانی وغیرہم حضرات جو بلا مبالغہ افراد کاملین زمانہ میں سے شمار کئے جاتے ہیں وہ بھی اس رنگ میں بہت کچھ کہہ گئے ہیں اور ظرافت کو بھی اپنے کمالات کا ایک جز سمجھ کر اپنے کلام کے ساتھ شامل کر گئے ہیں اس حالت میں اگر لکھنؤ کے ایک باکمال کا نام بھی اس ظرفا میں شامل ہو تو کچھ نقصان رسا نہیں ہو سکتا اسی لئے میں نے اس تذکرہ میں نام پر پردہ ڈالنا کچھ بہتر نہ سمجھا۔ بہت ممکن ہے کہ میری یہ تحقیق صحیح نہ ہو۔ مگر کلام کی پختگی اور متانت بار بار مجھکو یہ یقین دلاتی ہے کہ کسی نوشق کا یہ کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ ظرافت کی برجستگی۔ شوخی۔ محاورات کا استعمال برمحل ہر ایک دیکھنے والے سے صنعت کے کمال کا اقرار لئے بغیر نہیں رہ سکتا چنانچہ انتخاب ذیل سے آپ خود اندازہ فرمائیں گے۔

اشک تھا یار غم جبر یار پہ فن کا — دے پلنگ کا کھٹمل تلا کئی من کا
یہ نامہ ہے پتہ میرے یار پہ فن کا — کہ اسکے دیدہ لگا ہو درخت بیر کا
تکیہ میں ڈالا ہے میرے بخت کا پٹھہ — کہ میں نے دیکھ لیا طوق تیری گردن کا
دھوا نکلتا ہے ہر بار ساتھ نالے کے — نہ کیوں گلال ہو دل سوختہ پہ انجن کا
کرو علاج اگر سر میں بال خورہ ہے — لگاؤ تیل ہمارے چراغ مدفن کا

بڑھی ہے صدمۂ فرقت سے اب یہ کمزوری
چبا رہا ہوں دہانہ تمہارے توسن کا

وہ آج قبر کو کھدوا کے لیگیا تختے
نشاں مٹا گیا ہے رحم میرے مدفن کا

دعا چناں کی ہے یہ اُسکا منہ ٹڑے یارب
چراغ آکے جو پھونکے ہمارے مدفن کا

ٹپکتی ہے ثقالت ابھی سخن سے سرگرانی بھی
کٹھل ہوں باغ جنت کا دہتورا باغ رضواں کا

دیکھنا پھر تو بکے گی دھیلے دھیلے عندلیب
اور انڈے جھونجھ میں دو روپیلے عندلیب
آتی ہے فصل خزاں پکنے کو ہیں برگد کے پھول
دیکھنا ہو جائینگے کو دوں کے لیلے عندلیب
اے چناں ہرگز نہ اُس کے آشیاں کو دیکھنا
آج پنجوں میں لئے بیٹھی ہے ڈھیلے عندلیب

نہ تو اچھے ہیں نہ بیمار ہیں آپ
نہ ہیں اِس پار نہ اُس پار ہیں آپ
پہلے تھے آپ نہایت لاغر
اب تو مجھسے کہیں تیار ہیں آپ
دیجئے ہاتھ سے اپنے نہ شراب
نہ کہے کوئی کہ کلوار ہیں آپ

شاید کھلی نہ آنکھ ہماری تمام رات
در پر رہی کسیکی سواری تمام رات
گائی جو آکے اُن کی کہاری تمام رات
ڈھولک بجا کے ہم نے گزاری تمام رات
پھر بھی نہ قطع نخل محبت ہوا چناں
اُسنے چلائی زور سے آری تمام رات

نیند تھیں سرخ مرچیں اگر تری تلوار کے پھل میں
تو کیوں منہ کھولتے ہیں زخم دانداں کیا باعث

روٹی نہ ملے گی جو ہو مجھکو خلل آج
اللہ کرے خیر کہ کھایا ہے کٹھل آج

کل یار کے گھر جاؤں گا کوئی دل کا ہے وعدہ — کھانے کیلئے بھوک کے لیتا ہوں عمل آج

صحرائے عشق میں نہیں مجھ سا شکستہ پا — منزل تمام کرتا ہوں تیمور کی طرح
پگلے کی طرح عشق میں چہرا سفید ہے — چلنے لگا ہوں چال انیفور کی طرح
دیوار یار میں نے گرائی ہے دوستو — اینٹیں اٹھا رہا ہوں میں مزدور کی طرح
باتیں کریں گے آکے بلندی پہ آپ سے — کنڈوں کے ڈھیر کر رہے ہیں طور کی طرح
دیکھا نہ ماکیان چناں کو کبھی کڑک — انڈے دیئے گئی وہ انیفور کی طرح
راضی ہوں سر کا درد ہو یا ہو جگر کا درد — سب سے جھگڑوں مجھے جو خدا دے کمر کا درد
میرا خیال ایک فقط آپ کو نہیں — حیوان میں بھی ہوتا ہے اوکو نر کا درد
چونے سے پٹ گئے ہیں یوں اُن کے منہ میں چھالے — پھولا ہوا ہے پورا گلزار منہ کے اندر
پانوں کے نام سے وہ پہونچا ہے ہیں چونہ — تیار ہو رہی ہے دیوار منہ کے اندر
یار کے روئے مخطط کے قریں کچھ خال ہیں — آج آبادی نظر آئی ہے مجھے جنگل کے پاس
جو بناتے تھے مکان یار خاص — مر گئے افسوس وہ معمار خاص
دوسرے خیاط کی کیا جان ہے — سی نہیں سکتا تری شلوار خاص
گونگے کو کچھ بھی خوف نہیں ہے گناہ کا — لاحول سے غرض ہے نہ شیطان سے غرض
کھد جائے گھر صنم کا چناں گر تو خوب ہے — وحشی ہیں یہ انھیں تو ہے میدان سے غرض
ممکن ہے بھلا یار کی فرقت میں کمال ضبط — کھنچ آئیں سب آنتیں میں کروں کچھ چناں ضبط
گر جنس محبت کے خریدار نہ ہوں گے — ہو جائیگی ساری دل مضطر کی دکاں ضبط
جس طرح سے چھینے گئے ہتیار سبھوں کے — ہو جائے الٰہی دل مضطر کی دکاں ضبط
ہے مملکت دل پہ تو اس شوخ کا قبضہ — ڈرتا ہوں نہ ہو جاؤں کبھی میں بدچناں ضبط
آتی ہے فصل محرم جاؤ گھر گھر مانگنے — پر جلاؤ میری تربت پر جہاں سے پاؤ شمع

کس جرم پہ چلتی ہوئی لکڑی مجھے ماری
دکھلا تو لگا ہو تری کھچڑی میں کہاں داغ

دل بیٹھنا کیسا مری جاں لیٹ گیا ہے
اس درجہ ہوا ہے تری فرقت کا گراں داغ

مبروص وہ شاید مجھے مشہور کریں گے
مل لیتے ہیں چونہ میں دکھاتا ہوں جہاں داغ

فرقت میں بھی جلتے ہیں ترے وصل میں بھی ہم
المختصر ای یار چنیں داغ چناں داغ

عید کے دن یوں گلے لپٹا وہ مجھ سے دوڑ کر
جس طرح سے باز آ ملے ہے کبوتر کی طرف

بے ستوں پر ایک پورا بھر کے بیٹھا ای کوہکن
ہے جو وہ شیریں تو خود آئیگی شکر کی طرف

گھیرے ہوئے ہیں گھر کو ترے بے خطر عاشق
بیٹھے ہوئے ہیں شام سے دیوار پر عاشق

جتنے ہیں غرض سب کو ہے دھڑکن کی شکایت
کھچوائیں نہ کیونکر عرق نیلوفر عاشق

عاشق کا چناں عین غزل بھر میں ندارد
معشوق کو دیتے ہیں اسی طرح سر عاشق

یا ندیدہ جانتے ہیں مجھکو وہ یا بد نظر
شغل مے نوشی میں کہتے ہیں کہ ساغر سے الگ

رات بھر رہتی ہے کھڑ پڑ ٹوٹتی ہیں رسیاں
اے چناں بادہ کو بند ہوتے نہیں ہے الگ

تیری آمد میں کچھ ایسی ہوئی ہلچل قاتل
گر گئی بھاگنے میں جیب سے مخمل قاتل

سنتے ہیں بال کو کم کاٹتی ہے تیغ اصیل
اس سے ہم پھرتے ہیں اوڑھے ہوئے کمبل قاتل

تھک گئے ہیں لیٹتے ہیں یار ہم
کب سے بیٹھے ہیں پس دیوار ہم

قتل کا جو خوف تھا جاتا رہا
کل چرا لائے تری تلوار ہم

رکھ کے کہتے ہیں ہتیلی پر سر
بیچتے ہیں یہ در شہوار ہم

رات کاٹی چکوے چکوی کی طرح
وہ رہے اس پار اور اس پار ہم

قصر دل کی کچھ مرمت کیجئے قصد
مول لینے جاتے ہیں تلوار ہم

پھر انھیں نزلہ ہوا اس سال میں
ناک پھرنے لگی رومال میں

ہے اگر فرہاد کو شیریں کا عشق
ڈال لے شکر چنے کی دال میں

پوریاں پکیں اوڑھے جام شراب
چلکے جھولا ڈالئے کچھنال میں

دانت جب ٹوٹے تو پھر پاپڑ کہاں
کھائیے روٹی بھگو کر دال میں

چھپ کے آتا ہے رقیب روسیاہ
کچھ نہ کچھ ہے آج کالا دال میں

آج یوں وعدہ ہوا ہے وصل کا
رات کو آنا مری سسرال میں

ہے یہ اے فرہاد شیریں کا پتہ
چیونٹیاں لپٹی ہوئی ہیں کھال میں

اب چنی بیگم جواں ہیں اے چناں
اپنی شادی کیجئے اس سال میں

اسقدر بالو سے رگڑا تن بدن
سر سے پا تک ہو گئے ہم آئینہ

شکل خوک اسی نظر آنے لگی
کیوں لگا یا قشقہ آدم آئینہ

یہ مجنوں پوچھتا تھا ساربان سے
میاں یہ اونٹ تم لائے کہاں سے

یہ بلبل کہہ رہی ہے باغباں سے
کہ اب گرتے ہیں انڈے آشیاں سے

غنا کنگھی کی تیری گر کروں میں
جویں جھڑنے لگیں لاکھوں زباں سے

طلوع مہر پر کہتا تھا یہ قیس
مری لیلےٰ نے جھانکا آسماں سے

تہ و بالا ہوئے جب تو کھلا احوال
زمیں چت ہو گئی ہے آسماں سے

ہے اُس کے در پہ سب بانکوں کا مجمع
چلے گی آج لاٹھی پاسباں سے

شب فرقت سے کہیں روز وصال اچھا ہے
سچ ہے یہ ماش کی روٹی سے مسال اچھا ہے

جب کہ چھینٹے سے لہو بند نہ ہو اے صیاد
تیرے نشتر سے مری مونچھ کا بال اچھا ہے

جان عشاق کی لیتی ہے تپ صفراوی
نزع کے وقت تو آلو کا زلال اچھا ہے

اے چناں وہ ابھی سن لیں تو نکالیں آنکھیں
گر کہوں آپ کی بکری سے غزال اچھا ہے

وہ سا تھ غیر کے مل مل کے گائے جاتے ہیں
میاں چناں ہیں کہ ڈھولک بجائے جاتے ہیں

چونچ کوئی ظریف شوخ مزاج بدایوں کے رہنے والے ہیں جنکی ایک غزل رسالہ اقتباس میں ملی جس سے چند شعر انتخاب کر کے لکھتا ہوں۔ زیادہ حالات باوجود کاوش

مل نہ سکے مجبوری ہے۔

ہوتا ہے دھول دھپہ پنڈت میں مولوی میں
اور بی جمال خانم اترا رہی ہیں جی میں

کیا کیا کیا نہ میں نے اے یار تیری خاطر
چاول پکائے جاکر مرگھٹ پہ کھوپری میں

تم قتل عاشقاں سے پہلے یہ سوچ لینا
الو نہ بول جائے دنیائے عاشقی میں

خوش قسمتوں کو شاید کوئی جگہ ملی ہو
میری تو عمر گذری بس نو وکینسی میں

سرکار عشق میں بھی ہونے کو ہے رڈکشن
اب ہر ہوس کا بندہ آجائے گا کمی میں

صد انقلاب در پر آتی ہے مغربیت
تہذیب نو کے حامی خوش ہیں جی ہیں

وہ دن بھی آگیا ہے نزدیک اب کہ جس دن
دلہن فٹن پہ ہوں گی نوشاہ پالکی میں

اللہ کا کرم ہے اے چونچ تجھ پہ ورنہ
یہ لاجواب باتیں اتنی سی کھوپری میں

چرخوش سید اقبال حسین نام ہے نیوتنی ضلع اناؤ کے رہنے والے ہیں۔ قریب قریب تیس برس کی عمر ہوگی۔ مگر آپ کی شاعری کی عمر بہت کم ہے۔ میرے ملاقاتی ہیں دو چار مرتبہ کے اصرار پر آپ نے تھوڑا سا کلام عنایت کیا۔ کلام سے پتہ چلتا ہے کہ اگر مشق سخنگوئی جاری رہے تو آپ بہت جلد اچھا کہنے لگیں۔ مگر افسوس کہ بہت کم فرماتے ہیں اکثر اب بھی جو کچھ فرماتے ہیں وہ مطبوع طبع ہوتا ہے۔

وہ مزا کب رات بھر بستر پہ چلانے میں ہے
شام ہی سے جو در دلبر پہ جانے میں ہے

چاند نکلا عید کا اک دھوم رندوں میں مچی
کوئی میخانے کی چھت پر کوئی میخانے میں ہے

کی وصیت ایک آتشباز نے اولاد سے
زندگی کا کچھ مزا جل جل کے مرجانے میں ہے

نیند اڑاتا ہے دل نالاں تو کر دو سینہ چاک
یہ اذاں دیتا ہوا مرغا اسی خانے میں ہے

اسکی بسی کا درازی جسکی ہے ضرب المثل
اک سرا دوزخ کے اندر اک سرا تھانے میں ہے

مرد مادہ رو بنے عورت بنی ہے نر نما
فرق اب باقی زنانے میں نہ مردانے میں ہے

مادرِ قیس نے لیلےٰ سے کہا سن بیٹی
ساتھ اپنے مرے بھلڑ کو نہ حیراں کرنا

نائیو تمکو مبارک ہو یہ خدمت یعنی
ہر مسلمان کے بچہ کو مسلماں کرنا

لیکے خوش خوش تو چلے ہو مرا آئینہ دل
کام بندر کا نہ اے حضرتِ انساں کرنا

ہو مبارک تمھے اے عشق کے پکے سیلیں
قیس کو عشق کے پردے پہ نمایاں کرنا

کی ہیں اُس شوخ نے جیلر سے خفیہ باتیں
اس چہ خوش کو بھی ذرا داخلِ زنداں کرنا

ایرو پلین عشق کا جب لے اڑا مجھے
اک تل دیا رخِ حسن دکھائی دیا مجھے

ہے صاحبانِ عشق کو لازم سر و تنی
منی سی ایک مس سے ہوئی عشقیا مجھے

مجنوں کبھی ہوں اور کبھی کوہکن ہوں میں
اس عشق نے بنا دیا ہیرو پیا مجھے

کہتی ہے شمع جل مرے پروانے آپ ہی
انپر خدا کی مار لگی ہے ہیا مجھے

ظالم نے میرے رونے پہ ہو ہو کے بدحواس
کچھ ایسا منھ بنایا کہ ہنسنا پڑا مجھے

یہ قہقہے ہیں کیوں مرے اشعار پر چہ خوش
سمجھے ہیں آپ لوگ کوئی مسخرا مجھے

یہ سوچ کے وحشت میں اچکنے لگا مجنوں
لیلےٰ کا مکاں نجد سے کچھ دور نہیں ہے

جو فیض جسے حکمتِ قدرت سے پہنچ جائے
منصور کا پر دادا بھی منصور نہیں ہے

بولی یہ مس ہندی مخلوط بصد ناز
ہم حور کا بچہ ہے مگر حور نہیں ہے

در آئینگے اک روز مری آہ کے گولے
کچھ قلعۂ دل تیرا بھرت پور نہیں ہے

ٹھڈی سے چلی جاتی ہے بکسٹ جو سے بان
دُم لور کے گھوڑے کی ہے گو نور نہیں ہے

ایجان مجھے ذبح نہ گھر پر مرے کرنا
تھانہ مرے دروازہ سے کچھ دور نہیں ہے

ہے عشق بھی فیشن بھی جوانی بھی مرے پاس
پھر کیوں مرا وصل آپ کو منظور نہیں ہے

حرف حاء حطی

حالی ۔ خواجہ الطاف حسین نام ۔ حالی تخلص ۔ آپ کے والد خواجہ ایزد بخش صاحب کا سلسلہ نسب حضرت عبداللہ انصاریؓ تک پہونچتا ہے ۔ آپ پانی پت کے رہنے والے تھے جب مولانا حالی کی عمر نو سال کی تھی اُسیوقت ان کا انتقال ہو گیا تھا اور اس کے بعد اُن کی تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہوا ۔ جس کے کامل ہونے پر مولانا حالی ملک کے اُن مشہور اہل قلم میں شمار ہوئے جن کو زمانہ کبھی بھلا نہیں سکتا ۔ آپکے مفصل حالات جابجا ملتے ہیں اس لیے ہم یہاں نہ آپ کی سوانح حیات سے بحث کریں گے اور نہ آپ کی حکیمانہ شاعری سے بحث کرنا مقصود ہے ۔ بلکہ ہم اس تعجب کو دفع کرنا چاہتے ہیں جو ظرفا کے تذکرہ میں مولانا حالی کا نام دیکھکر اہل نظر کو ہوگا اصل میں متعجب نگاہیں اس راز سے آگاہ نہیں ہیں کہ مولانا حالی وہ ادیب یا وہ شاعر تھے جن کا مرتبہ تمام اصناف سخن میں یکساں ہے ۔ جس طرح وہ متین شاعری کے اُستاد کامل ہیں جس طرح انھوں نے ملک کو ایک شاہراہ ادب پر لگا دیا ۔ جس طرح اِن کی خداداد قابلیت نے ایک اختراع کرکے شعر گوئی میں جدید طرز پیدا کیا ۔ اسی طرح انھوں نے ظرافت میں کمال دکھایا ۔ مگر ظرافت کو ہنسوڑپن یا ہزل گوئی ۔ یا فواحشات کی حد تک نہیں جانے دیا ۔ بلکہ بدیہہ گوئی اور بذلہ سنجی تک محدود رکھا ۔ حکیمانہ ظرافت کی تصویر کھینچکر دکھا دی اور اس متانت کی وہ صورت بنا دی جسپر سے ہزاروں شوخیاں قربان کیجا سکتی ہیں ۔ جہانتک غور کیا جاے مزاح اور خوشدلی کے پیکر مجسم کی بے تعداد تصویریں نظر کے سامنے پھر جاتی ہیں ۔ اور ظرافت سے حقیقی مقصود ظرافت حاصل ہوتا ہے ۔ بعض جگہ عبرت کو اس انداز سے ظرافت کا ہمدوش

کیا ہے کہ دیکھنے والا اتنا متاثر ہوتا ہے کہ اُس کے آنسو بھی ساتھ ہی نکل آتے ہیں بقولیکہ

شادی جو ہوئی غم کے پہلو نکل گئے — جب کوئی ہنسا ساتھ ہی آنسو نکل آئے

وہ لوگ کثرت سے ملینگے جن کے یہاں صرف الفاظ کے رنگ و روغن سے ظرافت کے مجسمہ کو چمکایا جاتا ہے اور اس کے ماحصل سے سخت غفلت کیجاتی ہے۔ مولانا حالی کے یہاں وہ قالب بیجان اور مجسمہ بے روح نہیں ہیں۔ اُن کی ظرافت کو گدگدیاں کہئے یا چٹکیاں۔ دل و دماغ اُس سے مسرور ہو جاتا ہے۔ اور روح کیف نشاط سے معمور۔ مگر ظاہری متانت کبھی جانے نہیں پاتی۔ میں نمونہ کے لئے چند شعر لکھتا ہوں۔

ہوئی ریحانِ جوانی کی بہار آخر حیف — طبع رنگیں تھی مے عشق کی جب متوالی
اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیاں — جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی
اب کہ الفت ہے نہ چاہت نہ جوانی نہ امنگ — سر پہ سودا سے نہ عشق سے دل ہے خالی
گر غزل لکھئے تو کیا لکھئے غزل میں آخر — نہ ہی پیرو وہ مضمون سمجھانے والی
ہاں مگر کیجئے کچھ عشق کا غیروں کے بیاں — لائیے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی
کھینچئے وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر — کیجئے درد جدائی کی کبھی نقشا لی
پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل — قصہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

کہتے ہیں ایک امیرزادے کو — تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں
خصلتیں جو امیرزادوں میں — لازمی ہیں وہ اُس میں بھی سب تھیں
واہ وا سنتے سنتے یاروں کی — ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقیں
الغرض ایک روز صحرا میں — جبکہ تھے ساتھ سب جلیس و قریں
مشق تیر افگنی میں تھا مصروف — کر رہے تھے خوشامدی تحسیں
آ کے دیکھا جو اک ظریف نے حال — وجہ تحسیں ہوئی نہ ذہن نشیں

جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا — تیر آماجگہ کے کوئی قریں
کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی — رکھ کے بالائے طاق سب تکیں
خاک تودہ پہ ہو کے جا بیٹھا — لوگ کرتے رہے چناں و چنیں
ناوک انداز بولا چلا کر — کوئی تجھ کو جنوں ہے اے تکیں
عرض کی چارہ کیا ہے اسکے سوا — جبکہ جائے گریز ہو نہ کہیں
زد سے ان بے پناہ تیروں کی — کہیں جاں دار کو اماں نہیں
مجھکو ہر پھر کے شش جہت میں حضور — امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں

اہل حل و عقد ہیں یہ متفق اس رائے پر — سید احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے

سید احمد خاں کے اک منکر سے یہ پوچھا کہ آپ — کس لئے رہتے ہیں صاف اے حضرت والا نہیں
آپ بھی نام خدا ہیں تارک صوم و صلوٰۃ — اور سلوک اسلام سے خود آپکا اچھا نہیں
چشم بد دور آپ کا بھی جبکہ ہے مشرب سبع — پھر یہ سید پر تبرا آپ کو زیبا نہیں
سنکے فرمایا اگر ہو پوچھتے انصاف سے — بات یہ ہے سن لو صاحب تم سے کچھ ڈرتا نہیں
رنج کچھ اسکا نہیں مجھکو کہ وہ ایسا ہے کیوں — بلکہ ساری کوفت اسکی ہے کہ ہیں دنیا میں

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سوال — انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
مدت تک اسکی جب یہی دیکھی گئی روش — پوچھا کسی نے اس سے کہ اسکا سبب ہے کیا
بولا کہ عادت اس لئے کی ہے یہ اختیار — چھٹ جائے تاکہ مجھسے یہ پکا سوال کا
پہلے جو بھاگو لوگوں سے ملتی تھی روز بھیک — آتا تھا مانگنے میں بہت بھوک کے مزا
پر جب سے ہے سوال کا اس قوم پہ مدار — منت سے تنگ سے کبھی ملتا نہیں ہے کا

ایک مسرت نے یہ ممسک سے کہا — کب تک اے ناداں یہ حب مال و زر
تو جو یوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ — ہے سدا دنیا ہی میں رہنا مگر
ہنسکے ممسک نے کہا اے سادہ لوح — زر لٹانا رائیگاں اور اس قدر
آج ہی گویا نصیب دشمناں — آپ کا دنیا سے ہے عزم سفر

فقیہ شہر نے ایمان کی جو کی تعریف — تو دی چراغ سے اُسکو یہ آب و تاب مثال
کہا فتیلۂ اقرار باللساں ہی ضرور — جہاں ہو آتش تصدیق و روغن اعمال
کہا کسی نے کہ نکلا ہی اندنوں اک تیل — نہیں ضرور فتیلہ کا جس میں استعمال

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہیں جنہیں ملاپ — دولت و بخت ہی ہر حال میں اُنکے ہمراہ
نہ انھیں حاجت احوال تلاش اصنام — نہ انھیں خوف بداندیش نہ بیم بدخواہ
پر نہیں رابطہ جس قوم میں اور یکجہتی — اُسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ
نہ ملاذ اُن کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فصیل — نہ مفید اُن کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
ایک ملا نے سنا جب یہ سخن فرمایا — تکیہ اور اسقدر اسباب پہ کرنا ہی گناہ
اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں — دست قدرت کے ہی سب ہاتھ سفید اور سیاہ
واں نہ ملت کی ضرورت ہے نہ کچھ قوم کا ڈر — پڑ گئی فضل کی مولا کے جہاں ایک نگاہ
کہا آزاد نے سچ ہی کہ وہ دے ساتھ اگر — کر دیں افراد پراگندہ جماعت کو تباہ
پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم — اسکو جب دیکھا ہی دیکھا ہی جتھوں کے ہمراہ

ہاروں نے کہا مصر لگا ہاتھ جب اُسکے — فرعون کا تھا مصر ہی نے مغز چلایا
وہ خطہ ملعون تھا یہی جسکی بدولت — تھا دل میں خدائی کا خیال اُسکے سمایا

میں بھی اُسے اک باغی طاغی کے علی الرغم — اک بندۂ بیقدر کو بخشوں گا خدایا
کہتے ہیں خصیب ایک غلام حبشی تھا — جسپر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا
کی سلطنت مصر کی باگ اُسکے حوالے — نااہل کے پنجہ میں اہالی کو پھنسایا
باڑی[1] گئی یہ ایک برس نیل کی رو میں — یہ حادثہ آ اُسکو کسانوں نے سنایا
فرمایا کہ روئی کی جگہ بوتے اگر اُون — ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اٹھایا

اثنائے وعظ میں ہے تکیہ کلام واعظ — قدر قلیل ہے سب مال و منال دنیا
گویا کہ حرص اُسکی اس سے بھی نہیں ہے — ہو جسقدر فراہم پاس اُسکے مال دنیا

خوشامد کرتے ہیں آ آکے جو لوگ — تمھاری ہر دم اے ارباب دولت
خوشامد پر نہ اُن کی پھولنا تم — وہ گویا تمکو کرتے ہیں ملامت
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک — نہیں انمیں سے تم میں ایک خصلت

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر — مردوں کی حکومت میں ہے ملکوں کی بُری گت
لیکن بخلاف اسکے ہے عورت کا جہاں راج — وہاں ملک ہے سرسبز اور آباد رعیت
فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاندار — قبضہ میں ہے وہاں عورتوں کے دولت و ثروت
اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسر شاہی — سمجھو کہ ہے اُس ملک میں مردوں کی حکومت

بشر کے صدمے سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال — کہ ایک جٹکی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار

---

[1] دلی کے نواح میں باڑی خصوصاً کپاس کے کھیت کو کہتے ہیں ۱۲

یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے
تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال و فشار

یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول
جو چل بسے کوئی اِن کے علاج میں بیمار

وہ جانتے ہیں کہ تھپ جائیگی خطا ہمپر
کیا ملال کا اپنے گر اس جگہ اظہار

رُباعی

زاہد کہتا تھا جاں ہے دیں پر قرباں
پر آیا جب امتحاں کی دو پر ایماں

کی عرض کسی نے کہئے اب کیا ہے صلاح
فرمایا کہ بھائی جان جی ہو تو جہاں

ایضاً

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا
یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا

ہم کچھ نہیں جانتے پر اتنی ہے خبر
اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

پوچھا جو کل انجام ترقیٔ بشر
یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنسکر

باقی نہ رہے گا کوئی انساں میں عیب
ہو جائیں گے چھل چھلا کے سب عیب ہنر

اک منعم مسرف نے یہ عابد سے کہا
کر میرے لئے حق سے فراغت کی دُعا

عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سوئے چرخ
محتاج کر اسکو جلد اے بار خدا

جب تک کہ نہ ہو دشمن اخواں پکا
ہوتا نہیں مومن کا ایماں پکا

ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے
سنتے ہیں کسی کو جب مسلماں پکا

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم — سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیرِ دولت — یا ہے کوئی مولوی وزیرِ اعظم

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب و گناہ — کافر کہا واعظ نے انھیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جس وقت — لاتا ہے خدا کو اپنے دعوے پہ گواہ

کہنا تھا کا مومنوں کو بے دیں — سنتے سنتے یہ ہو گیا ہمکو یقیں
مومن سے ضرور ہوگا مرقد میں سوال — تکفیر بھی کی تھی فقہا نے کہ نہیں

واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل — اک وقت سے اپنے نہیں ٹلتی تو اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھکر کہ حضور — ہے ٹیکس کا وقت بھی اسیطرح اٹل

حجّام ایک نائی عنایت اللہ نامی کا تخلص تھا۔ جس کا اصلی وطن سہارنپور تھا۔ مگر آب و دانہ کی کشش اور اپنے پیشہ کے چمکانے کی ضرورت سے دلی میں قیام رہتا تھا۔ اور یہاں کی خاک پاک سے وہ انس تھا کہ عمر بھر یہیں رہے۔ طبیعت میں شعر سے قدرتی لگاؤ تھا مرزا رفیع سودا سے اصلاح لیتے تھے اور اُسوقت کے تمام مشاعروں میں شریک ہوتے تھے وہ زمانہ کچھ آجکل کا سا نہ تھا کہ لوگ اُس کے پہلو بہ پہلو بیٹھنے سے عار کرتے۔ بلکہ وہ لوگ فن کے قدر دان تھے۔ چونکہ یہ ایک خوشگو خوش مذاق شخص تھا۔ اسی لئے بڑے بڑے شرفا بھی اپنے مشاعروں میں بلاتے تھے۔ بعض شعروں میں ظرافت کے طریق پر اپنے پیشہ کا ذکر کرتا لوگ آفرین کرتے اور جی کھول کر داد دیتے۔ مولانا فخر الدین رحمہ اللہ کی داڑھی میں جمو اور منگل کو خطاب لگایا کرتا تھا۔ اور مولانا ہی سے بیعت رکھتا تھا۔ مولانا نے تبرکاً ایک پوشاک

اور دستار دیدی تھی یہ فخریہ اُسکو پہنتا تھا۔ اور ہمیشہ اپنے دامن حال اور وضع و قطع کو روش درویشانہ سے مزین رکھتا تھا۔ اسی بنا پر اہل محلہ اسکو شاہ جی کہا کرتے تھے۔ تمام تذکرہ نویس اس کی خوشگوئی کے مقر ہیں۔ چنانچہ مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ اچھا شعر کہتا تو اس کے خیال بال سے زیادہ باریک ہوتے تھے۔ مسٹر ایلیٹ فیلن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ۱۷۹۳ء میں اسکی عمر ۳۵ برس کی تھی۔ اشعار ظریفانہ کا انتخاب یہ ہے۔

روز رخسار کے لیتا ہوں مزے خوباں کے
بہتر اس شغل سے حجام ہنر کیا ہوگا

کیوں مجھکو ستاتی ہو تو ای گردش گردوں
میں نائی کا بیٹا ہوں کہیں سر نہ رگڑ دوں

آ بھگل کے خوبرو دیکھے تو ہیں یہ سیکھ بچے
ان تلک حجام ہی پہونچے نہ یہ حجام تک

خط آئینے بھی اپنی رسائی نہیں وہاں
حجام کس طرح سے ملیں کیا ہنر کریں

قینچیوں پر میاں پڑتا ہے تب سو گھڑے پانی
بلا حجام کو جس روز تم حمام کرتے ہو

اُس شوخ کے کوچے میں نجایا کرو حجام
چھن جائینگے اک روز یہ اوزار تمھارے

کل میاں حجام سب کا مونڈتے پھرتے تھے سر
آج اس کوچے میں اُن کی بھی حجامت ہوگئی

لگ چلیے جو اس شوخ سے رستہ میں تو ای
جھنجھلا کے یہ کہتا ہے کہ چل دور نہ لے

حجام کسی دلی کے رہنے والے حجام کا تخلص تھا جو غازی الدین خاں کے مدرسہ کے متصل رہتا تھا۔ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں اسکا ذکر کیا ہے لیکن نام نہیں لکھا۔ اور خیال ظاہر کیا ہے کہ غالباً یہ کسی سے اصلاح نہیں لیتا ایک شعر نمونتاً لکھا ہے۔

کام کیا زور پہ حجام نے
شیخ کی داڑھی کو قصر کر گیا

حرق۔ میر حسن مرزا نام میر اشرف علی مرحوم رئیس ڈھاکہ کے نواسے اور میر علی آشنا

اور غلام حیدر مجیب کے شاگرد تھے ۱۸۵۷ء میں تسارخ کے تذکرہ سخن شعرا کی ترتیب کے وقت زندہ و بخیریت تھے شعروں میں ظریفانہ رنگ بھی شامل رہتا تھا۔ نمونہ کلام

پھٹی محرم دکھا کر اپنی وہ محرم سے یہ بولے — کسی عیار نامحرم کی یہ چالاک دستی ہے
تمھیں صورت کا غرہ ہی تو ہاں دل کی محبت ہے — تمھارا حسن مہنگا ہو تو کسکی جان سستی ہے
ایک بندہ کی بھی جان بخشی نہ کی — اے بتو تم سے خدائی ہو چکی

حریف لالہ شیام لال سائیکل میکر ساکن لکھنؤ کا تخلص۔ جو دور موجودہ کے ایک ظریف شاعر ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔ زیادہ حالات معلوم نہیں۔

تیرے عاشق جتنے تھے اُن کا جدا انداز تھا — کوئی دھوتی باندھتا تھا کوئی سستے باز تھا
دیتا جا بے دیتا جا لیلی کے کتے کا کفن — چھیڑتے تھے لونڈے مجنوں قوم کا بزاز تھا
سیکڑوں دیتا تھا تا دے قیس سے پر بند کو — ناقۂ لیلیٰ بھی اک کھوسٹ کبوتر باز تھا

بار ہے وصل کی شب آپ کا تن توش مجھے — ہٹیے ہٹیے کہیں اب کیجیے بسکوش مجھے
آیا نخاس تو بولا مرا کمسن دلبر — اچھا اچھا کوئی لے لیجیے خرگوش مجھے
گالیاں سنکے جو میں ٹال دیا کرتا ہوں — اپنے دل میں وہ سمجھتے ہیں گراں گوش مجھے
ڈر گیا دیکھ کے میں اُسکی بھیانک صورت — جب سے بیہوش ہوں آتا ہی نہیں ہوش مجھے
اُن کے ہشیار بھی کر دیکا نرالا ہے چلن — کاٹ کھاتے ہیں وہ پاتے ہیں جو بیہوش مجھے
رو کے کہتے ہیں کہ عید آگئی اب سر پہ حریف — آپ لا دیجیے زربفت کی پاپوش مجھے

حزیں۔ ایک ریختی گو کا تخلص ہے جن کے انداز کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے تیس چالیس برس اودھ کے شاعر ہیں۔ ریختی میں وہ لطف نہیں ہیں۔ جو ان کے معاصرین

رنگین یا جان صاحب کے یہاں ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے۔

پہنا گلے میں تمنے جو پھولوں کا ہار ہے — سمدھن تمھارے حسن پہ کیا ہی بہار ہے
ہوتی ہے ٹیڑھی گر کروں سیدھی طرح سے بات — گھوڑے پہ آج باد کے سمدھن سوار ہے
سمدھی بتاؤ تمکو یہ کیسی ہے بے کلی — آرام تمکو اور نہ اک دم قرار ہے
سوکھا ہی اس نے پارۂ آتار رقیب کو — سمدھن ہماری خوب سلیقہ شعار ہے
سمدھن حزیں سے تم نہ لگاؤ ٹھٹھا کرو ذرا — لائق تمھارے منھ کے کڑیڑا کہار ہے

حکیم مولوی محمد سمیع ارادت اللہ خاں نام ہے آپ انصاری ہیں اور لکھنؤ کے مشہور خاندان علماء فرنگی محل سے ہیں۔ قابلیت عربی و فارسی نہایت اچھی ہے۔ نیک طینت ملنسار خوش خلق ہیں۔ دونوں رنگوں میں شعر کہتے ہیں۔ مگر رنگ ظریفانہ طبیعت پر زیادہ غالب ہے اور اس میں اپنی جودت طبع ہمیشہ دکھاتے رہتے ہیں۔ اگرچہ راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ مستقلاً کس سے اصلاح سخن میں استفادہ کرتے ہیں۔ ایک دو مرتبہ میں نے خود دیکھا کہ حضرت ظریف کو غزل ردا ردی میں سر شاعرہ دکھائی۔ آپ کے کلام میں شوخی بھی ہے اور شوخی کے ساتھ ایک خاص قسم کی متانت بھی پائی جاتی ہے۔ اسوقت آپ کی عمر تخمیناً ستائیس اٹھائیس برس کی ہوگی۔ اگر یونہی مشق سخن جاری رہی تو مستقبل نہایت کامیاب ہوگا۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

انوکھا آپکا انداز اے اللہ میاں نکلا — نشاں بھی بے نشاں نکلا مکاں بھی لامکاں نکلا

دفعہ چونتیس میں چالان ہوا خوب پٹے — پیکے ہم تم جو چلے جھومتے میخانے سے
لا بغل کیس چلاؤں گا میں تجھ پر ساقی — مے پلائی مجھے ٹوٹے ہوئے پیمانے سے
روکئے دست جفا روکئے ورنہ اک دن — ٹکڑوں ٹوں پھٹ گیا عشاق کے کلیجے سے

قبل از سوال میں نے نکیرین سے کہا
بے پوچھے آپ کیوں چلے آئے مزار میں
مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن
کچھ اور ہو گئیں تری آنکھیں خمار میں

مار ڈنڈوں پھوڑ دیتا عشق کے اظہار پر
شکر کر مجنوں کہ لیلیٰ کا کوئی بھائی نہ تھا
ماشاء اللہ سیکڑوں کھٹمل بھی تھے مچھر بھی تھے
کیوں کہوں کوئی شریکِ شام تنہائی نہ تھا

قید میں صیاد و گلچیں نے ستانے کیلئے
باغ میں ٹوئلٹ لگایا آشیانے کیلئے
TOLET

وسوسہ کیوں نہ پیدا دلِ شیدائی میں
ختم ہے تیل چراغِ شبِ تنہائی میں

دیکھ لیتا ہے جو ہاتھوں میں لئے دل مجھکو
پھاڑ کھاتا ہے سگ کوچۂ قاتل مجھکو
قیس کہتا تھا نئی روز لنگوٹی باندھوں
ہاتھ آجائے اگر پردۂ محمل مجھکو

آکر چڑھی ہے سر پہ جو بھٹی شباب کی
وہ جھومتا ہے زلف پریشاں کئے ہوئے
واللہ اسقدر بھی اب احمق نہیں ہیں ہم
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

یہ عذر کیا اُسنے اور جانے کی ٹھہرائی
دو آدمی اور انہیں اک ٹٹی سی چرپائی
پہلے سر زاہد پہ اک زور سے چپکائی
دیکھا جو اُدھر اُس نے بندہ ہوا انجرائی

جو ملجاتی ہمیں کچھ روز کو واجد علیشاہی
تو ہم بھی اک مہینہ میں کئی سو بیسیاں کرتے

ہوتی ہے دشتِ نجد میں ہر روز دھر پٹک
مجنوں کی خاک اور ہمارے غبار سے

چراغ میرے لحد کے بجھائے جاتے ہیں
عدو کی بزم میں ہنڈے جلائے جاتے ہیں

پاؤں کی ٹوٹی ہوئی انگلی دکھاتی ہے شبیہ
اور بھاگو صورتِ بیمارِ ہجراں دیکھکر
دندناکر گھس گیا میں محفلِ دلدار میں
منہ جو تھی پھیرا مجھے دربانِ خوباں دیکھکر
ٹھینگا دکھلانا کسی کا بچپنے میں اے حکیم
یاد آتا ہے مجھے خارِ مغیلاں دیکھکر

حرفِ خا

خضر سبزواری ایک تنومند قوی ہیکل اور پہلوان تھا۔ جو فسق و فجور میں اپنی زندگی گزارتا تھا۔ شعر بھی کہتا تھا مگر وہی اوباشانہ رنگ مدنظر رہتا تھا۔ شراب نوشی کی وجہ سے ہر وقت مخمور و مسرور و مدہوش رہتا تھا۔ غرضکہ ان کے تخلص کو دیکھتے ہوئے یہ مثل پورے طریق سے اسپر صادق آتی ہے ع برعکس نہند نام زنگی کافور

عورتوں کی صحبت اور صورت سے نہایت متنفر اور امارد کی طرف راغب تھا۔ یہ دو شعر نمونتاً پیش ہیں۔

زنہار بزن اگر زرے ہست مدہ — زر جز بجوان رند سرمست مدہ
موے سر زلف امرد از کف مگذار — سررشتۂ دولت است از دست مدہ

خلیفہ ۔ رجبی حجام کا تخلص تھا جو دلی کا رہنے والا تھا۔ راگ وغیرہ کا بڑا شوقین رنگین مزاج بذلہ سنج خوش طبع ظریف تھا۔ پھکڑ اور ضلع جگت میں طاق تھا۔ تذکرہ گلستانِ سخن کی ترتیب سے پہلے مرچکا تھا۔ ایک مرتبہ کسی پہلوان کی ہجو میں کچھ شعر کہے تھے ان میں کا ایک یہ شعر ہے۔

او مدہا پٹے ہے پیچھے سدا ہر جوان کے — تا لوگ یہ کہیں کہ کبھی چت نہیں ہوا

خلیق ۔ دلی کے رہنے والے ہیں۔ استعداد علمی معمولی ہے۔ مگر شعر و شاعری کا شوق معمول سے کچھ زیادہ ہے منشی چندر بھان کیفی۔ اور سائل دہلوی کے شاگرد ہیں

کبھی کبھی مضامین ظریفانہ بھی نظم کرتے ہیں۔ راقم نے ایک مرتبہ دلی کے ایک مشاعرہ میں دیکھا تھا۔ اب تخمیناً چالیس برس کی عمر ہوگی۔ ایک نظم (ہمارا فیشن) سے کچھ بند نقل کئے جاتے ہیں

زمانے کے عجیب بدلی ہے رنگت — کہ کالے بن گئے گوروں کی صورت
بڑھی نکٹائی اور کالر کی زینت — نہ وہ پہلی سی خصلت ہے نہ عادت
اُڑے پھرتے ہیں انگریزی ہوا میں
کسے روکیں کسے فیشن سے ٹوکیں

مگر ہر شخص اپنی جون میں ہے — ہوا میں بھر رہا ہے دون میں ہے
نئی تانتی کی گرمی خون میں ہے — اکڑ فوں کوٹ میں پتلون میں ہے
پرانوں کی وہی چالیں پرانی
سروں پر ٹوپیاں ہیں کامدانی

فیشن کی ایسی چڑھ بنی ہے — سٹک ہاتھوں میں پاکٹ میں بنی ہے
سخی کا لال قسمت کا دھنی ہے — وہی کرتا ہے جو دل میں ٹھنی ہے
کوئی کتنا ہی پیٹے غل مچائے
مثل ہے ایک چپ سو کو ہرائے

زمیں پر پاؤں بھی دھرتے نہیں ہیں — کسی کے باپ سے ڈرتے نہیں ہیں
بزرگوں کا ادب کرتے نہیں ہیں — پرانی چال پر مرتے نہیں ہیں
تکلف میں ہیں تکلیفیں سراسر
ڈٹے ہیں باپ دادا کے برابر

کسی لیڈی سے گرمائے ہوئے ہیں — پری کے سینے آئے ہوئے ہیں
اڑے پھرتے ہیں اترائے ہوئے ہیں — محبت کی قسم کھائے ہوئے ہیں
نہیں منظور دم بھر کی جدائی

پگڑلی لال بی بی کی کلائی

بدل کر روپ میں روزی بنایا — بڑے دن کو کلب گھر میں بچایا
بغل میں ہاتھ دے دے کر اٹھایا — سمٹ ناز پر کوڑا لگایا
چپ غٹو ہوئے ہیں سادگی پر
نہ بالے ہیں نہ پتے ہیں نہ جھومر

نہ غمزہ ہے نہ شوخی ہے نہ چل بل — نہ مسی ہے نہ سرمہ ہے نہ کاجل
دوپٹہ کا جھمیلا ہے نہ آنچل — نہ چوڑی پاؤں میں پہنی نہ چھاگل
نہ پتے کان کے اندر نہ بالی
نہ پانوں کی لب رنگیں پہ لالی

بھبھو کا حسن گدرایا ہوا ہو — جو نینی تال سے آیا ہوا ہو
بدن چربی سے چکنایا ہوا ہو — برانڈی کا نشا چھایا ہوا ہو
کمر میں ناز سے پٹی کسی ہو
نئی پوشاک پھولوں میں بسی ہو

کسی کی نوجوانی کا ہو جوبن — کمر پتلی صراحی دار گردن
کرے اٹکھیلیوں سے سیر گلشن — گلے میں ہاتھ ہو ہاتھوں میں دامن
دکھائے کھیل ٹینس کے نرالے
کھلے میدان میں گیندیں اچھالے

برابر بیٹھ کر جائے فٹن میں — کسی لیڈی سے ملنے کوشن میں
تکلف سے نہ شرمائے ٹفن میں — کہ ہپ ہپ کر کے رکھ جائے دہن میں
جگر میں چٹکیاں لے گدگدا کر
رجھائے دل پیانو کو بجا کر

خندہ ۔ میر شجاعت علی صاحب نام ہے ۔ بریلی کے رہنے والے تھے ظرافت کے رنگ میں بہت خوب کہتے تھے ۱۸۷۵ء میں زندہ اور بخیریت موجود تھے چند شعر کلام سے انتخاب کئے جاتے ہیں ۔

ایک سے ایک شب ہجر میں بڑھکر آیا — کبھی لپسو کبھی کھٹمل کبھی مچھر آیا
پھونس سے یار کو جاڑوں میں تھا یاں نقب لگا — کام آخر مرا ٹوٹا ہوا چھپر آیا
اپنی گھوڑی کو جدا کر تو شرک سے اے شیخ — ہنہناتا ہوا خندہ کا وہ خچر آیا

ہوں کوئی دس سیر چاول اور من بھر شیر ہو — ڈالدو کھاری نمک تو خوب من بھر شیر ہو
مے پرستو شیخ صاحب کی یہ اب توقیر ہو — پاؤں میں گھنگرو بندھیں اور ناک میں اک تیر ہو
کیا کوئی چھیڑے انھیں اور کیا لگائے کوئی ہاتھ — ناک کے پکڑے سے بنکے پھوٹتی نکسیر ہو
ہو دہن کا انکے بوسہ میرے سودا کا علاج — جس طرح اے خندہ تلی کی دوا انجیر ہو

مرا رقیب الٰہی ذلیل و خوار رہے — گلے میں ٹوٹی ہوئی جوتیوں کا ہار رہے
لحاف اوڑھ کے چھپر پہ مائیوں بیٹھے — کہ جب نکاح کے دن اُن کے تین چار رہے
لگا کے آگ بجھانے کو جاؤں دیکھوں اسے — مرے محلہ میں آکر اگر وہ یار رہے

ہضم ہوتے نہیں اب پانچ پہ رشوت کے — لوگ کھاتے تھے پچاسے کے پچاسے پہلے
سینہ پر مٹکے ہاتھوں کو وہ سر کوٹتے ہیں — ڈھول پیچھے سے بجا کرتے ہیں تاشے پہلے

خندان ۔ عبدالحمید نام تھا ۔ لکھنؤ کے رہنے والے تھے ۔ ان کے والد دہلی سے لکھنؤ میں آکر رہے ۔ مگر پھر یہیں رہ پڑے اور پیوند خاک ہو گئے ۔ خنداں مرحوم اول میں

ظرافت کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ بعد کو فنا تخلص کیا۔ اور متین شعر کہنا شروع کئے۔ اس رنگ میں نہایت عمدہ شعر کہنے لگے تھے۔ مگر قضا نے مہلت نہ دی ۲۴-۲۵ برس کی عمر میں ۱۹۲۷ء میں انتقال کیا۔ اول اول میں باقر صاحب حمید برادر خورد پیارے صاحب رشید مرحوم سے اصلاح لیتے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد احمد خاں صاحب نظم کو اپنا کلام دکھایا۔ آخر میں محمد جعفر صاحب بہار سے مشورہ سخن کرتے رہے راقم تذکرہ کے بے تکلف دوست تھے گھنٹوں شعر سنتے اور سناتے تھے۔ خود بینی اور خود پسندی مزاج میں زیادہ تھی مگر نہایت سخن سنج واقع ہوئے تھے۔ وہ کیسے ہوتے چند الفاظ تبدیل کر کے اپنے نام سے سنا دیا کرتے تھے۔ کم رو۔ میانہ قد۔ سانولا رنگ تھا۔ سامنے کا ایک دانت ٹوٹ گیا۔ جو ہنستے وقت نہایت بدنما معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے جب ہنستے تھے منھ پر رومال یا ہاتھ رکھ لیا کرتے تھے۔ کلام ضایع ہو گیا اور اب ظرافت کا صرف ایک شعر یاد رہ گیا ہے۔ جو لکھا جاتا ہے۔

میں ایک ساز ہوں مگر اُلٹے طریق کا　　وہ چھیڑنے لگا تو میں خاموش ہو گیا

حرف دال مہملہ

داؤد مولوی محمد داؤد ابن مولوی علی محمد صاحب وکیل عباسی متوطن امروہہ ۲۷۔ رمضان المبارک ۱۲۸۰ھ کو بمقام امروہہ پیدا ہوئے اور سترہ جون ۱۹۰۰ء کو بمقام فتح آباد انتقال کیا نہایت قابل ذکی اور ذہین تھے۔ ۲۴ برس کی عمر میں علیگڈھ سے بی۔اے کی ڈگری حاصل کرکے کالج میں کسی عہدہ پر مقرر ہوئے اور بعدہٗ نائب تحصیلدار مقرر ہو کر مختلف جگہوں میں نہایت قابلیت سے اپنے فرائض کو انجام دیا۔ شاعری کا شوق دوران تعلیم ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ جو ترقی کرتے کرتے مرتبہ اعلیٰ پر پہونچ گیا۔ قدیم اور جدید دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ طبیعت میں چونکہ شوخی کا مادہ زیادہ تھا اس لئے کہیں کہیں وہ ایک ہلکی سی ظرافت کا رنگ اختیار کر لیتا تھا۔ انتخاب کرکے تھوڑا سا کلام درج کیا جاتا ہے۔

ناصح کی گفتگو سے مرا ناک میں ہے دم
آتے ہیں دیکھئے شتر بے مہار سے

یہ جھوٹ اور ہمنے بس اب آہنے دیجئے
ہم بھی تو رات جھانک رہے تھے دراز سے

سن کر پیام بر سے مرا نام یوں کہا
وہ ہی نہ دبلے پتلے نحیف و نزار سے

معلوم ہے مجھے بڑے استاد ہیں جناب
یوں دیکھنے میں سیدھے سے پرہیزگار سے

خود مجھکو تجربہ ہے بس اب اور کیا کہوں
خالق بچائے ایسے شریروں کے وار سے

کیا بری شے ہے یہ گھبراہٹ بھی جس سے آدمی
آپ کچھ کہتا ہے منھ سے کچھ نکلتا ہے مگر

ایک منشی سے شتر خانہ پہ ہوا مورد تھا
پوچھا اک انگریز نے نوکر ہو تم کس کام پر

بات تو کچھ بھی نہ تھی لیکن نہیں معلوم کیوں
ہو گئے اُس وقت وہ سنکر پریشاں اسقدر
میں شتر خانہ کا منشی ہوں یہ کہتے تھے ولے
کہہ گئے گھبرا کے یوں ہوں منشی خانہ کا شتر

ایک دن کچھ آدمی بیٹھے ہوئے
کر رہے تھے گفتگو باہم گر
اُن میں تھا اک شخص ایسا بھی کہ جو
کر چکا تھا غیر ملکوں کا سفر
ہوتے ہیں چالاک ایسے لوگ سب
وہ مگر اوروں سے تھا چالاک تر
جھوٹ کہتا تھا مگر سچ کی طرح
اُس کی باتیں تھیں نہایت پر اثر
ہو رہا تھا تذکرہ ہر قسم کا
کر رہے تھے بحث ہر مضمون پر
باتوں باتوں میں کہا سیاح نے
میں عرب میں بھی رہا ہوں سال بھر
سُن کے یہ بات اور تو سب چپ رہے
سب نے اس کا قول سچ سمجھا مگر
ایک کے دل میں یہ شک پیدا ہوا
کیا تھا جھوٹ کہتا ہو اگر
اس سے کچھ حالات واں کے پوچھیے
سوچکر یہ اُس نے قصہ مختصر
اُنسے پوچھا آپ کا ہوتا تھا واں
خدمت زمزم میں بھی گاہے گزر
سُن کے اُسکے منہ سے یہ سیاح نے
سمجھا زمزم نام ہے کوئی بشر
بولے جی ہاں اُنکی خدمت میں تو میں
روز حاضر ہوتا تھا وقت سحر
آج دنیا میں نہیں اُن کا جواب
ہے تقدس ختم اُن کی ذات پر
آپ تو بوڑھے ہوتے جاتے ہیں بہت
کیوں نہ ہوں ہیں بھی تو ستر سے اُدھر
سُن کے یہ سب نے لگایا قہقہہ
اور کہا تمکو نہیں یہ بھی خبر
اک کنوئیں کا نام ہے زمزم وہاں
آپ یہ سمجھے کہ ہے کوئی بشر
جب نہ بن آئی کوئی معقول بات
تب کہا سیاح نے یوں جھینپ کر
اُس زمانے میں تو تھے وہ آدمی
ہو گئے ہوں گے کنواں اب کیا خبر

دبنگ ۔ حافظ سراج احمد نام تھا ۔ مرادآباد کے رہنے والے تھے ۔ مگر نہایت بیباک پھکڑ تھے ۔ تمام شاعری اوباشانہ اور بیباکانہ رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی ایک شعر قابل اندراج مل سکا ۔

شیخ جی کا بھی انتقال ہوا　　کوئی دنیا میں مسخرا نہ رہا

دُگانا تخلص تھا ریختی میں ۔ مگر متین اور عاشقانہ کلام میں منجر تخلص کرتے تھے منشی اسداللہ نام تھا ۔ علی جان کے عرف سے معروف تھے ۔ مقام چیچڑہ ضلع ہگلی کے باشندہ تھے ۔ ان کے آبا و اجداد کا وطن قدیم دلی تھا ۔ مگر ولندیزوں کے عہد میں کچھ اسباب ایسے ہوئے کہ ترک وطن کر کے یہاں کی سکونت اختیار کرنی پڑی ۔ اور یہی قدیمی وطن ہو گیا ۔ چنانچہ دُگانا یہیں پیدا ہوئے مگر چونکہ والدین کو تعلیم و تربیت کا ہر وقت خیال تھا اس لئے چیچڑہ میں اسکا انتظام کافی نہ دیکھکر ان کو کلکتہ تعلیم کے لئے بھیجدیا ۔ اور یہیں تعلیم پائی ۔ دگانا کو ابتدائے عمر میں شعر و شاعری کا شوق پیدا ہوا اور اثنائے تعلیم و تربیت ہی میں شعر و شاعری کی طرف جھک گئے ۔ کلکتہ میں اسوقت مولوی عبدالغفور نساخ ایک کامل الفن استاد تھے جو بعہدۂ ڈپٹی کلکٹری یہاں پر مامور تھے ۔ چنانچہ انھیں کو انھوں نے کلام دکھانا شروع کیا اور منجر تخلص اختیار کیا ۔ مگر رنگین طبیعت نے صرف ایک رنگ پر قناعت نہ کی اس لئے دوسرا رنگ ریختی بھی کہنا شروع کیا ۔ اس میں بھی نساخ کو اپنا رہنما اور استاد بنایا نہایت پختہ مشق اور صاحب دیوان تھے مگر کلام اب ناپید ہو گیا ۔ جو شعر مل سکے وہ درج کرتا ہوں ۔

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹ نے　　صحن میں پا کے بے حجاب مجھے
پچھیاں لیں گلے سے لپٹا کے　　پھر لیا زانو نہیں داب مجھے
منتیں کیں ہزاروں تسمیں دیں　　کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

دل جناب چودھری عبدالرحمن صاحب صدیقی سندیلوی کا تخلص ہے کبھی کبھی رنگ ظرافت میں شعر کہتے ہیں۔ زیادہ حالات معلوم نہ ہو سکے۔

ہوا ہے شوق داغ دل کی کنکیا اڑانے کا — بنا کرتا ہوں ڈور اُن کے لئے چاک گریبانکی
مرا اس انداز کے صدقے کہ تیغ ناز اُس بت نے — ہمارے قتل کرنے کو کبھی کھولی کبھی ڈھانکی
سوال وصل پر جو بہ دم انکار ہلتی ہے — مری جاں آپکی گردن ہے یا گردن ہے ٹٹیاں کی
برے تیور کیوں ہو سیدھا کہنے پر لو آؤ بیٹھو تو — تمہاری ہر نگہ ترچھی تمہاری ہر ادا بانکی
میاں مجنوں نے ڈھیلا کھینچ مارا جوش وحشت میں — اٹھا کر پردۂ محمل اگر لیلی کبھی جھانکی
نہیں راضی کسی صورت سے جھولا جھولنے پر دل — مگر ڈوری ہو شاخ سرو قد میں زلف جانانکی

دلسوز نام خیراتی خاں تخلص دلسوز تھا۔ علیگڈھ کے رہنے والے قوم کے افغان تھے شاہ نصیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نواب ظفریاب خاں خلف بیگم شمرو کی رفاقت میں زندگی گزارتے تھے۔ شراب بہت پیتے تھے۔ جو بات تھی وہ درجۂ اعتدال سے بڑھی ہوئی تھی۔ ظرافت اور شوخی کلام میں بہت تھی۔ مگر اب کلام نایاب ہو گیا۔ اور کسی طرح باوجود تلاش بھی نہیں ملتا۔ دو تین شعر مل سکے جو درج کرتا ہوں۔ دلسوز نے ۱۸۸۵ء میں بمقام جے پور انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے۔

وہ تو کہتے ہیں راز دل اپنا — مت کسی اپنے یار سے کہنا
اور یہاں دلکی بیقراری سے — روز دو تین چار سے کہنا

سب سہیں گے ہم اگر لاکھ برائی ہوگی — پر کہیں آنکھ لڑائی تو لڑائی ہوگی

دلگیر منور خاں نام تھا۔ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ ابتدائے عمر سے شعر و شاعری

کے دلدادہ تھے - مگر ہمیشہ نئی اُپج کی لیتے تھے - اور اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی ایسی بات کہوں جو کسی نے نہ کہی ہو - چنانچہ اسی افتادِ مزاج کی بدولت یہ رنگ اختیار کیا کہ شرفا اور طبقۂ خواص کی زبان کو چھوڑ کر اس طرف کی چھوٹی قوموں مثلاً گدی - گوجر جاٹوں کے روزمرہ میں شاعری شروع کردی - اور اگرچہ یہ رنگ نہایت ہی مشکل اور دشوار تھا - مگر دلیر نے اسقدر مشق بہم پہونچائی کہ ۱۸۵۰ء میں ظفر بہادر شاہ آخری تاجدار دہلی کے دربار میں کچھ مدحیہ اشعار اسی زبان میں پیش کئے - اور بادشاہ نے ان کو بہت پسند کیا - دلیر کو انعام اور خلعت دیا گیا - بادشاہ نے غالب اور ذوق وغیرہ سے بھی اسی زبان میں کچھ کہنے کا حکم دیا مگر چونکہ یہ ایک مشکل بات تھی اس لئے اُن لوگوں نے انکار کردیا اور یہ سہرا دلیر کے سر رہا ۱۸۵۷ء تک اسی رنگ میں شاعری کرتے رہے - مگر انقلاب سلطنت کے بعد سے اس رنگ کو ترک کردیا - پھر بھی چونکہ وہ اس رنگ میں نظمیں - غزلیں - قطعے مثنوی - سبھی کچھ کہہ چکے تھے اسی وجہ سے ایک اچھا خاصہ دیوان مرتب ہوگیا - اور اپنی زندگی ہی میں طبع کرایا - آخر کار ۷۶ برس کی عمر میں انتقال کیا - انتخاب کلام کے ساتھ ترجمہ بھی دیدیا گیا ہے کہ ناظرین کے لطف میں اضافہ ہو اگرچہ اس کلام سے اصل میں زیادہ تر وہی لوگ لطف اٹھا سکتے ہیں جو مرادآباد سہارنپور کے درمیان آباد ہیں - کیونکہ دلیر نے صرف ان ہی قوموں کی زبان ہی نہیں لکھی - بلکہ اُن کے طرزِ تکلم - اُن کے طریق معاشرت اُن کی وضع قطع - اُن کی صورت آبادی اور بود و باش - اُن کے جذبات - اُن کے اطوار اُن کے خیالات وغیرہ کو بھی زبان کے ساتھ ہی ساتھ رکھا ہے - یہ ایک انتہائے کمال ہے اور اسوجہ سے صرف زبان جاننے والا اُس سے پورا لطف نہیں اٹھا سکتا تاوقتیکہ اُن کی معاشرت اور تمدن سے اچھی طرح باخبر نہ ہو - اور یہ نہ جانتا ہو کہ وہ لوگ جن کی یہ زبان ہے کس موقع پر کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں - مگر پھر بھی غور کرنے پر ہر شخص بقدر ذوق لذت اندوز ہوسکے گا - اول میں حمد اور نعت و منقبت دیکھئے کہ کسقدر ندرت کے ساتھ

اونھیں جذبات عوام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی گئی ہیں۔

ہے مرکھا لک ہے مرے مالک — تو باپو ہم تیرے بالک

اے میرے خالق اے میرے مالک — تو باپ ہے اور ہم تیرے بچے ہیں

راتوں مارے دنوں جیوا دے — تیرا انت کوئی نا پاوے

تو راتوں کو ہمکو مار ڈالتا ہے اور دن کو زندہ کر دیتا ہے — تیرا بھید کوئی نہیں پا سکتا

تجھسا ٹھاڈا کون ہے دوجا — جا کی جگت کرے سگ پوجا

تجھسا زبردست دوسرا کون ہے — جس کی تمام دنیا پرستش کرتی ہے

تو ہی لاڑے میگ ملارا — تو ہی بواوے بونڈا مہارا

تو ہی گھٹا سے پانی برساتا ہے — تو ہی ہماری کھیتی اور بونڈے بواتا اور کاشت کراتا ہے

ہے مرے صاحب بکھسن ہارے — پہاڑے کھوٹے کا گد مہارے

اے میرے بخشنے والے اللہ — ہمارے اعمالنامے بدی کے چاک کر دینے والے

دلیرا ہے تیرا داسی — تو ہی دیگا تالی باسی

دلیر تیرا غلام ہے — تو ہی اسکو تازی باسی روٹی دیتا ہے

نعت

نبی محمدؐ رب کے پیارے — جگ پر جا کے راج دلائے

خدا کے پیارے رسول محمد — تمام دنیا کے سردار

رب کے بھیجے جگت میں آئے — ہماری کھاطر دیوا لائے

خدا کے بھیجے ہوئے دنیا میں آئے — اور ہماری خاطر شمع لائے

جن دیوے نے کھویو اندھیرا — کرا اُجالا جگت گھنیرا

اس شمع سے دنیا کی تاریکی جاتی رہی — تمام دنیا میں اجالا کافی ہو گیا

قرآن شریف خدا کی بانی — ہمیں سنائی پڑھ کے جبانی
قرآن شریف خدا کی باتیں — اپنی زبان سے پڑھ پڑھ کر ہمکو سنائیں
پاپ کٹے اور پن سنوارے — ہو گئے ہمارے کل نستارے
جس سے ہمارے گناہ جلتے ہیں نیکیاں بڑھ گئیں — اور ہمارے تمام فائدے ہو گئے

منقبت

بی بی پھاطمہ ہماری ماتا — نیم دھرم میں ہیں کیلی داتا
بی بی فاطمہ ہماری ماں — دین و دنیا میں ہیں بخشش کرنیوالی
ہمارے نبی کی پیاری جائی — جا کی سینک حوراں کہائی
ہمارے نبی کی پیاری بیٹی — جن کی حوروں نے سینک کہائی
باپو کی امت جن بکسائی — مالک سامنے دے دے دہائی
جنہوں نے باپ کی امت کی بخشش کرائی — خدا سے فریاد کر کر کے

مدح حسنین

حسن حسین بی بی کے جائے — امت کھاطر سر کٹوائے
حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین بی بی فاطمہ کے بیٹے — جنھوں نے امت کیلئے سر کٹوا دیا

مدح چار یار

نبی صاحب کے چار سپاہی — جنہاں ملکوں دھومس ٹھائی
رسول اللہ کے چار یار ہیں چار حامی ہیں — جنھوں نے تمام دنیا میں اسلام کی دھوم ڈالی
کر دیئے لکھوں نیم کے بندے — ٹرملہ ہو گئے ماڑنس گندے
لاکھوں دین کے بندے بنا دیئے — ناپاکوں کو پاک کر دیا

انتخاب غزلیات

آج رات مہارے گھر بس جا — جاڑا لگے سوڑاں دہس جا
آج رات کو ہمارے گھر رہ جا — بڑی سردی معلوم ہوتی ہے آلحاف میں چلا آ
چار پہر کا کاٹن کے ہے — بڈی پھجر کے تڑکے نس جا
چار پہر رات کا گزارنا کیا — صبح صادق ہوتے ہی اُٹھ جانا
میں کرلوں تونے چُمّا چاٹی — تو سانتھڑ سوں سانتھر گس جا
میں ذرا ترا منہ چوم لوں گا — تو ران سے ران ملائے پڑا رہنا
تو مونے بھولا پنچھی جانے — تو ہی کہیں نہ جال میں پھنس جا
تو مجھے بھولا جا نور جانتا ہے — کہیں ایسا نہ ہو الٹا تو ہی جال میں پھنس جائے

کے مہاڑی ناڑیں پھانسی دیگا — کاہے کاڑن ناڑا کا ڈھیا
کیا ہماری گردن میں پھانسی لگائے گا — کیوں یہ ازار بند نکال رہا ہے
اک مٹھی دے پران لکاڑے — موسوں ڈوڈھا بھاڑا کا ڈھیا
ایک بوسہ دیکر جان نکال لی — مجھسے ڈیوڑھا کرایہ وصول کرلیا
کے مجنوں مہاڑی ہوڑ کریگا — جنگلاں جنگلاں تاڑا کا ڈھیا
کیا مجنوں ہماری برابری کرے گا — جنگلوں جنگلوں کا نکالا ہوا
سو بریاں دلمیر عشک ماں — ٹانگ تلے اوہ ساڑا کا ڈھیا
سو بار دلمیر عشق میں — مجنوں کو ہم نے ٹانگ کے تلے نکال دیا ہے

تجھ بنا پیارے پران تجوں گا — مار کے اپنی ناڑ گنڈاسا
تیری جدائی میں پیارے جاں دیدوں گا — اپنی گردن پہ گنڈاسا مارلوں گا
کاٹ کے اپنی ناڑ لہو میں — میں لوٹوں تو دیکھ تماسا
اپنی گردن کاٹ کے — میں لہو میں لوٹوں گا اور تو تماشا دیکھے گا
مہاڑی اوڑیاں سینٹر چلاوے — یو مہارا ساڑا اوت بلاسا
ہماری طرف اشارہ کرتا ہے — یہ ہمارا سالا اوت۔ بلاسا

آجا مہارے پاونا آجا — دودھ دہی من مانا کھا جا
آجا ہمارے یہاں مہمان آجا — جتنا جی چاہے دودھ دہی کھانا
پیت نہ کریئے میت کسی کی — پیت پچھوڑے کوٹھی ناجا
ایدوست کسی کی محبت نہ کرنا — محبت کوٹھی میں غلہ بھی نہیں چھوڑتی ہے
ہے من اوت گیو کے تیرو — مہارے ہی اوپر وہو نسا باجا
اے دل اوت تیرا کیا گیا — ہمارے ہی اوپر مصیبت پڑ گئی
ناہیں رہو من بیری بس کا — پر گیو چسکا جوبن رس کا
یہ دشمن میرے بس کا نہیں رہا — اس کو خوبصورتوں کی محبت کا مزا پڑ گیا
جد تیری پایل بیچ بجے گی — میں تو گوڈوں گاڑا ٹھاوں گا
جب تیری پایل بیچ پر آواز دے گی — میں خوب اچھلوں کودوں گا
جو مجنوں موسے ہوڑ بڈے گا — تو نے لیلی ڈھگ بٹھلاؤں گا
مجنوں اگر مجھ سے بحث کرے گا — تو تجھے لیلی کے پاس بٹھاؤں گا
جو تیرے نینوں کا جڑ ہوگا — میں تو سینوں مر جاؤں گا
جو تیری آنکھوں میں کاجل ہوگا — تو میں اشارے کے مارے مر جاؤں گا

کاکا کانا تاؤ کا — میں لاگو نہیں کاؤ کا
نہ میں چچا کا ہوں نہ تائے کا (بڑا بھائی) — میں کسی کو اچھا نہیں جانتا
مانگن آئیو پھلکا مانڈا — یو تیرا پھوڑا ناؤ کا
پھلکا حلوا لینے آیا ہے — یہ تیرا پھوڑا نائی کا لڑکا

منھ جھریں دونگی دوارے نیاور کا — پلہ کھوسے سے ہے ہماری چادر کا
میں ایسے معشوق کے منھ کو جھلس دوں گی — چلتے چلتے میری چادر کا پلہ کھینچتا ہے
ہے رے موسوں نے کے ستم پاڑے — گھاگرا کاٹ گیرا سندر کا
ارے رے چوہوں نے کیا ستم ڈھائے ہیں — سندر کا گھگرا کاٹ ڈالا

ہوڑ کرے پیٹ مجنوں ہت تری دادی کی پونچ — ہاتھ ہتکڑی ساٹھ من کی ناڑ سومن کا کڑا
مجنوں آ ہماری برابری کرے ہت تری دادی کی دم — ہمارے ہاتھ کی ہتکڑی ساٹھ من کی ہے اور کڑا سومن کا

لارے کلاڑ کے پھول سراب — سیسا دکے جیسوں گڑاب
اے کلال کے لڑکے شراب پھول پلا دے — شیشہ گلاب کی طرح سرخ چمکتا ہے
پاؤں پاگ کا کھ میں جوتی — ایسی دارو پیو زناب
پاؤں پر پگڑی اور سر پر جوتی — جناب ایسی شراب پینی چاہیے
کاڑا کا پھر عشک کجات — دیہی روکھہ نہ چھوڑے بات
کالا کافر عشق بد ذات ہے — بدن کے درخت پر پتے نہیں چھوڑتا
دلہیرا سر سہرا باندھو — چلو رے بھائیو چڑھی برات
دلہیر کے سر پر سہرا باندھو — بھائیو چلو بارات چڑھی ہے

پوڑھا نوسو یانی نوسی — کٹھالے رے بڑھے ہاتھوں ہاتھ
بڑھا نوشہ نئی نوشی — اٹھالے رے بڑھے ہاتھوں ہاتھ

کرلے ری چمرو کی راج — اوہی چھلنی اوہی چھاج
اوچماری کی لڑکی خوب راج کرلے — چند دن میں وہی چلنی جو وہی چھاج ہے
موج مارلے مجے اُڑالے — جب لگ رہوے کوٹھی ناج
عیش کرلے مزا اڑالے — جب تک کوٹھی میں ناج رہے
یو دلیرا جنم کا بھوکا — کدہیں نہ دیکھا تنکے ناج
یہ دلیر ہمیشہ مفلس ہی رہا — کبھی اس کے تنکے میں غلہ نہ دیکھا
چھورا رہو نہ چھوری ایک — رہے مکدم ادت کے ادت
کوئی لڑکا ہوا نہ لڑکی ہوئی — مقدم یعنی چودھری صاحب ادت کے ادت رہے
کہدے رے پانڈے سانچی سانچ — ہمارے کرم کی رکھیاں باچ
اوبرہمن سچ سچ بتا — ہمارے کرم میں کیا لکھا ہے
اب کے سیر دکرم میں کھول — بھر لو ناج سوں کوٹھے پانچ
پانچ کوٹھی اناج سے بھر لو
یا بد اچھلو کھا کھا ناج — جا بد ہرنا بھریں کلانچ
ایسی روٹیاں کھا کھا کر اچھلو — جیسے ہرن قلانچ بھرتے ہیں
کہے دلیر جو پانڈا جھوٹا — سر پہ مارو جوتی پانچ
اگر نجومی اے دلیر جھوٹ بتائے — سر پہ پانچ جوتے مارو
دہولے بلد کی دہاڑی پونچ — لاگے بڑی سہانڑی پونچ
سفید بیل دہانی دم — بڑی سہانی معلوم ہوتی ہے

کاگ اڑائے بیٹھے ٹانڈ	پھیرے گوپھیا کھیدے سانڈ
بچان پر بیٹھ کر کوے اڑائے	گوپھیا پھیری اور سانڈوں کو بھگایا
سب سوں بھلے یہ موسل چند	کریں نہ کھیتی بھریں نہ ڈانڈ
سب سے اچھے موسل چند	نہ کھیتی کریں نہ ڈانڈ بھریں
نیناں تیرے بڑے ملوک	ایک سیں ماں من دو ڈوک
تیری آنکھیں بڑی ظالم ہیں	ایک اشارے میں دلکے دو ٹکڑے کر دیتی ہیں
گورے گال مکا کے پھلکا	جنھاں دیکھے بھاگے بھوک
گورے گورے رخسارے مکئی کی روٹی معلوم ہوتی ہے	ایسے کہ اُن کو دیکھکر بھوک بھاگتی ہے
پانوں جوتی سر ناپاگ	ایسے ڈوبے ہمارے بھاگ
پانوں میں جوتہ نہیں سر پہ پگڑی نہیں	ہمارے نصیبے ایسے ڈوبے ہوئے ہیں
کے لاگو پھاگن میں سواد	مکا کی روٹی چنے کا ساگ
پھاگن کے مہینہ میں کیا مزے کا معلوم ہوتا ہے	چنے کا ساگ اور بڑی جوار کی روٹی

دوپیازہ - یہ وہی مشہور و معروف ہندوستان کا ظریف ہے۔ جس کے پھڑکتے ہوئے لطیفے آجتک زبان زد عوام ہیں جو دربار اکبری کی زینت اور بادشاہ وقت کی ہر طرح کی دلچسپی اور تفریح و نشاط کا ٹھیکہ دار تھا اصل نام ملا عبدالرحمن تھا۔ خاک پاک دلی کے رہنے والے تھے باپ کا دلی محمد نام تھا۔ ہر طرح کے علم و فضل سے بہرہ ور تھے۔ ترکی فارسی عربی زبان نہایت اچھی جانتے تھے۔ مگر تمسخر اور ہزلیت اسقدر مزاج پر غالب تھی کہ اس لئے تمام علوم اور تمام فضائل اسکی زد میں آگئے تھے۔ کوئی بات ہوتی۔ کیسی ہی متین اور سنجیدہ گفتگو ہوتی مگر یہ اپنے رنگ خاص میں ڈھال کر اس کو دلچسپ بنا دیتے۔ ایک بات کتنے لوگوں کو سو سو مرتبہ ہنساتے اکبر کے جلیس خاص تھے۔ ندیم خاص راجہ بیربل سے ہمیشہ چشمک رہتی تھی وہ ہر محل اور

چھپی ہوئی پھبتیاں کہتے کہ راجہ صاحب اور تمام سننے والے ہونٹ چاٹتے رہجاتے تھے عرصۂ دراز تک متھرا میں مقیم رہے۔ اور اصلی وطن آبا و اجداد کا یہی تھا۔ وہاں کے پوجاریوں اور پنڈتوں سے ہمیشہ مباحثے اور گفتگو جاری رہتی۔ اسی وجہ سے زبان ہندی میں بھی شاعری کرتے تھے۔ مگر بیشتر فکر سخن کا فارسی میں اتفاق ہوتا تھا۔ ابوالفضل سے مشورۂ سخن کرتے تھے۔ آخر عمر میں ہنڈیا جو نواح قصبہ چھیپا نیر ضلع بھوپال میں ہے وارد ہوئے۔ کسی سے پوچھا کہ اس جگہ کا نام کیا ہے جواب ملا کہ ہنڈیا۔ کہنے لگے کہ بس اب دوپیازہ ہنڈیا سے نکلکر کہاں جائے گا۔ اور آخر کار یہیں پیوند خاک ہوئے ملا صاحب تصنیف تھے اور کئی کتابیں انسے یادگار ہیں۔ چنانچہ اتراک عالمگیری لغت ترکی فارسی کے لطائف۔ النامہ۔ ملانامہ۔ یہ سب ملا ہی کی تصانیف ہیں۔ اگرچہ اردو زبان میں ان کا کلام ہونا ایک امر بعید از قیاس ہے مگر معتبر تذکروں میں یہ شعر ملا کے نام سے ملتے ہیں اس صورت میں سوائے لکھنے کے اور ہمارے پاس کیا چارہ ہے۔ اس لحاظ سے کہ عہد اکبری میں شاہان دکن کے یہاں اچھی خاصی اردو رائج تھی نقل کرنے میں باک بھی نہیں ہے

وہ گورا گورا لڑکا بامن کا شوخ گھونا — ایسا لگے ہے مجھکو جوں کھانڈ کا کھلونا
شوخی نپٹ کرت ہے نک چھکنی ہاتھ مل کر — تین تاک شیخ کینی ایسی طرح ملونا
تالی بجی ہے کیا کیا کل شیخ جی کے پیچھے — رم ورب لغل میں بھاگا لے اوڑھنا بچھونا
دوپیازہ از دل و جان قربان چرا نباشم — جوبن لے مدھ کا ماتا وہ سانولا سلونا
پیالہ پیم رس کا چاکھ بیٹھے — ملت ہیں تن بدن پر راکھ بیٹھے
نہ دوپیازہ کی دلداری کرت ہے — مگر صد گونہ باخواری کرت ہے
دوپیازہ اب نکس ہنڈیا میں آئے کے — مکھی کے ہاتھ پھنس گئے جائے جلائے کے

دوزخی۔ لالہ ہریچند نام ہے۔ لاہور کے رہنے والے ہیں۔ انگریزی میں ایم اے

تک تعلیم پائی ہے۔ سردست کسی اخبار میں ایڈیٹر ہیں۔ مجھے مرزا واجد حسین یاس یگانہ سے آپ کا نام و پتہ وغیرہ معلوم ہوا۔ چنانچہ نہایت اشتیاق کے ساتھ طلب کلام مرحبہ کے لئے ایک نیاز مندانہ عریضہ آپ کی خدمت میں ارسال کیا گیا۔ مگر نہ معلوم کیوں جناب نے نہ کوئی جواب دیا نہ کلام روانہ کیا۔ اتفاقاً چند روز کے بعد اڈیٹر صاحب نیرنگ خیال سے ملاقات ہوئی۔ موصوف کے تعلقات چونکہ دوزخی صاحب سے نہایت وسیع ہیں اور سنا ہے کہ قریب قریب روزانہ ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ لہذا ایڈیٹر صاحب سے بھی ان کے کلام کے بھیجنے کی استدعا کی۔ انھوں نے بھی بربنائے اخلاق وعدہ فرما لیا مگر اس کے بعد ہاں نہیں کا کوئی جواب نہ دیا۔ مجبور ہو گیا۔ لہذا سردست دو شعر جو میرے پاس ہیں انھیں پر اکتفا کرتا ہوں۔

ایک وقت تھا کہ ہندوستان میں نہیں بلکہ دنیا میں علامہ کوئی بڑی ہی مشکل سے ہوتا تھا۔ مگر اس وقت صرف ہندوستان ہی میں سیکڑوں علامہ موجود ہیں اور اس لفظ کی وہ ارزانی ہے کہ اب جب علامہ کی آواز سنائی دیتی ہے تو ساتھ ہی ابتدائی معنوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اسی بارہ میں دوزخی کہتے ہیں۔

کہتے لگے بس آج سے علامہ ہو رہیں — اسبات کا لطف آیا مجھے خوب ہنسا میں

دوسرا شعر کسی معاصر پر چوٹ ہے۔

حضرت ہدہد بھی شاعر بن گئے — جانور کے سر پر تاج اچھا لگے ہے

مرزا دبیر اودھ پنچ سابق کے ایک ظریف نامہ نگار تھے جن کی ایک تاریخ داغ کی وفات پر میری نظر سے گزری۔ اگرچہ مرزا داغ کی جناب میں گستاخی ہوتی ہے۔ مگر لما مور معذور نقل کرتا ہوں۔ ظرافت اور شوخی اس سے ٹپکی پڑتی ہے۔

مانا کہ داغ بیٹھنے میں ایک ہی داغ تھے — اٹھنے میں دیکھئے نہ مگر پھر جواب تھے

باغ سخن میں مانئے ہر چند عندلیب
روغن میں رنگ میں تو شبیہ غراب تھے

قند سیاہ گرچہ مقابل تھا نیشکر کا
شیریں بیانیوں میں مگر پھر بھی راب تھے

تھا جامہ زیبیوں میں تو کچھ سرخ کچھ ڈھمد
یہ سچ ہے دھوپ چھاؤں کے وہ آفتاب تھے

تھا تذکرہ تو پورٹ کا وہسکی کا بزم میں
گو مست حسن صورت و کیف شراب تھے

ٹپکی تھی لیڈیوں کی کمر پر بھی خوب رال
لکھی فٹن پر وں جو تھے لاجواب تھے

کرتے تھے حسن کی تو ولایت میں کورٹ شپ
بے پردگی کے باب میں لیکن حجاب تھے

ڈوبے ہوئے تھے رنگ قدیم و جدید میں
خوبو میں ہر طرح سے لونڈے گلاب تھے

دیوانہ طالب علی نام تھا۔ بنارس میں قیام تھا۔ اور یہ نمونہ کلام تھا۔ ۱۸۷۲ء تک زندہ تھے۔

بندہ بے داموں بکا ہے آپ کی سرکار میں
شوق سے بیچو کھڑا کر کے مجھے بازار میں

مجھکو حیرت ہے لڑائی کیلئے چھوڑا ہی کیا
گالیاں دیتے ہیں وہ دشمن کو ہر دم پیار میں

ہو گیا نازاں کو اپنے حسن پر حد سے سوا
جو نہ کہنا تھا کہا سب ہنس کے انسے پیار میں

اپنے مرنے کا کیا دعویٰ جو بولے جھنجھلا کے وہ
بولتے ہو مر کے تم دنیا میں زندہ پیر ہو

حرف دال ہندی

ڈاکٹر نام و نشان معلوم نہیں صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ کوئی صاحب رامپور کے رہنے والے ہیں اور دور موجودہ کے شاعر ہیں۔ ایک صاحب نے یہ دو شعر ظریفانہ سنائے

ادھر پھانسی گلے میں کاکل پیچاں نے ڈالی ہے　　اُدھر ٹٹی لگائے آڑ میں کرتی کی جالی ہے
حیا کا ہے یہ کہنا کہ خواب ناز سے اُٹھئے　　نہیں تو اب یہاں لو سونکی چوری ہونیوالی ہے

ڈھینڈس۔ کوئی صاحب بھوپال کے نہایت مشہور و معروف ظرافت گو ہیں۔ میں نے انکی خدمت میں متواتر تین چار خط بھیجے مگر یا تو خط نہیں پہونچے یا انھوں نے استغنائے شاعرانہ سے کام لیا اور تذکرہ کو اپنے کلام سے محروم رکھنا پسند کیا۔ پھر بھی شوق در ہر دل کہ باشد رہبرش در کار نیست کسی نہ کسی طرح کچھ شعر اُن کے حاصل ہو ہی گئے۔

پڑی عشق کی ٹاپ رے ٹاپ رے　　ارے باپ رے باپ رے باپ رے
سنا ہے کہ بسم اللہ کوئی ان کی محبوبہ مطلوبہ تھیں ایکبار وز ڈھینڈس صاحب نے اُن کی دعوت کی مگر اُس طرف سے وعدہ وفا نہ ہو سکا۔ ان کو نہایت افسوس ہوا اور یہ شعر کہا۔

یاد میں سات سو چھیاسی کی　　ہمنے تازہ شراب باسی کی

ایکمرتبہ کسی کے یہاں تحفتہً پلاؤ بھیجا۔ مگر وہ صاحب کچھ ان سے خفا تھے غصہ سے پلاؤ کا پلیٹ زمین پر پھینک دیا اور بعد کو جب خیال آیا کہ رزق کی بے حرمتی ہوتی ہے تو فوراً اسکو دفن کرا دیا۔ ڈھینڈس صاحب کو معمول سے زیادہ رنج ہوا اور یہ شعر کہا

آج زردہ پکا کے بانٹیں گے　　فاتحہ ہے پلاؤ مدفوں کا

حرف ذال معجمہ

ذاکر۔ شیخ زکریا نام تھا۔ غازی آباد یا نواح غازی آباد ضلع میرٹھ کے باشندے نہایت نیک نفس وجیہ خوش وضع ظریف الطبع تھے۔ راقم الحروف کے بڑے دوست تھے دہلی میں قریب قریب روزانہ ملاقات ہوا کرتی تھی۔ گھنٹوں شعر خوانی کی صحبت رہتی۔ ذاکر مرحوم دونوں رنگوں میں شعر کہتے تھے۔ ظرافت بھی متانت سے دور نہ ہوتی تھی۔ اور متانت پر بھی اور پھیکے پن سے ہمیشہ پاک رہتی تھی۔ اس میں بھی ایک خاص قسم کی لطافت اور شیرینی کی جھلک پائی جاتی تھی۔ مجموعہ کلام ایک دیوان میں جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں بعمر ۲۵ سال ستمبر ۱۹۱۸ء میں انتقال کیا۔ اب وہ غیر مطبوعہ کلام مفقود اور نایاب ہو گیا۔ صرف چند روز کی باہمی صحبت میں حافظہ نے چند شعر محفوظ کر لیے تھے وہی لکھتا ہوں۔

مرا دین و مذہب اُٹھا لیگیا — وہ بت کل مصلا اُڑا لے گیا
فقط خالی پاکٹ کے مالک ہیں ہم — بقیہ وہ اک اک ٹکا لے گیا

بھوکے عاشق کے واسطے ذاکر — گال سے شیرمال اچھا ہے
نہیں تخصیص زلف کی کوئی — آپ کا بال بال اچھا ہے

قتل بھی کرتا ہے اور پھر وہ جلاتا بھی ہے — خوب قسمت سے ملا مجھکو کھلاڑی معشوق

جب مرے خاص اشاروں کو سمجھتا ہی نہیں — پھر وہ کس کام کا کمبخت اناڑی معشوق
بادۂ تند سے ہے مجھکو زیادہ ڈاکر — کوسے پیٹنے میں دیتا ہے جو اناڑی معشوق

کام آتا ہے نکیرین کا پہرہ ڈاکر — نہیں رہتا کسی مردہ کو کفن چور کا خوف
قابل رشک ہے آزادی مارگیسو — نہ سپیروں کا کوئی ڈر نہ کسی مور کا خوف

سگان کوچۂ جاناں اب کھٹکنے ہو گئے ڈاکر — جو در بانوں سے بچ جاتے ہیں تو یہ ٹانگ لیتے ہیں

ذبیح ۔ حکیم منشی محمد اسمٰعیل خاں نام ہے ۔ دہلی وطن ہے ۔ ایک زمانہ میں محلہ پہاڑ گنج دہلی میں مطب کیا کرتے تھے ۔ اس کے بعد نواب سعید الدین احمد خاں طالب مرحوم کے یہاں ملازم ہو گئے تھے اب خدا معلوم کہاں ہیں ۔ پہلے افضل الاخبار میں ان کے مضامین بطریق ضمیمہ کے نکلا کرتے تھے ۔ اسمیں بھی ظرافت کا پختہ کار رہتا تھا ۔ غزل میں بھی ظرافت شامل کر لیتے ہیں ۔ اور دونوں رنگ ملا کر سامعین کو محظوظ کرتے ہیں سنہ ۱۹۱۳ء میں دلی کے بعض مشاعروں میں میں نے ان کو دیکھا تھا اس وقت پچاس پچپن برس کی عمر تھی ۔ انتخاب کلام ظرافت یہ ہے ۔

نگہ میں بکنار مجھ سے چھپ چھپ کے آتا ہے — اُچکا ہے اڑا لیجائے گا کفگیر میخانہ
شراب پاک بند ونکو وہاں حوریں پلائینگی — کہیں جنت نہو واعظ تری ہمشیر میخانہ

خدا جانے جو خواہش اور کچھ ہوتی تو کیا ہوتا — ذرا سے ایک بوسے پر تمہارا دم نکلتا ہے
جوش جنوں میں بھی نہ پھرے ہم برہنہ پا — یہ آبلے ہی پاؤں کے پاپوش ہو گئے
میں نے نکالے گھر سے جو اس سحر فن کے پاؤں — چھٹی سے پاؤں ہو گئے ایک ایک کے پاؤں

چکی کا پاٹ بن کے پھرا سر پہ رات دن
ہیں پیٹ میں چھپے ہوئے چرخ کہن کے پاؤں

مرنے سے مفلسی کا مری پردہ کھل گیا
اندر کفن کے سر ہے تو باہر کفن کے پاؤں

سونے کی جستجو میں جو چھانی بہت سی خاک
آخر کو ہاتھ آ گئے اس سیمتن کے پاؤں

صد شکر پایا مرتبۂ غوث قتل سے
سر ہے کہیں کہیں ہیں ترے خستہ تن کے پاؤں

چاندی کی نہریں لاکھ دکن میں ہیں ذبح
مفلس نہیں کہ میں کھولوں باہر وطن کے پاؤں

ذکی ۔ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں۔ غالباً مولانا انوار مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ظرافت میں اگرچہ ہزل کا رنگ شامل ہو جاتا ہے۔ مگر پھر بھی نہایت بہتر کہنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں خصوصیت سے پڑھنے کا انداز نہایت خوب ہے ہر لفظ کی ایک زندہ تصویر کھینچ کر دکھا دیتے ہیں۔ شوخی مضامین۔ صفائی زبان وغیرہ آپ کے کلام کا جوہر اعلیٰ ہیں۔ راقم الحروف کے دوست ہیں۔ عرصہ سے بسبب پریشان روزگاری دلّی میں مقیم ہیں انتخاب کلام یہ ہے۔

دھر پٹک ہو گی نہیں تو اسے سمجھا دیجئے
گالیاں دیتا ہے روز آپکا دربان مجھکو

زلف پر پیچ کی الفت میں ہیں تصویر جاوں
دیکھئے کہ جوش بھول بھلیاں مجھکو

دی ہے سو مرتبہ جب یار کو پٹی میں نے
تب کھلائی ہیں کہیں دھیلے کی کھٹیاں مجھکو

جب کہا قیس نے بچپن میں لپٹ جا پیاری
کہا لیلیٰ نے کہ بھئی مارے گی اماں مجھکو

وصل ہو جائے چپڑ اس لئے کرتا ہوں فقط
ورنہ ٹھینگا بھی نہیں الفت جاناں مجھکو

اے ذکی گر گئیں نزلہ سے جو اُن کی پلکیں
نظر آنے لگا ہے خار گلستاں مجھکو

تھا حکم نجد میں لیلیٰ کا ساربان کے لئے
کہ بھیا جلد نکالی چل شتر کو ہانکنے کے لئے

نہ اُڑ چکے کس لئے صیاد بانس چھوٹا ہے
یہ کوششیں ہیں فقط میرے آشیاں کے لئے

بھنا دئے نہ چنے بھی ہمیں یہ کہتا تھا قیس
دو وقتہ قورمے جاتے ہیں پاسباں کیلئے

کھلا کے قیس کو لیلیٰ نے اور الٹی دی — کہ ہو گی فاقہ سے لیجا یہ اپنی ماں کیلئے
یہ حال ہے ترے کشتہ کا اب تو لے جاناں — کہ کتے لاش پہ لڑتے ہیں استخواں کے لئے
تو اس پری کی محبت میں گھوم جا ای غیر — کہ تیرا باپ بھی لوٹا تھا تیری ماں کے لئے
کسے لگاؤ گے تم تیر مرگیا عاشق — وہ فاختہ نہ رہی اب خلیل خاں کے لئے

اے جان جاں بتائیے گیسو کدھر گئے — وہ کون سے گدھے ہیں جو کھیت چر گئے
ظالم پس فنا بھی ہے بوسوں کی آرزو — منھ کھل کے رہ گئے ترے عاشق جو مر گئے
سوتے میں لے گیا کوئی زلفیں تراش کے — وہ مجھ سے بدگماں ہوئے مونچھیں کتر گئے
طفلی میں کھو نہ دینا کہیں ملا شقو اپنے دل — پھر روؤ گے کہ میرے کھلونے گدھر گئے

ذلیل - نوبہار نام تھا - میرزا سلیمان شکوہ بہادر کی کنیز تھی - نہایت شوخ تیز طبع شعر گوئی کا شوق تھا - مگر تخلص کی رعایت کو ہمیشہ مدنظر رکھتی تھی - یعنی ریختی کے فحش شعر کہتی تھی - دو شعر جو صاف ہیں نقل کرتا ہوں -

میں دشنے کی بھی سنتی نہیں ناصح کیا ہے — اپنے کرتوت پہ جبدم کہ اترائی ہوں

تجھے اللہ رکھے اپنی اماں میں مرزا — ہمسی پریوں کو بھی دیوانہ بنا لیتے ہو

ذوقا - شاہ ذوقا ذوقا کر کے مشہور تھے سنا ہے کہ بنارس کے رہنے والے تھے مجذوب الحال تھے غدر سے پہلے شرف الدین احمد کے پاس میرٹھ میں آکر رہتے تھے - ایک شعر مل سکا ہے - اسے حاسد کی بڑ سمجھئے یا ظرافت جانیئے -

نے بام کے ہیں زیب نہ زینت کسی در کے
ہم باٹ کے روڑے ہیں ادھر کے نہ اُدھر کے

ذوقی۔ میر عبدالواحد نام تھا ذوقی تخلص سید محمد اشرف درگاہ کے صاحبزادہ تھے بلگرام وطن تھا۔ نہایت شیریں کلام۔ اور لطیف الطبع تھے۔ اُن کے والد سید محمد اشرف مع راہون کے جو نواحی لاہور میں تھا حاکم تھے۔ اتفاق سے وہاں کے کچھ سرکش لوگوں سے جنگ ہوئی ذوقی بھی وہیں تھے اسی باعث سے اس معرکے میں شریک ہوئے۔ اور اسی موقع میں بتاریخ ۲ محرم الحرام ۱۱۳۴ھ روز جمعہ بعد نماز عصر لڑتے ہوئے مارے گئے۔ مولف خانہ جاوید نے غلطی سے انھیں کو راہون کا حاکم لکھا ہے۔ مگر دراصل یہ حاکم نہ تھے۔ جیسا کہ تذکرہ سرو آزاد کی عبارت سے ظاہر ہے ذوقی مرحوم اردو و فارسی میں بھی شعر کہتے تھے۔ اور متین اشعار میں اپنا تخلص واحد رکھتے تھے چونکہ شیرینی کلام سے ان کو نہایت ذوق تھا اس واسطے اُسکی تعریف میں پورا ایک دیوان کہہ ڈالا جو شکرستان خیال کے نام سے آج بھی ملتا ہے۔ اس میں غزل۔ رباعی قطعے۔ مثنوی مخمس۔ ترجیع بند وغیرہ سب کچھ موجود ہیں۔ اور ایک شعر سے ابو اسحاق اطعمہ کے کلام کا مزا آتا ہے۔ جسکا انتخاب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

آنانکہ پردہ از رخ لوزینہ وا کنند — آیا بود تواضع سخنے بما کنند
نان از تنور بہر مرا بیدا شدہ است — لازم بود کہ حق غریبی ادا کنند
در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست — اہمال در تناول فرنی چرا کنند

انجیر را ز شاخ درخت ار جدا کنید — پنہاں ز چشم بد بہ لبش آشنا کنید
یکبار پوست را ز تنش بر کشیدہ اید — بار دگر بہ کیسلہ ندانم چہا کنید
ہنگام آں شدہ کہ اسیران انہ را — بر کام دل ز محنت زنداں رہا کنید
آوردہ ام برائے شما شربت انار — نوشش کنید و مخلص خود را دعا کنید

شیریں نشدے ذائقہ شکر نشدے گر — چشم نشدے سیر مزعفر نشدے گر

چنداں بہ ادب دست نمی داشتمش من — با شیر و شکر جب پیمبر نشدے گر
حلوا نفروذے بدماغ این ہمہ قوت — ذوقی ہمہ اجزامش برابر نشدے گر

نقل بگیر بزباں یکدو سہ چار پنج و شش — ریزہ قند در دہاں یکدو سہ چار پنج و شش
در قدح بلور کن شربت قند با گلاب — چمچہ بزن دراں میاں یکدو سہ چار پنج و شش
پیدہ و لفریب را گرچہ نقیل گفتہ اند — لیک ندانستہ زیاں یکدو سہ چار پنج و شش
شاہد انبام بکف گرفتہ از کمال شوق — بوسہ ہم بمے اں یکدو سہ چار پنج و شش
صحن پر از مزعفر و کاسہ پر از برنج و شیر — خوب نمایدم بخواں یکدو سہ چار پنج و شش
مصرع لغز اطعمہ دہ چہ خوش است ذوقیا — خربزہ لے خوش بناں یکدو سہ چار پنج و شش

نہ تناول ز ذوق برفیم بیتاب می گردد — کہ از یاد زلابی محو پیچ و تاب می گردد

بہ بیں بہ سوے چپاتی بہ دیدہ انصاف — کہ بے وصال شکر حالت نزاراں چیست
غرض ز موسم برسات اولد و بوندی است — دگر نہ ایں ہمہ تمہید برق و باراں چیست

چرا نہ نیشکر از خرمی بخود بالد — کہ آل او ہمہ مقبول آمد و منظور

در تمنائے ملاقات شکر لے ذوقی — آب گردید دل شیر بہ الفت سوگند

حرف رائے مہملہ

راحت ۔ دہلی کے کسی نامعلوم ریختی گو کا تخلص ہے ۔ باوجود تلاش حال نہ مل سکا کلام مل گیا ۔ جو حاضر ہے ۔

جب سے وہ بانکا سجیلا دل کو ہے بھایا ہوا
انگ لگتا ہی نہیں گوئیاں مرا کھایا ہوا

میں اپنی ایڑی چوٹی پہ صدقے کروں اُسے
یہ مردوا نگوڑا تو لٹھ ہے گنوار کا

روؤ گی تم تو وہ آجائیگا بیٹیا پھر ابھی
تم جو چپکی ہو رہی ہو آکے جو اُپھر گیا

دودھ لینے کا ارادہ تھا جو دوڑایا تھا ہاتھ
نوچ لی انگیا مری دیکھو مُوے بندر کی بات

جورو بیٹی ماں بہن کا کچھ نہیں کرتے خیال
گھر میں آکر صاف کہدیتے ہو تم باہر کی بات

گونگی بہری کب تلک لوگو بنی بیٹھی رہوں
نند کی باتیں سنوں ہے ہے کہیں دیور کی بات

پوتی پوتوں والی ہو کر لال جوڑا پہنوں میں
مجھکو تو بچی یہ بڈھا چوچلا آتا نہیں

کھلا تو پوتا ہوئی پوری آرزو تیری
دُگانا لال سا بیٹا جنی بہو تیری

لحاظ آیا کسی کا نہ تجھکو عصمت جان
غلام سے گئی پکڑی جنم میں تھو تیری

رحیم ۔ ایک قدیم ریختی گو تھے جو ولی اور رحمان کے معاصر تھے ۔ خزینۃ العلوم فی متعلقات المنظوم میں انھیں ریختی کے طرز کا مخترع اور موجد بتایا گیا ہے ۔

اری نادان تیں اپنے سجن کو کیوں نہ ٹھایا ہو — رہا کر پیو کو جاگ میں کسی نے ذوق پایا ہو
بہت پچھتائیگی میری نصیحت مان کہتی ہوں — سکھی کو رات سوہی ہے پیارے کو جو بھایا ہے

رسوا — خیرات علی نام تھا۔ پنجاب کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر بھر دلی میں قیام اور مقام رہا۔ نہایت شوخ رندہ دل ظریف الطبع تھے بات بات میں لطیفے اور چٹکلے کہتے تھے خود بھی ہنستے اور سننے والوں کو بھی پہروں ہنساتے۔ غزل گوئی کا شوق تھا۔ میر ممنون سے اصلاح لیتے تھے۔ مگر ظریفانہ رنگ میں اچھی خاصی دستگاہ رکھتے تھے۔ مگر اکثر شعر ہزالی اور فحش کے درجہ تک پہونچ جاتے تھے۔ چند شعر مع حالات کے ایک قدیمی قلمی بیاض میں نکل آئے جنمیں سے متین۔ اور غیر مہذب دونوں رنگوں کو چھوڑ کر یہ شعر جو ظریفانہ کہے جا سکتے ہیں انتخاب کر لئے ہیں

نالہ کرے نہ بحر میں اختر شمار ہو — شام فراق در کا ترے چوکیدار ہو
رسوا یہ لین دین ہے تو کیا ضرور ہے — دل اپنا انکو نقد دیں بوسہ ادھار ہو

مجنوں کی بھی دست درازی ہو تو اک روز — سر مونڈ کے لیلیٰ کو چڑھائے گا شتر پر
میں خود تری زلفوں میں گرفتار ہوا ہوں — تو نے تو نہ بھیجے تھے سپاہی مرے گھر پر
کچھ اونٹ سے کم حضرت زاہد بھی نہیں ہیں — اتنی سی کسر ہے نہیں کوہان کمر پر

رسم۔ لکھنؤ کے ایک قابل ظرافت نگار کا فرضی تخلص ہے۔ جن کی قابلیت اور استعداد علمی نہایت مقبول ہے۔ ظرافت صرف ظرافت تک محدود نہیں بلکہ اس سے گزر کر وہ فحش کی حدود میں پہونچ جاتی ہے میرے بیحد اصرار اور التجا پر چند شعر عنایت فرمائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی منع فرما دیا کہ نام یا صحیح پتہ ہرگز نہ لکھا جائے۔ کلام بھی بہت کم دستیاب ہو سکا۔ کیونکہ ایسے اشعار جو صاف شستہ ظرافت یا زیادہ سے زیادہ ہزل

تک ہوں ان کے یہاں بہت کم ہیں بلکہ بجائے اس کے فواحش کی گرم بازاری اور زیادتی ہے۔ بہر صورت جو شعر ان اسقام سے پاک ہیں اور مجھکو مل سکے ہیں وہ درج کرتا ہوں۔

ہر اک زبان پہ غلغلہ ہے کھدر اور سوت کا — پھنسی ہیں مادر وطن جناب نور بافت سے

نہ ان کی والدہ ہوتیں نہ وہ نہ عشق مرا — خدا دراز کرے عمر اُن کی نانی کی

پھلائے پھرتے ہیں وہ پیٹ چھ مہینے سے — ذرا سی گوشت کی بوٹی نے یہ گرانی کی

گزر رہی ہیں شب انتظار کی گھڑیاں — اُدھڑ رہی ہے سلائی مری میانی کی

شدت ضعف کا کیا ذکر کہ آکر شب غم — چارہ ساز آکے سہارے سے کھڑے کرتے ہیں

ہمنے سر ڈھانکا انھوں نے فیل ہو کر دیا — اب وہ پیر اور ہم اپنے خون کا دعوی کریں

رشک — ان کا میر علی اوسط نام تھا لکھنؤ کے نہایت مشہور و معروف شاعر تھے شیخ امام بخش ناسخ مرحوم کے نہایت رشید شاگرد تھے زبان کے زبردست محقق تھے۔ ایک لغت زبان کی ترتیب دی تھی مگر افسوس کہ وہ شائع نہ ہو سکی۔ دو دیوان نظم گرامی نظم مبارک عذر سے پیشتر طبع ہوئے تھے اب کمیاب ہیں۔ منیر شکوہ آبادی اُن کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ رشک نے ۱۲۸۴ھ میں بعمر ۷۰ سال انتقال کیا۔ اگرچہ یہ نہایت متین اور مہذب تھے۔ مگر ان کے بعض شعر ظرافت کے بھی پائے جاتے ہیں۔ اسکی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ اسوقت کے لوگ متانت کے ساتھ ظرافت نگاری کو بھی شامل رکھتے تھے۔ جو شعر لکھے جاتے ہیں اُن سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ نادانستہ ظرافت نہیں ہے بلکہ قصداً اس طرف قدم بڑھایا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ہرگز نہ لکھے جاتے

چاول الماس گوشت لخت جگر — فرقت یار میں پلاؤ نہیں

میرے کھانے سے کیوں فلک ہے کباب — پاؤ روٹی ہے نان پاؤ نہیں

اور کیا ہے ترا لعاب دہن — یہ اگر قند کا چوا ہو نہیں

اب کے جاڑے ہیں اور نالۂ و آہ — اس طرح کا کوئی الاؤ نہیں
یہ زمین غزل وہ ہے اے رشک — جس میں ذرہ کہیں بھراؤ نہیں

اے مایۂ حیات کبھی مجھکو بھیجدے — چھوٹا تری رکابی کا تورے سے کم نہیں
یارب یہ گورے ہیں کہ فرشتے عذاب کے — بنگلے بھی کان پور کے گورے سے کم نہیں

مندرجۂ بالا غزل شکر کسی ظریف الطبع نے سر مشاعرہ یا سر محفل رشک کو مخاطب کیا اور یہ شعر پڑھا۔

چھیچھڑے دور سے دکھاؤ نہیں — رشک بیٹھا ہے بن بلاؤ نہیں

سننے والوں نے وہ قہقہہ اڑایا کہ محفل عشرت گونج گئی۔

رفیع الدولہ۔ دکن کے ایک خود پسند بیوقوف رئیس زادہ کا تخلص تھا۔ اگرچہ اس کا تذکرہ کرنا اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ مگر چونکہ تذکرہ روز روشن اور تذکرۂ آفتاب عالمتاب میں ناظرین کی دلچسپی کے لئے ان کا ذکر لکھا ہے۔ اس لئے اتباعاً میں نے بھی نہ لکھنے پر لکھنے کو ترجیح دی۔ جس زمانہ میں انگریزوں نے دکن میں ریاست پر قبضہ کر لیا۔ تو رفیع الدولہ کلکتے پہونچے۔ نواب گورنر جنرل اور دوسرے معزز انگریزوں نے اُس کی بیحد دل دہی اور تعظیم کی اور معقول مشاہرہ ان کے اخراجات کے لئے مقرر کرا دیا۔ چونکہ رفیع الدولہ کا دماغ جلا ہوا تھا۔ ان کی وہی بیہودہ اور لایعنی باتیں جاری تھیں مثلاً آپ جہاں کہیں کسی جلسہ وغیرہ میں شریک ہوتے تو بغیر تجویز صدر کی کرسی پر خود ہی رونق افروز ہو جاتے تھے۔ کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی سلام کرتا تو آپ آنکھ کے اشارے سے سلام لیتے تھے۔ چھیڑنے اور بنانے کے لئے بڑے بڑے آدمی بھی آپ سے جی حضور سے بات کرتے اور جو کچھ کہنا ہوتا تھا دست بستہ کہتے تھے۔

دوسرا خبط یہ تھا کہ ہر سال بہت سا حلوا۔ اور روٹیاں سگ اصحاب کہف کی روح کو ثواب پہونچانے کے لئے تقسیم کرایا کرتے تھے۔ تیسرا خبط یہ تھا۔ کہ اپنے دیوان یعنی اپنے منشی کو جس سے اکثر اپنی باتیں لکھوایا کرتے تھے کاتب الوحی کہا کرتے تھے۔ یعنی اپنے کلام نثر و نظم کو وحی آسمانی جانتے تھے۔ چوتھا خبط یہ تھا کہ آپ شعر فرماتے تھے اور کبھی بھول کر بھی موزوں نہ فرماتے تھے۔ بلکہ آپ کے کلام کو رنگ ظریفانہ میں شامل کرنے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ جو کچھ لچر و پوچ اُن سے صادر ہوا ہے وہ موزوں تک نہیں۔ پڑھنے والوں کے لئے زعفران زار کشمیر ہے انھوں نے جب اپنا دیوان اپنے ہذیانات سے ترتیب دے لیا تو نواب گورنر جنرل بہادر کو ہدیتاً بھیجا۔ اُن کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آیا اور مولوی سراج الدین صاحب کے پاس جو اسوقت قاضی القضاۃ تھے بھیجا کہ اس کا دیباچہ لکھو۔ چنانچہ تعمیل حکم کے لئے انھوں نے نہایت لطیف اور ظریفانہ رنگ میں دیباچہ لکھا۔ چنانچہ قاضی محمد صادق خاں اختر نے اُس اصحو کہ کو نقل بھی کیا ہے۔ اب چند شعر نمونۃً درج کئے جاتے ہیں۔

الٰہی دانشمندی مرا رخدا — الٰہی تو امیدوانی ترا

ابر و برق و تجلی و براق نور افشاں آمد — آب باراں کہ حکم خدا نیا بند عید کہ باراں آمد

خم غدیر را کہ پیغمبر دادہ و ملک داد — خریدار ملک را صلح سر تاج داد

و منصور حلاج بدار و مدار انا الحق گوید — شریعت پیغامبر خدا کہ حق بحق گوید

صاحبقران بجنگ سمرقند نونہال شد — بنیاد جنگ کردہ کہ ایلدرم خوشحال باشد

سلاح جنگ کہ سپر و شمشیر آمد — گولۂ توپ و تفنگ کہ بد بلا آمد

صورت نور کہ ارمنی در کلکتہ بسیار — خواب راحت کجا کہ پشہ بسیار

زنان کلکتہ را آب بسیار — گردن صراحی دارد و شراب بسیار

مقرر کردہ عالم بحق کہ از وے شناس — خدا را شناس و خدا را شناس

رنگ - حریف خاں نام عرف مرزا رنگیلے - تذکرہ خمخانہ میں ان کا ذکر مختصراً لکھا ہے مگر یہ ذکر نہیں کیا گیا کہ کہاں کے رہنے والے ہیں - صاحب تذکرہ مذکور لکھتے ہیں "استعداد علمی رسمی ہے تفنن طبع کے طور پر شعر کہہ لیتے ہیں جس میں بیشتر تمسخر کا پہلو مدنظر رہتا ہے - انتخاب کلام یہ ہے -

سکون اختلاج دل ہوا جس نے اسے پھانکا — سفوف عاشقی ہے نام خاک کوئے جاناں کا

چالاں ترا کیوں ستم ایجاد نہ ہوگا — کیا خون کا دعویٰ ستم ایجاد نہ ہوگا

دار و رسن میں ہو جائے گا آخر کو گرفتار — حاضر جو عدالت میں تو جلاد نہ ہوگا

بند آنکھیں ہیں تمھاری انگنتے ہو رات دن — یہ تو بتلاؤ کہ افیون اسقدر کھاتے ہو کیوں

گھر بیٹھے دید رخ کی ترے سب کو ہو نصیب — قد بڑھ کے گھنٹہ گھر کے برابر جو یار ہو

ہمارا یار ہمکو آج تلشکری چٹائیگا — سنا ہے یہ کہ تل رخسار کا لب کی شکر ہوگی

نہ پوچھو مفلسی کے عقد کا سامان قاضی جی — کنویں کا آنکے پانی ہوگا اور میری شکر ہوگی

رنگیلے - محمد اسمٰعیل خاں نام تھا - جونپور کے رہنے والے تھے - مگر عرصہ سے اپنے چچا محمد جعفر خاں کے پاس جو مین پوری میں مختار تھے - آ رہے تھے - اور اُن کی محرری میں کام کرتے تھے - رنگیلے مرحوم ابتدا میں متین اور عاشقانہ شاعری کرتے تھے - اثر تخلص تھا اور حضرت داغ دہلوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے - سنہ ۱۸۹۰ء سے اُن کو ظرافت گوئی کا شوق ہوا - اور رنگیلے تخلص اختیار کیا - اس طرح کے کلام میں بھی فکر نہایت صائب تھی - نہایت اچھے شعر نکالتے تھے - مگر ظرافت ہی میں رنگ قدیم بھی شامل رہتا تھا سنہ ۱۹۲۰ء میں معقول عمر پاکر انتقال کیا - ان کے احباب نے اُن کی یادگار میں ایک بہت بڑا مشاعرہ کیا - اور اس کے اختتام پر ایک قصیدہ جو رنگیلے مرحوم کے قصیدوں میں یادگار قصیدہ تھا - چوکھٹا وغیرہ لگوا کر شعرا کو تقسیم کیا گیا - رنگیلے کا کلام

اگرچہ بہت عالی پایہ نہیں ہے۔ پھر بھی کافی دلچسپ ہے نمونہ کلام یہ ہے۔

پتیلی میں نہ اُن کی چھید جائے یہ کہتا ہے — لئے پھرتا ہے قاضی ہاتھ میں کفگیر میخانہ
ہمارے شیخ جی ہلنے کی اکثر مشق کرتے ہیں — کہیں دیکھ آئے ہیں ہلتی ہوئی زنجیر میخانہ
کمر بند انکا مستی میں کھلا لنگہ سرک آیا — کہاں اگر کھلی ہے دیکھئے تقدیر میخانہ
کبھی ٹھڑا اڑاتے تھے کبھی گودڑ ہٹاتے تھے — جنھیں ہم رند سمجھے تھے وہ نکلے پیر میخانہ
بڑھاپے میں جوانی کا مزا ملنا غنیمت ہے — رنگیلے اب نہ چوکو اب کرو توقیر میخانہ

نسیم صبح کے یا بو بھی کیا فرفر نکلتے ہیں — چمن سے جب ترے گیسو لئے ہنس نکلتے ہیں
وہیں پر ہر قدم پر تالیاں فتنے بجاتے ہیں — پہنکر وہ نیا جوتا جہاں چرمر نکلتے ہیں
ترا کوچہ بھی اک ٹھنڈی سڑک ہے سیر دانوں کی — ربڑ ٹائر نکلتے ہیں کبھی موٹر نکلتے ہیں
چٹائی اُن کی میرا بوریا دشمن نے سب پھینکے — ہمارے دو گھروں کے آج فرنیچر نکلتے ہیں
مبارک ہو عدو کو ہلکی ہلکی ٹھسکیاں انکی — سُنا ہے وہ نچانے کے لئے بندر نکلتے ہیں
رنگیلے دوڑتے پھرتے ہیں انکے گول کمرہ میں — انھیں تو وصل میں بھی ہیکڑوں چکر نکلتے ہیں

اے شب غم تری صورت پہ خدا کی پھٹکار — دیکھتا ہوں اُسے نہیں بھی تو ڈر جاتا ہوں

رنگین ۔ مرزا سعادت یار خاں نام تھا اور رنگین تخلص کرتے تھے۔ ان کے والد مرزا طہماسپ بیگ ساٹھ برس کی عمر میں روم سے ہندوستان آئے۔ اور ہندوستان کے مختلف امرا اور روسا کی سرکاروں میں ملازم رہے۔ رنگین کی پیدائش قصبہ سرہند میں ہوئی لیکن انھوں نے نشو و نما دہلی میں پائی۔ اور عمر بھر یہیں رہے۔ سیر و سیاحت کا شوق ابتدا ہی سے تھا چنانچہ اسی سلسلہ میں اکثر مشہور مقامات کی سیر کی۔ اسفار کچھ خاص نہ تھے

کبھی تجارت کرکے بسر اوقات کرتے اور کبھی نوکری اور ملازمت اختیار کرتے۔ چنانچہ عرصہ تک مرزا سلیمان شکوہ برادر اکبر شاہ ثانی کی سرکار میں مصاحبین کے زمرہ میں منسلک رہے۔

فن شعر کا شوق ابتداے عمر سے تھا۔ شاہ حاتم سے مشورہ سخن کرتے تھے طبیعت ہمہ گیر واقع ہوئی تھی۔ متین۔ عاشقانہ۔ ناصحانہ۔ ظریفانہ۔ سبھی قسم کا کلام موجود ہے۔ ریختی کا موجد بعض بعض لوگ انھیں کو کہتے ہیں مگر یہ بات تحقیق سے دور ہے۔ ان کی ریختی میں حقیقتاً عورتوں کی زبان اور روزمرہ جذبات وغیرہ موجود ہیں۔ جان صاحب کیطرح نہ سراپا آورد ہیں۔ اور نہ فواحش سے بھرے ہوے ہیں۔ کلیات رنگین کا نام نورتن ہے جس میں چار دیوان موسوم بہ ریختہ۔ پختہ۔ آمیختہ۔ انگیختہ اور دوسری کتابیں ایجاد رنگین۔ فرسنامہ رنگین نامہ۔ مجالس رنگین وغیرہ موجود ہیں اور انھیں کے ساتھ ایک مثنوی موسوم بہ دلپذیر بھی ہے۔ جو اسوقت کی بہترین زبان ہے۔ نہ صرف زبان بلکہ اس مثنوی کا طرز بیان۔ قصہ کی روانی۔ وغیرہ سب باتیں قابل داد ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسوقت کے تمام باکمال شعرا نے متفق ہوکر اس کی تعریف کی ہے۔ بلکہ جرأت نے تو مصرع تاریخ یہ کہدیا ہے۔ کہ۔ ہے یہ بدر منیر سے بہتر۔ ایک دیوان انگیختہ سراپا ظرافت اور ریختی ہے۔ اسکی نسبت کوئی راے دینا فضول ہے سب جانتے ہیں کہ رنگین کا درجہ اس بارہ میں اتنا ہے کہ لوگ اُن کو موجد تک تسلیم کرتے ہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ باوجود سب کچھ کہنے کے بھی درجۂ اعتدال سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ اور اس صنف خاص میں اپنے تمام معاصرین سے ممتاز ہیں۔ سید انشا نے بھی اگرچہ طبیعت ہمہ گیر پائی تھی مگر سچ یہ ہے کہ وہ ظریفانہ یا ریختی کے رنگ میں رنگین سے بڑھ نہیں سکے۔

داری تری جادو نہیں خالق ہو تو خلقت کا — کب مجھ سے بیاں ہووے زور تری قدرت کا
اب آٹھ پہر تجھ سے منگوں ہوں دعا یہ میں — بندی کو پٹے ہو کا رنگین کی نہ چاہت کا

مجھ پہ طوفان نہ رکھ چاہ کا چل دور دوا
جھوٹ سے منہ کا تری جائیگا اڑ نور دوا

ایک تو شکل ڈراونی سی تری ہیچا سی
تس پہ یوں گھور کے دیکھے مجھے مت گھور دوا

اس لگاتے ہے ترے ذہن بجھانے سے ترے
تیرے تالو میں اگی پڑے ناسور دوا

بڑبڑاتی ہے تو کیا صبح کو کل رہ تو سہی
ہڈی ہڈی تری کرنی ہے مجھے چور دوا

دوستوں کو مرے دشمن تو کیا ہے تو نے
اور کیا چاہیے کیا ہے تجھے منظور دوا

رات باتوں میں یہاں تو نے گزاری انّا
صدقے تیرے کسی ڈھب سے اسے لاری انّا

سوچ اس کا نہ ہو گر مجھکو تو پھر کسکو ہو
جانتی تو نہیں کیا پاؤں ہے بھاری انّا

آٹھ آٹھ آنسو رولاتی ہے مجھے اس کی چاہ
روز و شب بہتے ہیں اشک آنکھوں سے جاری انّا

ہونی جو ہوئے سو ہو بندی ملے گی شرطی
وصل کی اس سے زباں اجو میں ہاری انّا

اٹھتے ہی صبح کو اڑ جاتی ہے نگہت کے پاس
کہیو حسب حال مرا میں تیری واری انّا

چلو چل کر قطب صاحب میں جھولا ڈالکر جھولیں
دگانا منہ پر ساہو مہینہ ہے یہ ساون کا

کروں قربان میں پشواز کو جائی کی کرتی پر
دگانا مجھ سے اٹھ سکتا نہیں ہے بوجھ جوبن کا

ہلا کر سر کیا کر بات تو مجھ سے نہ ہنس ہنس کر
زنا خی مارتا ہے مجھکو ڈر اتیری گی دل کا

جوانی ہے وہ پھل پائے اگی حف نظر میری
وہ کون انسان ہے جو غش نہیں آگیں جوبن کا

کل جو مغلانی نے سی دیکے مروڑی انگیا
ہو گئی تنگ پچھاوں سے نگوڑی انگیا

لے گئی کھول کے تو شب کو دگانا ساری
ایک بھی میرے پہننے کو نچھوڑی انگیا

ٹھیک کچھ گات پہ یہ ہے نہیں بی مغلانی
تنگ اس سے بھی فرا بیجو تھوڑی انگیا

نیند آتی نہیں کمبخت روانی آ جیا
اپنی بیتی کوئی کہہ اپنی کہانی آ جا

ہاتھ پر تیرے سوئے کسکے ہے چھلے کا داغ
دی ہے یہ کسنے تجھے اپنی نشانی آ جا

بال ماتھے کے جو ٹوسے سے لئے ہیں تو نے
شکل لگتی ہے بُری آج ڈرانی آ جا

غم ہے رنگیں کو نہ میرا ہی نہیں اُسکے پیچھے
مفت برباد ہوئی میری جوانی آ جا

دُگانا کو اور مجھکو دیکھا جو لیٹے
تو پھر کیا گرج کر ہوا بھوت خوجا

غضب ہے کہ رنگیں کا دل کھاپڑنے کو
نیا روز کرتا ہے کر توت خوجا

دائی تھی چوٹی گھر اُسکے میں کل چور پڑا
ہوئی باجی وہ فضل چور کے گھر مور پڑا

دن دہاڑے جو چلی آئی تیرے گھر میں
کل دُگانا تیرے آنے سے بڑا شور پڑا

کوڑھ پن سے جو دوا تو نے لگائی ہنڈی
تو ہتیلی میں مری دیکھ لے یہ چور پڑا

تیری خاطر کروں کبتک میں دُگانا پیاری
قہر اُس بات کا لپکا تجھے در گور پڑا

ہونٹ کو اپنے دوا تو نے بنایا ہے جو نک
کیا مری چڑھے دھڑے کا یہ جمانا تیرا

شب کو اس حبشی بچہ نے یہ غضب ڈھا لا کیا
چھپ کے مجھسے منہ دگانا کا مری کالا کیا

حف نظر کو کا جو میری تھی جواں چوتھی کے بعد
پیٹ اُسے جب ہو گیا تب دیسرا چالا کیا

کون ایسا ہے دوا جسپر کہ اتراتی ہے تو
کوئی پیدا کیا نیا پھر چاہنے والا کیا

اے دوا کس سے کہوں رنگین کی چھل بازیاں
بیر دوڑانے میں اس نے مات ہنگا لا کیا

میرے گھر میں دناخی آئی کب
میں نگوڑی بھلا نہائی کب

صبر میرا سمیٹتی ہے وہ — شب کو بولی تھی چار پائی کب
کل زنانی تھی میرے پاس کدھر — اور سے بیٹھی تھی میں رزائی کب
وہ نجنتی تو گھر میں اپنے نہ تھی — پاس اُس کے گئی تھی دائی کب
دوڑی لینے کو میں اُسے کس دم — پاؤں میں میرے موچ آئی کب
کھانا کھایا تھا میں نے اُس نے کہاں — اور مسٹنگو ائی تھی ملائی کب
کی تھی شب میں نے کس جگہ کنگھی — آرسی اُسنے تھی دکھائی کب
ہرگز آتی نہیں ہے سانچ کو آنچ — پیش جاوے گی یہ بُرائی کب
گوندھ کر ہاتھ پاؤں میں رنگیں — اُسنے مہندی مرے لگائی کب

تجھسے ملنے کا رونا مجھے ارمان ہو نوج — تو ہے بے دید ترے گھر کوئی مہمان ہو نوج
ناک میں دم تھا چھڑایا ہے خدا نے اَنّا — عشق کے بند میں پھر بند مری جان ہو نوج
اٹھا میں نے اُسے سخت کڑا ہے رنگین — اے دوا جان کوئی ایسے کے قربان ہو نوج

بھاتا نہیں ہے مجھکو گنواری ازار بند — جا کر دوا وہ لچھے کا لاری ازار بند
ہمسائی پر یہ وقت پڑا ہے کہ تیس دن — بُن بُن کے بیچتی ہے بچاری ازار بند
ڈھیلی گرہ لگاؤں تو اَنّا یہ کہتی ہے — آیا نہ باندھنا تجھے واری ازار بند
باندھوں جو کھینچ کر تو یہ کہتی ہے وہ مجھے — کیا کس کے باندھتی ہے تو پیاری ازار بند

دہر کر دیتی ہے وہ کھانے کو لڑکر مجھسے روز — آج سے میں ساتھ اُسکے کھانا کھاؤں دور پار
کیا گئی گزری ہوں میں ایسی کہ جاؤں دوڑ کر — اور منا کر ساتھ اپنے اسکو لاؤں دور پار
ہو وہ دن ناپید جس دن بھیجکر دائی وہاں — واسطے اپنے کچھ اس سے میں منگاؤں دور پار

اُس نے ہمسائے میں آکر گھر لیا تو کیا ہوا
اب اُسے آواز میں اپنی سناؤں دور پار

دلبہ میرے نقش ہیں رنگیں کی سارے شوخیاں
اُسکی بجوائی ہوئی مہندی لگاؤں دور پار

کروں میں کہاں تک اشارات روز
تمہیں چاہیئے ہے وہی بات روز

کہاں تک سنوں کان تو اُڑ گئے
تری سنتے سنتے حکایات روز

گئے ہیں مرے گھر میں سب تجھکو مار
کیا کر نہ رنگیں اشارات روز

کرتی جالی کی مجھے بھاتی ہے ہلکی ہلکی
کیوں مجھے واسطے باجی نے سلائی کشواز

تو دوا ایک ہے اللہ سے او حرفت باز
قادری مانگی تھی تو دوڑ کے لائی کشواز

رشک سے منہ پہ سبنتی کے گئی پھول بسنت
میں نے رنگیں یہ سبنتی جو رنگائی کشواز

اتنی بندی نہیں ہے چاہ سے خوش
جتنی گوپال کی ہے نباہ سے خوش

تیس دن میں کسی سے ملتی نہیں
ہوں ملاقات گاہ گاہ سے خوش

وہ جو آئے مرے گھر میں تو مجھے جاوے لوٹ
جاؤں گھر اُسکے تو مجھسے کرے وہ پان دریغ

دل کی میں نے دی تھی کمبخت کہ اُس سے اُنا
نہ کیا میں نے تو مال و دل و ایمان دریغ

آج رنگیں کو بلاتی ہوں میں اور گھر میں مرے
کچھ مہیا بھی نہیں عیش کا سامان دریغ

مجھکو اس بات کا نہیں ہو کا
بندی رکھتی ہے گاہ گاہ کا شوق

اب میرے دُگانا کو مرا دہیان ہے کیا خاک
انسان کی انا سے پہچان ہے کیا خاک

کشتی میں کچی تیل کی انا انڈیل ڈال — سوکھے ہیں بال سر میں مرے آگے تیل ڈال
یارب شب جدائی تو ہرگز نہ ہو نصیب — بندی کو یوں تو چاہے تو کولہو میں پیل ڈال

شوق مجھ کو کھوج سنی کو جو ہے اس بات سے کم — بولتی مجھ سے دگنا ہے بہت رات سے کم
مان کرتی ہے عبث اپنے وہ جوبن پہ دوا — گات میری بھی زناخی کی نہیں گات سے کم
بھیجتا روز ہے رنگیں مجھے پیغام سلام — اور میں آگاہ ہوں اس حرف و حکایات سے کم

کوئی پیس کر خوب سی لال مرچیں — تے دونوں دیدوں میں بھر جائے آتوں

گر کہے گی مجھ سے کچھ منھ پھوڑ کر باجی تو پھر — ٹھنڈی کر ڈالوں گی میں ہاتھوں کی ہاتھوں ہڈیاں
اب ہوس باقی نہیں رنگیں کہ میں نے بارہا — پہنیاں سب رنگ کی ہیں بھاری بھاری چوڑیاں

شنقلین یوں چڑھیں نظر میں تمہاری گھیاں — اور میں کوٹھے سے اسطرح اتاری جاؤں

یوں بولتی ہوں ایل بڑا خاک چاٹ کر — گوئیاں کیطرح جھاڑو کی تیلی نہیں ہوں میں
ہیں حرفتیں بھری مری رگ رگ میں کوٹ کر — رنگیں تری طرح سے رنگیلی نہیں ہوں میں

اب تجھ سے خدا سمجھے تو ہے زہر کی اک گانٹھ — تجھ پر کہیں ٹپکی پڑے درگاہ کی گوئیاں
ہے دل میں ہوس اپنے تو رنگیں کی ہوس ہے — خواہش ہے نہ دولت کی نہ کچھ جاہ کی گوئیاں

طبیعت چاہتی ہے اس کو میسری — کھنچی اس سے بھلا کب تک ہوں میں

چمٹتا ہے وہ سو سو بار آکر — بچی اس سے بھلا کب تک رہوں میں

جو ہونی تھی سو بات ہو لی کہارو — چلو لے چلو میری ڈولی کہارو
بچھڑ جاؤ نگری سے مرجاؤ سارے — لگے تمکو ایسی ہی گولی کہارو
چلو ہولے ہولے دہک سے نہ بجتی — گئی سب مسک میری چولی کہارو
مرے مغز کے بس اڑا دو نہ کیڑے — سناؤ نہ اپنی یہ بولی کہارو
الٰہی کرے نکلے تالو میں گلٹی — یہ جیسی زباں تم نے کھولی کہارو
جو ہیں اتری ڈولی سے ہیں وہیں تمنے — پٹاری مری سب ٹٹولی کہارو
ذرا گھر کو رنگیں کے تحقیق کرو — یہاں سے ہے کے پیسے ڈولی کہارو

تو تو محرم نہیں مت ہاتھ لگا چھاتی کو — سخت بیرحم ہے تو اوہی مریجان گئی
بولے وہ آؤ گے کب میں نے تب اُنسے کہا — بندی ہرگز نہیں اب تک کہیں مہمان گئی
ٹیس پیڑو میں اٹھی اوہی مریجان گئی — مت ستا مجھکو دوگانا ترے قربان گئی
تجھے جب تک نہ ملی تھی مجھے کچھ دکھ ہی تھا — ہاتھ ملتی ہوں بری بات کو کیوں مان گئی
زہر لگتی ہے مجھے تیری یہ چنچل بازی — یاں ترے آنے سے باجی تجھے پہچان گئی
ہے رنگیں سے کہیو آنکھ لڑی ہے پہ سمجھ کے — کچھ تو گھبرائی ہوئی پھرتی ہے اوسان گئی

شکل باجی کی جو یاد آتی ہے — تو اجی روح نکل جاتی ہے
کھو چڑا جاے مری آنکھوں کا — نیند کیوں ان کو نہیں آتی ہے

آج دروازے پہ نوبت جو دھری جاتی ہے — میری کو کالی اجی گود بھری جاتی ہے

میری چھو چھو کی جی کوئی بڑھا دے پشواز
بوجھ سے اسکے سنبھلتی وہ مری جاتی ہے

سامنے سے مری کوکا کے پرے ہٹ دائی
میری صورت سے وہ ڈر پوک ڈری جاتی ہے

میری پروا نہیں رنگیں کو اری آنا جان
اسکے پاس ایک نئی رنڈ پری جاتی ہے

کل وہ لشکر کو سدھارے گا سنا ہے میں نے
جا کے لادے تو مجھے اسکی نشانی باندی

اور تو کیا کسی لوٹھے سے تجھے دوں گی بیاہ
لائے گر اس کا تو پیغام زبانی باندی

اتنا بڑا ہی مسا ہے اک اسکی ناک پر
جتنی بڑی دا مری انگلی کی پور ہے

شاید کہ ہو گیا ترا میٹھا برس شروع
کوکا کچھ ان دنوں تری چاہت کا شور ہے

میں تو وہ اوڑھنے کی نہیں کل کی اوڑھنی
باجی مجھے اوڑھا دو جھاجھل کی اوڑھنی

بھیجا ہے گوٹ کا یہ دوپٹہ مجھے چہ خوش
اور آپ اوڑھ بیٹھیں سلسل کی اوڑھنی

گرمی کے مارے ناک میں آیا ہے دم مرا
آنا اوڑھا دے لاکے کوئی ہلکی اوڑھنی

برسات اسکو کہتے ہیں جی جس بہار میں
سر پر ہوا کے ہوتی ہے بادل کی اوڑھنی

پہونچی لچک کمر کو ارے لوگو دوڑ یو
کولے تلک جو سر سے مری ہلکی اوڑھنی

بھاری بہت منگا دے کہ سر پر لگائیں
سر پر مرے ٹھہرتی نہیں ہلکی اوڑھنی

پھنسا دیا مجھے رنگیں کے دام میں ناحق
کٹے الٰہی کرے ناک میری دائی کی

تھوکتا بھی تو نہیں ہے مردوا اسکو کوئی
اتنا اتراتی ہے جوبن پر وہ اکس واسطے

ریختی کہنی اجی رنگیں کی یہ ایجاد ہے
منھ چڑاتا ہے موا نشا جیا کس واسطے

نکلا عید کا چاند جو گھر سے شکر والا نکلا آج — کیوں نہ پھروں میں ہلی گھلی اوپر والا نکلا آج

مجھکو روتا دیکھکر بولی دو دا زاری نکر — تیرے صدقے ہوکے مرجاؤں میں جی بھاری نکر

ہر مہینے میں کڑھاتے تھے مجھے پھول کے دن — ہائے اب کے تو مجھے ٹل گئے معمول کے دن

اب کے یہ عہد ہے کہ جو بارہ وفات ہو — تو میرے اور تیرے دوگانا وہ بات ہو

دل ہو خون اور حنا کو بھاگ لگے — اس تری منصفی کو آگ لگے

رونق سید محمد محسن نام ہے تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں بچپن ہی سے شاعری کا شوق ہے۔ چھ سات برس ہوئے جب بغرض امتحان کے لکھنؤ آئے تھے تو مجھسے ملے تھے پانچ غزلیں بغرض اصلاح دکھائی تھیں۔ اب عرصہ سے معلوم نہیں کہاں ہیں۔ عاشقانہ اور غریبانہ دونوں رنگ کے شعر کہتے ہیں۔ طبیعت میں شوخی ہے۔ اگر اسی طرح کہتے رہے تو کسی وقت بہت اچھا کہنے لگیں گے۔ چند شعر ظریفانہ رنگ کے نمونتاً درج کرتا ہوں۔

سمند عمر بھاگا ہے اگاڑی نے پچھاڑی ہے — زمیں سونگھے گا آگے چلکے اک گنجان جھاڑی ہے

حرم سے شیخ نکلے ہیں غٹر غوں کی صدا دیتے — مگر نظریں حسینوں پر ہیں اور ہاتھوں میں داڑھی ہے

نگوڑے عاشقوں کا آج کاٹینگے وہ شاید — امین آباد میں بیٹھے ہیں ہاتھوں میں کلہاڑی ہے

وہ ڈھیچوں ڈھیچوں کرتے ہیں کوئے ناز میں آکر — محلہ والے کہتے ہیں گدھا کوئی پہاڑی ہے

لو وہ آتی ہیں بوا اماں کی بھڑکائی ہوئی — ہائے دیا کیا کروں میری تو رسوائی ہوئی

اے بوا میں کیا کروں سنڈی رحیماً کے لیے
میری جوتی سے جو وہ پھرتی ہے گدائی ہوئی

اے ذرا پنکھے تو بیٹھو کوئی دیکھے گا اگر
رکھی رہجائیگی یہ اڑ ہی جو رسوائی ہوئی

دولھا بھائی آرہے ہیں لکھنؤ سے شام کو
باجی آج آپا ہیں کچھ چپکی سی شرمائی ہوئی

شیریں سے کہنے لگے فرہاد بھیا ایک دن
یہ تو بتلا دو کہ کیوں پھرتی ہو اٹھلائی ہوئی

کہیں کنجڑے کہیں بہنے کہیں منہا بیٹھے ہیں
جدھر دیکھو تمھارے طالب ~~تمھارے عاشق~~ بیٹھے ہیں

ریاض - منشی ریاض احمد نام ہے خیرآباد ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے شاگرد ہیں اسوقت ستر پچھتر برس کی عمر ہے - راقم حروف کے حال پر نہایت عنایت فرماتے ہیں اور میں بھی اُن کو بمنزلہ بزرگ مانتا ہوں - ریاض ایک زندہ دل نیک طینت خوش وضع انسان ہیں - آپ کی شاعری رنگ قدیم میں نہایت بہتر ہے بلکہ میرے نزدیک داغ کے رنگ کو ریاض سے اچھا کہنے والے منشی امیر احمد کے شاگردوں میں بجز حضرت ریاض کے کوئی صاحب نہیں ہیں - ممکن ہے کہ یہ بات اُن کے لئے قابل افتخار نہ ہو مگر پھر بھی زمانہ اسکی قدر کرے گا - اور کرتا رہا ہے -

زمانہ حال میں شاعری کی دنیا بدل گئی ہے - اور اب طبیعتوں کا رجحان الفاظ کی تراش خراش - ترکیبوں اور بندشوں - سوز و گداز غیر فطری کی طرف زیادہ ہے - مگر ریاض کے یہاں قدامت کے ساتھ وہ انبساط وہ شوخی وہ شگفتگی وہ دل کشی اور رندانہ مضامین جو خوشی کی افراط ہے کہ زمانہ نے اُن کی شاعری کو خمریات ریاض مطائبات ریاض کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے - اور آج میں اُن کے اشعار کی شوخی ظرافت آمیز دیکھکر اپنے تذکرہ میں ان کا خمریاتی رندانہ - معاملہ بندی کا رنگ لکھنے اور اس تذکرہ کے لئے انتخاب کرنے پر مجبور ہوں - ہر چند بعض حضرات کے لیے یہ ایک جرأت غیر معمولی سمجھی جائے گی مگر مطائبات ریاض

محرومی میری تذکرہ کی ناکامی کا باعث ہوگی۔ بعض تذکرہ نویسوں نے ریاض کی شاعری پر یہ رائے قائم کی ہے اور یہ ضرور ہے کہ سچے عشق کی تصویریں اُن کے ہاں کم ملتی ہیں۔ بلکہ اُس کے برخلاف بعض بعض شعر غزل میں ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو بداخلاقی کا محرک کہنا نازیبا ہے اور یہ بات اصول شاعری کے خلاف ہے۔ یہ ایک معاصر تذکرہ نویس کی رائے ہے مگر مجھے فرض نہیں کہ میں اُس کا اتباع کروں۔ میں ریاض پر یہ کوئی الزام نہیں رکھتا۔ البتہ البتہ جن شعروں میں اُن کی فطرتی شوخی نے اعتدال سے باہر قدم رکھا ہے اُن کے مہذب اور شستہ ظرافت کے دائرہ میں لاتا ہوں۔ وہو ہذا۔

نہ آیا ہمیں عشق کرنا نہ آیا — مرے عمر بھر اور مرنا نہ آیا

مے چرانے میں ہمیں ہے بدطولی کیسا — ہم اڑا لائے سبو آج اچھوتا کیسا

جائیے جائیے ہم حشر میں سننے کے نہیں — آئیے آئیے اب وعدۂ فردا کیسا

قرض لایا ہے کوئی بھیس بدل کر شاید — میفروشوں کا ہے واعظ سے تقاضا کیسا

جب یہ ملجائیں کلیجے سے لگالے ان کو — ان حسینوں سے کسی بات کا شکوا کیسا

شوق سے میں نے رہ عشق میں کاٹے ہیں پہاڑ — کوہ کن ہو تو ہو میں تو کوئی مزدور نہ تھا

صدقے صبح وصل کے شکوا مرا جاتا رہا — اُن کا شکوا رہ گیا میرا گلا جاتا رہا

دست شفقت اسطرح اک رند نے پھیرا ریاض — بیٹھ کر یاد خدا میں جھومنا جاتا رہا

یہاں وہ لے دے ہوئی آکر کہ الٰہی توبہ — ہم سمجھتے تھے کہ محشر میں تماشا ہوگا

یہ دن ہے حشر کا ہو کر رہیگا وہ جو ہونا ہے — ارے جھوٹے کچھ اب قول و قسم سے نہیں سکتا

چھپ کے راتوں کو کہیں آپ نہ آئے نہ گئے — بے سبب نام ہوا آپ کا روشن کیسا

مے چھین کر کسی سے جو پیتے تو تھی خطا — جب دام دیکے پی تو گنہ کیا کسی کا تھا

یہ اپنی وضع اور یہ دشنام مے فروش — سنکر جو پی گئے یہ مزا مفلسی کا تھا

چن چن کے آج شیخ نے انگور کھالئے — اب کیا رہا ہے تاک کا حاصل نکل گیا

میرے گھر مثل تبرک کے یہ ساماں نکلا
آستیں قیس کی فرہاد کا داماں نکلا

نیچی داڑھی نے آبرو رکھ لی
قرض پی آئے اک دکان سے آج

کوئی منہ چوم لے گا اس نہیں پر
شکن رہ جائے گی یونہیں جبیں پر

جناب شیخ نے جب پی تو منہ بنا کے کہا
مزا بھی تلخ ہے کچھ بدبو بھی خوشگوار نہیں

حنا لگا کے پہونچتے ہیں گلرخوں میں ریاض
کچھ ان کی ریش مبارک کا اعتبار نہیں

یہ الجھے ہیں رندوں سے کیوں شیخ صاحب
بڑھاپے میں کیوں داڑھی رنگوا رہے ہیں

اک ٹیپ ماری زور سے زاہد کے اے ریاض
اب ہاتھ مل رہے ہیں کہ اچھی پڑی نہیں

بوتل کا کاگ زور میں تو یہ کہ لے اڑا
ہم گل چلوں کے ہاتھ کی گولی رکی نہیں

کریں گے کیا نہ کریں گے جو مے سے ہم توبہ
کہ اب دکان سے ملتی ادھار بھی تو نہیں

شیخ صاحب کیا چھپا کر لے چلے رومال میں
کچھ نہ کچھ حصہ رہے یاروں کا بھی اس مال میں

مے ریاض آپ بھی پیتے ہیں بایں ریش سفید
ہائے یہ نور کی شکل اور سیہ کاروں میں

ہم بند کئے آنکھ تصور میں پڑے ہیں
ایسے میں کوئی چھم سے جو آجائے تو کیا ہو

اٹھو او میرے سے ساغر ریاض جلد
آتے ہیں اک بزرگ پرانے خیال کے

دلائے یاد جو وعدے تو بولے جھنجھلا کر
یہ اور حشر میں لینے کو آبرو آئے

ریاض آئے تو لوگوں نے میکدہ میں کہا
کہاں یہ آج بزرگ فرشتہ خو آئے

ہماری نظر حشر میں شیخ پر تھی
وہ سر پر لئے حوض کوثر نہ نکلے

اہل حرم میں جا کے بنا آج شیخ وقت
کافر ریاض پیر کلیسا کہیں جسے

آئے میخانے میں جب مسجد جامع سے ریاض
ساتھ ہی آپ کے قبلہ سے گھٹا بھی آئی

عمر کیا ہے ابھی کم سن ہیں تنہا لیٹیں
سو رہیں پاس مرے خواب میں ڈر نہ دلائے

ختم مسجد میں مے ناب بھرین جاڑوں میں
ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے ٹھٹھر نہ جائے

واعظ انگور میں ہے دختر رز رو بہ نقاب
آنکھیں پھوٹیں جو ادھر تاک لگائے کوئی

ہمارا عیب کھلتا ہے دکھلتی ہے چھپی تو تل
ہمارے کام کیا کیا جامۂ احرام آتا ہے

عادت وہ بری شے ہے جو کھانے کو ملا بھی
بے مے کے مرے حلق سے اترے نہ نوالے

شیخ صاحب برائیاں مے کی
اور جو کوئی چپت کی آجائے

کاتب اعمال سنکلے کام کے
مل گئے دو دو شریک الزام کے

پاس آداب بزرگی ہے بایں وضع جنوں
جب چلے ناصح جھکے ہم بندگی کے واسطے

اتر گئی سر بازار شیخ کی پگڑی
گرہ میں دام نہ ہونگے ادھار پی ہوگی

شیخ جی گر گئے تھے حوض میں میخانے کے
ڈوب کر چشمۂ کوثر کے کنارے نکلے

بانس پر میکدہ میں تجھکو چڑھایا ہے شیخ
پھر بھی اونچے تری مسجد کے منارے نکلے

یہ کیا مذاق فرشتوں کو آج سوجھا ہے
ہجوم حشر میں لے آئے ہیں بلا کے مجھے

چھیڑ کر مجمع زہاد کو ڈرتا ہوں ریاض
کہنہ مسجد کے عوض ہو نہ مرمت میری

شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی
میکدے سے اب پرانی جائیگی

حرف زا

زاغ - یہ تخلص تھا جناب منشی محمد مبین صاحب نازش بدایونی کا - ابتدائے شباب میں کچھ اپنے جوش کچھ احباب کی فرمائش - کچھ ضرورت زمانہ کچھ امرا کے خوش کرنے کے لئے ظرافت کے رنگ میں بھی شعر کہتے تھے - اور بعض شعر اس رنگ میں بے مثل اور لاجواب ہوتے تھے - اب ظرافت گوئی بالکل ترک کر دی ہے - مگر متین اشعار میں رندانہ شوخیوں کی جھلک باقی ہے نازش ایک پختہ مشق زود گو اور پر گو شاعر ہیں لیاقت اُردو فارسی بقدر ضرورت شعر بہت کافی ہے - نثر نویسی میں بھی کافی مہارت ہے - حتیٰ کہ بعض اخبارات اور رسائل کے آپ ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں - اور اب بھی یہ مشغلہ جاری ہے - آپ کی تصنیف سے کئی ایک ناول اور دوسری نثر کی کتابیں بھی ہیں - ایک دیوان جو انواع سخن سے لبریز تھا - اتفاق سے ریل کے سفر میں گم ہو گیا - مگر انھوں نے محض حافظہ کی مدد سے کام لیکر دوبارہ اس کو جمع کر لیا مزاج میں ایک قسم کی شوریدگی بھی ہے - اور رنگینی بھی - قوت واہمہ زیادہ ہے - حتیٰ کہ بعض اوقات معمولی معمولی باتوں پر الجھ جاتے ہیں - اور پھر مدتوں اس شخص سے صاف نہیں ہوتے دہلی میں زیادہ تر قیام رہا - اب عرصہ سے لکھنؤ میں مقیم ہیں مگر پھر بھی جب جی چاہتا ہے بریلی کان پور - دہلی چلے جاتے ہیں اور مہینوں واپسی کا نام بھی نہیں لیتے مرزا غالب کے پیرو ہیں اور اپنے تلمذ کو مرزا کے نامور شاگرد حضرت زکی مرحوم سے منسوب کرتے ہیں - مجھ سے عرصہ سے ملاقات ہے - مگر پھر بھی اکثر باتوں پر خفا ہو جاتے ہیں - اور ہموار کرنے میں بڑی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے - کلام ظرافت کے لئے میں نے بہت کچھ خوشامد کی مگر وہ کسی طرح کلام دینے پر راضی نہ ہوئے - آخر کار جناب نواب علی حسین خاں صاحب برق شاہجہانپوری

جو ایک وقت میں ان کے حریف ظریف رہے ہیں تھوڑا سا کلام مل گیا۔ جو درج کرتا ہوں۔ نازش کی عمر اسوقت تخمیناً پچاس برس کی ہوگی۔ مگر طبیعت میں جوانی کی شوخی اور دل میں اوائل شباب کی امنگیں باقی ہیں۔ تاہل اور خانہ داری کے مخمصوں سے بالکل آزاد تنہا گوشہ عافیت میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مٹی ہے سوز ظلمت سے لیلیٰ شب نے — ازار صبح کی میانی اُدھڑ گئی ہوگی
رقیب ناچے گا لکڑی کے بل سر محفل — جو اُن کے دست مبارک میں لٹھ گدگدی ہوگی

سنڈاس کی بدبو کا فغاں میں اثر آئے — نالوں میں مرے نکہت گوز شتر آئے
وہ مجھسے یہ کہتے ہیں کہ کیوں میرے گھر آئے — جوتے سے خبر لوں گا جو اب کے اِدھر آئے
بھنگن پہ طبیعت کبھی موہوبن پہ طبیعت — اے حضرت دل آپکے دشمن کدھر آئے
گرگٹ کو جو یاروں نے بڑے غور سے دیکھا — تیرنگی عالم کے کرشمے نظر آئے
دکان دل عاشق صراف پہ کل وہ — دینے کے لئے مرہم داغ جگر آئے
بسکٹ نہ سہی نان خطائی کبھی دکھلا دے — مدت میں ترے عاشق خستہ جگر آئے
وہ مانگتے ہیں زاغ کے آنے کی دعائیں — اڑتا ہوا اللہ کا مارا ادھر آئے

لاش پر سادہ مزاجوں نے ملا کافور ہے — زاغ بگلا بن گیا میت پہ ہیرو نور ہے
پاک نیت سے رخ روشن کا نظارا کرو — غیر کو بھیا بنا لو یہ ہمیں منظور ہے

ہم در حسن پہ کیوں ڈاٹ لگائیں صاحب — واہ اچھی کہی یہ کام ہے معماروں کا
ضبط ہو جائیگی شمشیر ادا تیغ نظر — آپ لیسنس نہ رکھینگے جو ہتھیاروں کا
سن کے یہ بات کہ ہے انکی سواری میں گدھا — چرخ چارم پہ دماغ آج ہے گھسیاروں کا

میرٹھی ملا سے یہ پوچھے کوئی　　کیا زبانِ زاغ ٹکسالی نہیں

زاتی - دکن کے ایک مشہور ہزال تھے - میر غلام حسین افسق برہانپوری انھیں کے شاگرد تھے - گیارہویں صدی ہجری کے شاعر تھے - کلام باوجود تلاش بھی دستیاب نہ ہوسکا ایک مرتبہ ایک شخص سے کچھ شعر سنے تھے اب وہ شخص بھی نہیں - مجبوراً خاموش ہوتا ہوں -

---

زیٹر - سید باقر حسین نام ہے - سنا ہے کہ مشک گنج لکھنؤ میں قیام ہے - نہایت قابل اور فاضل شخص ہیں گو مجھ سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی - مگر سنا ہے کہ پچاس پچپن سال کی عمر ہے ایک غزل مطبوعہ نقل کرتا ہوں باقی کلام ایک صاحب سے زبانی سنا تھا اور لکھ لیا تھا - زیادہ حالات معلوم نہیں -

ہے جگر بے رحم کے سینہ میں سنگیں دل کے پاس　　سنگ خارا کی ہو یا رکھی ہوئی سل سل کے پاس
یار نے پاے میں کیوں پلے اگر جاتے ہیں ہم　　بھونکتے ہیں اور چلے آتے ہیں سب پل پل کے پاس
ناک کے پہلو میں مسہ گال پر ہے یا کے　　اک پہاڑی پر رکھی ہے سیہ فلفل کے پاس
کیا بتائیں حسن تیرے کس کس جگہ ہیں جاگزیں　　دل کے اوپر دل کے نیچے دل کے اندر دل کے پاس
یوں چمکتا ہے دہن پر ناک میں اُن کا بلاق　　آگیا بیتال ہے گویا چہ بابل کے پاس
گر طلسم اختلاج قلب مانگا بولے وہ　　یہ سلیپر میری لٹکا لے تو اپنے دل کے پاس
ہے حسین پر شکن کے نیچے یہ لمبی سی ناک　　یا کھرل کا رکھدیا نیچر نے بٹہ سل کے پاس
پھرتا ہے اسوقت زیٹر اُس کے رخ کے ارد گرد　　گھومتا ہے یا چکور اسلام مہ کامل کے پاس

جب تلک اس دست نازک کی ہوا کھائی نہ تھی　　گدہ گاہ شیخ جی منت کش نائی نہ تھی
بے سبب کس واسطے پھسلا مرا پائے نظر　　سبزۂ خط عارض جانانہ تھا کائی نہ تھی

کون کہتا ہے کہ غالب کی اندھیری قبر میں　　کاوکاؤ سخت جانیہائے تنہائی نہ تھی

سر میں جوئیں ہیں اُن کے آہو ہیں ملتفت میں　　یا ننھے ننھے ہاتھی پھرتے ہیں کجلی بن میں

زیرک ۔ گوبند رام نام تھا ایک کشمیری پنڈت تھے جو لکھنؤ میں رہتے تھے ۔ شعر و شاعری سے انتہائی ذوق تھا اور فن شعر کے نہایت اچھے جاننے والوں میں تھے ۔ ایک مرتبہ محمد علی خیر نے کشمیریوں کی ہجو میں ایک قطعہ کہا تھا اتفاق سے وہ قطعہ زیرک کی نظر سے بھی گزرا انھوں نے اُس کے جواب میں بہت سے قطعے کہے چند شعر حزیں کے قطعہ کے اور کچھ شعر زیرک کے قطعے کے تفریح طبع ناظرین کے لئے نمونتاً لکھے جاتے ہیں ۔

اشعار قطعہ حزیں

شرح قومی شنو از من کہ ندارند نسب　　ادب و شرم و حیا غیرت از ایشاں مطلب

ہمہ حمامی و دلاک بود اعلا لش　　ما بقی دلہ و سادہ دگر ارباب طرب

در حسب نامہ شاں از ہمہ خلق جدا است　　در نجابت بعزازیل رسانند نسب

کس ندیدہ بوطن مردن کشمیری را　　در جہاں چوں صف مور رند روان در طلب

یک ازیں قوم ندیدہ است و نوبت کشمیر　　بر نگردد چو ز سوراخ برآید عقرب

پے یک حبہ دوانند شتابان بہ دمشق　　نزد ایشاں دو قدم راہ بود تا بہ حلب

بے سبب نیست اگر دوستی اظہار کنند　　بعداوت چو در آیند مجوئید سبب

در محبت چو ذباب و بمروت زنبور　　بسخاوت چو غراب و بشجاعت زنب

جزو نظمے کہ کنند خامۂ آنہا تحریر　　ہزج و سالم آنرا ہمہ بینی اخرب

گر کشند از تن زارت چو سپش خوں چہ عجب　　در بریند از گفتا یماں چہ بعید و چہ عجب

کفش و پا جامہ نماند بہ یکے از عجمے — لنگ و عمامہ تمامی برد از اہل عرب
تا نمی زاد ز دنیائے دنی کشمیری — کاش این قحبہ ستروں بدی ابلیس غرب

جواب زیرک

شیخ شیطاں کہ حزین نام و خطابش آمد — در سخن یافت ز ریں جزو زماں تا منصب
بیحیا آب نہ در چشم و نہ بر رو دارد — خاک او ساخت مخمر زپے خلعت رب
قلتباں چوں نہ دہد باق عروساں ساماں — میہماں جفتہ زنانند بخوابش ہر شب
ہمچو پیکان دلش غیر دل آزاری نیست — چوں کماں خم نشود پیش کسے جز مطلب
خانہ اش نے بہ فلک ہست نے بر روئے زمیں — سر بسر خانہ بر انداز چو راس است و ذنب
ساکن دیر شد و زائر بتخانہ ہند — غور کن بودن او را بہ بنارس چہ سبب
کیست در شیطنت اے شیخ بگو استادت — کہ عزازیل بود پیش تو طفل مکتب
فتنہ ہا زاد بہ ایران ز وجودت شاید — مادرت ام خبائث شد چوں بنت عنب
چوں تو موذی نبرد راہ دگر رہ بوطن — روئے سوراخ نہ دید است و نوبت عقرب
حرف بد جز بہ زبان و لب بد کے آید — بد اگر در حق نیکاں تو بگوئی چہ عجب

حرف سین

سب رنگ ۔ قاضی عبدالمغنی نام تھا بدایوں کے رہنے والے تھے قمر صاحب کے شاگردوں میں تھے ۔ ظرافت گوئی کا شوق تھا اور نہایت اچھے شعر اس رنگ میں نکال لیتے تھے ۔ چند شعر مل سکے یہ ہیں ۔

فضول کس لئے تکلیف ہو پکانے کی — لگاؤ تاک کہیں روٹیاں چرانے کی
اسی سے تونے مرے دل میں پھیر دی جھاڑو — تری نظر نہیں کنجی ہے مال خانے کی
اگرچہ گنج تو باقی نہیں ہے اب لیکن — ابھی تک آپکو عادت ہے سر کھجانے کی
وہ زندگی میں چرا لے گئے تھے دل میرا — اب اُن کو فکر ہے میرا کفن چرانے کی
سنا ہے میں نے تمہیں اوپہ کاٹ کھاتے ہیں — یہی سزا ہے رقیبوں کے منہ لگانے کی
سنا ہے پیٹ میں آج اُن کے درد اٹھا ہے — سزا ملی انھیں سب رنگ کے ستانے کی

سجاد حسین ۔ یہی مشہور و معروف ذات تھی جنکی ادارت میں ہندوستان کا ہر دلعزیز ظریف اخبار اودھ پنچ سابق ۱۸۷۷ء سے ۱۹۱۲ء تک نہایت شان اور آن بان سے نکلتا رہا منشی محمد سجاد حسین مرحوم کے والد منصور علی صاحب ڈپٹی کلکٹر تھے جو پنشن لینے کے بعد اک عرصہ دراز تک حیدرآباد میں سول جج کے عہدہ پر ممتاز رہے ۔ منشی صاحب موصوف ۱۸۵۶ء میں بمقام کاکوری ضلع لکھنؤ پیدا ہوئے اوائل عمر میں زیر نگرانی نواب فدا حسین صاحب لکھنؤ میں تعلیم پاتے رہے اور ۱۸۷۳ء میں انٹرنس کا امتحان پاس کرکے کچھ دنوں تک کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف اے میں تعلیم پائی ۔ مگر تعلیم سے دل اچاٹ ہوگیا ۔ اسی لئے امتحان میں شریک نہ ہوئے

بتلاش معاش فیض آباد گئے۔ اور وہاں فوج میں اردو پڑھانے پر مقرر ہو گئے۔ لیکن طبیعت کو اس کام سے بھی کوئی خاص لگاؤ اور مناسبت نہ تھی۔ اس لئے چند ہی روز کے بعد اس شغل کو ترک کر کے منشی محفوظ علی صاحب کے مشورہ سے اودھ پنچ نکالنا شروع کیا۔ اور اس میں اپنی خداداد ذہانت سے وہ طباعی دکھائی کہ چند ہی روز میں یہ اخبار نہایت مقبول ہوا اور ایسے ایسے نامہ نگار آپ کو مل گئے جنھیں جانِ ظرافت کہنا کسی طرح سے بیجا نہیں ہے۔ مرزا مچھو بیگ ستم ظریف۔ تربھون ناتھ ہجر۔ نواب سید محمد خاں آزاد۔ سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی منشی احمد علی شوق۔ منشی جوالا پرشاد برق۔ پنڈت رتن ناتھ سرشار۔ منشی احمد علی کسمنڈوی ابوالکلام مولانا امید امیٹھوی وغیرہ وغیرہ۔ ان مضمون نگاروں نے اور بھی اخبار کو چار چاند لگا دیئے۔ اور انھیں کی بدولت آسمان شہرت آفتاب بنکر چمکا۔ اودھ پنچ نے زبان اور لٹریچر کی وہ گرانبہا قابل قدر خدمات انجام دیں کہ آج تک یادگار ہیں۔

اخبار کے علاوہ منشی صاحب موصوف نے چند ظریفانہ ناول بھی تصنیف کئے جو آج بھی دنیائے ظرافت کے لئے مایۂ صد ناز ہیں۔ جن میں سے حاجی بغلول۔ احمق الذین۔ پیارے میاں میٹھی چھری۔ قابل ذکر ہیں۔ رینالڈ کے ایک انگریزی ناول کا ترجمہ نہایت سلیس اور دلکش اردو میں کیا جسکا نام طلسمی خانوس ہے۔ گو یہ ناول ایک ترجمہ ہے۔ مگر طباعی اور ذہانت نے اس کو طبع زاد بنا دیا ہے ایک کتاب حیات شیخ چلی بھی نہایت دلچسپ آپ نے تصنیف فرمائی جسے ظریفانہ تاریخ میں ایک درجہ امتیاز حاصل ہے۔

منشی صاحب موصوف کو ایک مستقل شاعر کہنا زیادتی ہے۔ مگر اکثر جگہ اُن کی ذخار طبیعت سے نظم کے جواہر بھی نکل گئے ہیں۔ جو یقیناً ظرافت کے تاج کے لئے شاہوار موتیوں سے کم نہیں۔

آپ کی نثر کے فقرے۔ پھبتیاں بھی شعر سے کم نہیں ہیں۔ مگر ہم یہاں اُن کو نظر انداز کرتے ہیں اور صرف چند اشعار جو آپ کی تصانیف سے چنے ہیں درج کرتے ہیں۔

حیات شیخ چلی تمام ہوئی تو آپ نے یہ تاریخ لکھی۔

چھپے ہیں قصے جو شوخیاں ہیں طرف ہے جو ہر سوفی المثل فرخندگی خندیدگی
سال تاریخش جو ڈھونڈا ہاتف غیبی بگفت شیخ چلی آگئے دنیا میں با سنجیدگی
۱۳۱۹

حاجی بغلول جب کنڈے والی پر عاشق ہوئے ہیں تو ہجر میں کچھ استیاقیہ شعر بغلول کی زبانی آپ نے لکھے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

مرے دل کے مونڈھے پہ بیٹھو صنم تم تن زار گھٹکر ٹھٹھیرا ہوا ہے

یار دل کو کیوں ہے واقعہ یہ کھیل ہو گیا کیا امتحان عشق میں میں فیل ہو گیا
تن ہو گیا ہے سوکھ کے کانٹا ببول کا اپنے تو حق میں عشق امر بیل ہو گیا
اسٹیشن عدم کو چلے ہم فراق میں جانی تمھارا ہجر ہمیں ریل ہو گیا
دیوانی فوجداری سے جھگڑے میں عشق کے بغلول کیا ڈرے گا اگر جیل ہو گیا

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں آن کر دو ایک ہاتھ چاہ میں جب ڈول رہ گیا
پہونچا جب اُن کے گانوں میں اور رہ گیا منھ کھولے غم سے ہائے یہ بغلول رہ گیا

نالہ یوں ہم نے بطرز دگر ایجاد کیا ساتھ سائیس کو لے گا ونہیں فریاد کیا

بغلول کے مختار نامہ عام کا ایک شعر

سپردم انھیں مایۂ خویش را وہ جانیں حساب کم و بیش را

حاجی صاحب جب مقدمہ کی طرف رجوع کرتے ہیں تو فرماتے ہیں۔

عزیز و حق تعالیٰ کبریا ہے شرف جس نے عدالت کو دیا ہے

حاجی صاحب جب گڈھیا میں غرقاب ہو جاتے ہیں تو فرماتے ہیں۔

ہوئے بچکے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ در گڑھیا　　وہیں رہتے مثل مینڈک وہیں غائیں غائیں کرتے

سخی ۔ تخلص سید پرورش علی نام ۔ آپ کڑا ضلع الہ آباد کے باشندے اور سید جلال بخاری کی اولاد سے تھے ۔ رند مشرب ۔ آزاد مزاج ۔ یار باش خوش خلق ۔ پابند وضع آدمی تھے نماز روزہ کے پابند تھے ۔ بھاکا اور دونوں زبانوں کے شاعر تھے ۔ بھاکا میں انور تخلص تھا اُردو کے کلام میں نہایت شستہ اور رفتہ ظرافت ہوتی تھی ۔ ۱۲۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور پینسٹھ برس کی عمر پاکر ۱۳۹۳ھ میں وفات پائی ۔ نمونہ کلام یہ ہے ۔

بوسہ لِلّٰہ سخی مانگتا ہے　　ایک دیجئے گا تو دس پائیے گا
اتنا کہنا تھا کہ یوسف نہ کہو　　گالیاں دیں سر بازار یہ کیا
کہاں دن کو گھر بے محل جائیگا　　اجی جھٹ پٹے میں نکل جائیے گا
مرے دل میں آنیسے یہ فائدہ ہے　　ذرا اور سانچے میں ڈھل جائیگا
شیخ جی کہتے ہیں غنا کو حرام　　انسے پوچھو تو ہیں یہ گاتے کیا
سر جو ٹکراتا ہوں تو کہتے ہیں　　میرے دیوار کا خدا حافظ
ایک ہیں جس کا نامۂ اعمال　　دو فرشتے سیاہ کرتے ہیں
توبہ ہے شیخ جی بُرا نہ کہو　　دیکھو وہ بت کہیں خدا ہی نہو
دل کھلو : نہیں جو کہتے ہو　　ہم یہی لیں گے ہم یہی لینگے

سحر مولوی ۔ اودھ پنچ سابق کے ایک مضمون نگار ہیں جن کا نام اور حال معلوم نہیں غزل یہ ہے صنعت معرا عن المعنی میں کہی گئی ہے ۔

طباشیر سحر عکس بیاض رخ جاناں ہے　　چمک خورشید عالمتاب کی تنویر خوباں ہے
الجھتی زلف نیلی فام ہے شبدیز مجنوں پر　　کہ ناقہ کو خیال لیلی محشر خراماں ہے

نحافت میری پردہ ہے کس انداز رعنا کی
کہ مجھکو خواہش دیدار غافل کیش ہر آں ہے

زبانی کش ہوا میں کب تمہارے نہانی کا
مرا دل بھی گذر گاہ تجلی ہائے جاناں ہے

نہ کر منت کش تیغ ادائے یار عاشق کو
کہ ہر اک لخت دل پردہ آغوش ارماں ہے

تمنائے مصیبت آزما کچھ اور کہتی ہے
کہ وقف سادگی ہائے دل بیدرد و خوباں ہے

نہیں ہے رابطہ الفت کسی جز و حسیناں سے
کہ ہر اک بات میرا اک راز اک انداز پنہاں ہے

میں احساں کش ہوں کیونکر تیرے لطف بے نہایت کا
غم آوارگیہائے صبا مجھکو فراواں ہے

وفا سے حسرت رنگیں بیاں ہے جب ارادت ہو
تعجب کیا سحر گہ خار چشم نکتہ سنجاں ہے

سرشار شیخ رمضان علی نام ہے سندیلہ کے رہنے والے ہیں سید منصب علی صاحب بنسر تلمذ ہے۔ افیون کے متوالے ہیں اور اکثر اسی کی مدح میں شعر فرماتے ہیں۔ اب عمر تقریباً پچاس پچپن برس کی ہوگی تلاش کے بعد صرف دو شعر مل سکے وہ یہ ہیں۔

ایمان پہ کے کھائیں جو شیر کی ریوڑیاں
کیا مکھیوں کے چھتے ہیں مجھ ناتواں پہ

ہمارے ساتھ بھی سامان کیا کیا بیش قیمت ہیں
ادھر بقیلا ہے کولوں کا اُدھر بیاہ ہے افیوں کی

سرشار یعنی پنڈت رتن ناتھ سرشار مصنف فسانہ آزاد۔ سیر کہسار۔ جام سرشار وغیرہ آپ کے والد کا نام پنڈت بچھا ناتھ تھا۔ جو لکھنؤ کے ایک معزز کشمیری خاندان کے رکن تھے۔

سرشار مرحوم ظریف شاعر نہ تھے صرف نثار ظریف تھے۔ مگر روانی طبع میں اپنی نظموں میں سادہ وہ چلبلے اور چٹکیلے شعر کہہ جاتے ہیں جو دوسروں سے بالا رادہ کہنا بھی مشکل ہیں۔

اول اول میں اودھ پنچ میں ظریفانہ مضامین لکھتے تھے۔ اس اخبار سے بہت کچھ ان کی ظرافت نگاری کو ترقی ہوئی اور ایک عمدہ شاعر ظریف کی قابلیت اسمیں پیدا ہوگئی۔ مگر چند روز کے بعد اودھ پنچ کے نامہ نگاروں سے علیحدہ ہوگئے اور اودھ اخبار کی اڈیٹری کرلی۔ چونکہ

سجاد حسین مرحوم ایڈیٹر اودھ پنچ اودھ اخبار پر ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے تھے اور سرشار کو جواب دینا پڑتا تھا اس لئے آخر میں دونوں صاحبوں کے تعلقات کچھ اچھے نہیں رہے تھے۔ مگر انصاف اور حقیقت یہ ہے کہ سرشار نے جو کچھ سیکھا وہ اودھ پنچ ہی سے سیکھا اور باوجود اس کے کہ وہ شگفتہ بامحاورہ نثر لکھنے میں مشاق تھے۔ ہر طبقہ ہر فرقہ کے حالات اور محاورات سے باخبر تھے۔ ظرافت نگاری ان کا جزو تحریر ہوگئی تھی۔ مگر سجاد حسین مرحوم کی ظرافت سے اسکو ذرہ و آفتاب کی بھی نسبت نہیں ہے۔ رتن ناتھ سرشار جب ظرافت لکھتے ہیں۔ تو کچھ رسم و رواج کے نقشے کھینچکر کچھ محاکات پیدا کرتے ہیں کچھ اس فرقہ کے حالات لکھتے ہیں اور اُن میں محاورات کو داخل کرتے ہیں۔ کچھ اصطلاحات خاص لاتے ہیں۔ کچھ ضرب الامثال سے زینت کلام میں مدد لیتے ہیں۔ کچھ ہنسنے ہنسانے والے الفاظ استعمال کرتے۔ کچھ کلام کو طول دیتے ہیں۔ کچھ مشاہیر کے تڑپانے والے اشعار موقع بموقع لکھتے ہیں تب کہیں جا کر عبارت میں ایک لطف پیدا ہوتا ہے۔ اس میں بھی ایک نقاد کی پہلی نظر نکتہ چیں کو آورد کا عیب صاف اور کھلا ہوا نظر آتا ہے۔ اور دوسری نگاہ خوردہ بیں طوالت کلام کی وجہ سے ہر داستان کو سعدان بن لندہور کی داستان خیال کرنے لگتی ہے رنگین الفاظ کے قالب ظرافت کے نقش و نگار سے مزین اور مزین معلوم ہوتے ہیں۔ مگر وہ بہت چین سے زیادہ نہیں ہوتے نہ اُن میں کوئی روح ہے نہ جان ہے۔ عام نظروں کو دھوکہ دینے میں البتہ مدد کرتے ہیں۔ اس کے مقابلہ پر سجاد حسین مرحوم کی عبارت کو دیکھئے تو وہ عربی فارسی کے بلیغ اور وزنی الفاظ کی ثقالت کے باوجود بھی اتنی رنگین ظرافت میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ دیکھنے والے کو کوئی حصہ اور کوئی بیرونی اور اندرونی پردہ اس سے خالی نظر نہیں آتا۔ غور کرنے پر اس کے لطف میں برابر اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایک ایک سادہ فقرہ بھی اُن تمام فرائض کو ادا کرتا ہے جنھیں سرشار ایک ایک کر کے جمع کرتے ہیں۔ ایجاد۔ ایجاز۔ اختصار۔ فصاحت۔ بلاغت۔ ہر جگہ دوش بدوش نظر آتی ہیں۔ ایک ایک پھبتی ظرافت کے ایک ایک دفتر کا جواب ہے۔

ہر فقرہ پکارتا ہے کہ جس جگہ میں ہوں اس کے لئے وضع ہوا ہوں۔ ہر جملہ بتاتا ہے کہ اس رنگ خاص کا میں ہی آغاز ہوں اور مجھی پر اس رنگ کا اختتام ہے۔ سجاد حسین مرحوم کی عبارت کا دیکھنے والا بیساختہ کہہ اٹھتا ہے کہ ع بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری ۔۔ راقم الحروف جب سجاد حسین کی کسی عبارت کو دیکھتا ہے تو نعمت خان عالی یاد آتا ہے۔ صرف زبان کا فرق رہتا ہے باقی کچھ نہیں۔ ہاں اس میں کلام نہیں کہ ان جواہرات کو جوہری ہی پرکھ سکتے ہیں ناشناسان ظاہر بیں اسکی بلاغتوں کو دیکھ نہیں سکتے۔ اسی لئے کہیں سجاد حسین کے مقابلہ پر سرشار کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور کہیں کسی دوسرے کو۔ اس کے سوا کہ وہ اپنی پسند کے مختار ہیں عقل رسا۔ ذہن نقاد۔ ذوق سلیم۔ اُن کو مجبور محض بھی کہہ سکتا ہے۔ ایڈیٹر اودھ پنچ پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اُن کا تبسم قہقہے کی حدود میں پہونچ جاتا ہے۔ مگر وہ یہ نہیں دیکھتے ہیں کہ یہ تبسم اگر قہقہہ ہے تو اس سے ظرافتوں پر دوسرے خرمنوں پر بجلی گر جاتی ہے اور اگر تبسم ہے تو مزاح و مذاق کے ہرے بھرے چمن زار کو بھی یہی ایک غنچہ شرما دیتا ہے۔

سرشار مرحوم نے پچپن چھپن برس کی عمر پاکر ۱۹۰۳ء میں بمقام حیدرآباد انتقال کیا شاعری میں منشی مظفر علی اسیر مرحوم کے شاگرد تھے اور نہایت عقیدت رکھتے تھے۔ گو ظریفانہ کلام نہیں ملتا۔ مگر اُن کے متین کلام سے چند اشعار منتخب کرکے لکھتا ہوں۔

از مثنوی تحفۂ سرشار

لندن کی پلا دو آتشہ سے — اے پیر مغاں کدھر چھپا ہے
داتا پلوا شراب اچھوتی — خوشبو خوشرنگ تیز چوکھی
کوثر کی کھنچی ہوئی ہے منظور — لیڈی وائن جسے پئے حور
بدمست ہوں پی کے ایک چلو — زاہد کو بتائیں خوب الو

فتوی کا شیخ کا کون مانے — لاکھوں میں ہے کھلے خزانے
اے شیخ سب تجھے خدا کی سوگند — رندوں کی گرہ میں باندھ دے بند
لے منھ سے لگا لے جام بادہ — اک بوند ہی پی نہ پی زیادہ
کیوں شیخ کو اجتناب ہے یہ — کچھ زہر نہیں شراب ہے یہ
کیوں قبلہ اگر کوئی پری چھم — ہا ناز و کرشمہ و خم و چم
بحر خوبی ز پائے تا فرق — ہنستی کہتی ہوئی انا البرق
پھڑکاتی ہوئی وہ بوٹی بوٹی — ابھرا سینہ کھچوری چوٹی
پازیب کو خوب چھم چھماتی — پیاری پیاری کچھیں دکھاتی
لپٹا کے گلے کہے مری جان — جو کچھ کہوں مان لو میں قربان
پی لو یہ شراب پرتگالی — اٹھتی ہیں گھٹائیں کالی کالی
گورے ہاتھوں سے بی علی جان — میں صدقے لگا دو مجھکو اک پان
اس پان کو لے کے آپ کھاویں — بیٹھے بیٹھے مزے اوڑاویں
ادہرم ہو دہرم ہو پن ہو یا پاپ — جو کچھ کہے سب وہ کیجے آپ
اور میں بھی کہوں اٹھا کے چلمن — تسلیم جناب قبلۂ من
تڑکے شکلام پر درم ہو — شب کو کھٹکن سے وہ کرم ہو
کھٹکن نہیں ہے دہرم کو کھٹکا — سیکھا اچھا ہے تم نے لٹکا
یارو دنیا سے دوں ہے کس کی — میڈم کی نہ میم کی نہ مس کی
جنٹل مینوں کو دے تو دسکی — کسکی رہی اور رہے گی کس کی

نیچرل شاعری کا بہترین نمونہ سرشار نے اس انداز سے دکھایا ہے کہ اُن عیان بے خبر کو شرمانا چاہئے جو خواہ مخواہ ہر بے تکی بڑ کو شاعری سمجھکر اُسے نیچر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اے انجن ریل رہ نوردی — دے پھیپھڑہ دو بردی
اے کاگ جہندہ لیمونیڈ — دے برق جہندہ بریگیڈ
اے رشک خرام ریل گاڑی — دے رد کش ٹانگن پہاڑی
اے درنگ و پو برنگ دلدل — دے گولہ توپ جنگ کابل
اے تیر گمان ملک ایراں — دے برش خنجر صفاہاں
اے جوش ابال گرم ہانڈی — دے قلقل بوتل برانڈی
اے ریگ روان دشت خفچاق — دے چنگاری سنگ چقماق

ایک اور ساقی نامہ ہے جو سرشار نے اپنے سب سے زیادہ دلچسپ ہیرو خوجی کے نام سے فسانہ آزاد کی جلد چہارم میں لکھا ہے۔ خوجی فسانہ آزاد میں وہی درجہ رکھتا ہے جو سجاد حسین مرحوم کے ناول حاجی بغلول میں خود بغلول اور حرفہ ریوڑی یا احمق الذین میں بھولے نواب۔ آپ ایک حماقت کی سربند پوٹ ہیں۔ جس کے کھولنے یا کھلنے پر انواع انواع کی غیر ضروری اور ضروری حماقتیں برآمد ہوتی ہیں اور جب خوجی کی ذات سے خوجی کی حماقتوں کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو وہ ایک حماقت معرا کی دل خوشکن اور مضحک تصویر بنکر رہجاتے ہیں۔ ساقی نامہ کی نقل یہ ہے۔

اے ساقی مشک رنگ شب فام — دے بھر کے افیم ناب کا جام
جب تک ہے بدن میں جان باقی — ٹپکا منھ میں افیم ساقی
چینا بیگم کا عاشق زار — یعنی خواجہ بدیع بیمار
برسوں سے ترس رہا ہے ساقی — رہجائے یہ آرزو نہ خوجی باقی
ساقی قدح افیم دیدے — اور اُس میں ملا کے نیم دیدے
نشے کے پینگ خوب بڑھ جائیں — اور کڑوے کریلے نیم چڑھ جائیں
نشے میں جو کہنے بیٹھوں اشعار — پینک کا ہو دیو مجھ پہ اسوار

کاغذ کا ورق سیاہ ہو جائے — دشمن میرا تباہ ہو جائے
سطریں ہوں رشک زلف خوباں — اور روکش کاکل حسیناں
ہر لفظ بنے حبشن کی دولھن — اور خواجہ بدیع شوہر ان
ساقی چینی کی پیالیاں لا — آب اسود کا جلوہ دکھلا
کر رحم بلا افیم چینی — نازت بہ کشم کہ نازنینی
ہونٹوں پہ آگئی مری جان — رنجم مفرا سے بامداد ان
تو بے خبر اور میں ہوں رنجور — اس ملک کا کیا یہی ہے دستور
ہے میری دعا کہ خالق کُن — برسائے تری دکان پہ ہُن
جمع رہے وہاں افیمیوں کا — دل بادل چیونٹی مکھیوں کا
بیماری موت بد بلا ہے — بس اس کی افیم ہی دوا ہے
مرجاؤں گا گر نہ دے گا افیون — سوگند بذات پاک بیچون
پیاری ہے افیم جان و دل سے — پیاری ہے افیم تیرے تل سے

دوسرا ساقی نامہ بزبان خوجی (خواجہ بدیعا)

پلا ساقیا مالوے کی افیم — کہ ہے شوق گلگشت باغ نعیم
کرم کر حقیر دل پہ مائی ڈیر — میں قربان جاؤں ذرا کم ہیر
پیاسا کئی دن کا ہوں ساقیا — جھلک آب اسود کی مجھکو دکھا
نہ مطرب نہ ساقی نہ پیمانہ چنگ — نہ چانڈو نہ افیون گا بجا بنگ
جلا لے دم واپسیں اے کریم — سرہانے پہ کہہ قم باذن الافیم
نہ تاخیر کر ساقی مشک رنگ — پلا جام افیون ابھی بیدرنگ
دم پنکھ، وعیش ہے رنج و غم — پڑھوں یہ کلام فصیح عجم
کہ پا زخم بہ حال سقیم — کہ ہستم اسیر کمند افیم

جو ٹپکے مرے منھ میں افیون ناب — تو کم ہو ذرا جوششِ اضطراب
سخیاں ز افیون پہ میخورند — سخیاں نبات و شکر می خورند
نگہدار ما را ز راہِ خطا — خطا در گذارد افیم نما
نداریم غیر از تو فریاد رس — بدہ جام افیوں باقی ہوس
خراب و سیہ مست و تر دامنم — بدہ اوپیم اوپیم اوپیم
بدیعا بس اب روک اپنی زباں — دمِ صبح ہوتا ہے پینک کا دھیان

ایک جگہ خواجہ بدیع الزماں بدیعا معروف بہ خوجی ایک ڈاکٹر سے خفا ہیں تو فرماتے ہیں۔

خدا کی قسم شکر کر شکر کر — قرولی سے خالی ہے میری کمر
قرا بینچہ پاس ہوتا اگر — تو کج کر کے میں بھونک دیتا مگر
جو پینک میں ہوتا نہ میں بے خبر — تو بھٹے کی صورت اڑا دیتا سر

دو چار جگہ خواجہ بدیعا یعنی خوجی صاحب حلوائیوں کے ایسے پیچھے پڑے ہیں کہ اپنے تصور میں تمام حلوائی کی دوکان چٹ کر گئے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لی۔ اس رنگ کے شعر بھی دیکھئے۔

خواہش نہ قند کی ہے نہ خواہاں شکر کے ہیں — چسکے پڑے ہوئے تری میٹھی نظر کے ہیں
کھٹیاں وہ کھا کے رات کو نقرس سے ٹل گئے — افسوس مفلسی میں مرے دو ڈبل گئے

رحم اے یار کرو گو ہیں گنہگار نہیں — ہم بھی لے غیرت شیریں ہیں وفادار نہیں
کیا تری کوکل پیچاں کا کہا نظارہ — سیو کس واسطے بل کرتے ہیں نظارہ نہیں
میرے جلاب کو گاقند عنب ہو تیار — ڈالوں شکر پہ ترے اترے ہے بارہ نہیں
بوسے پائیں جو مرے گل کے لب شیریں کے — قند گھل جائے شکر نور و نکہت نہیں

کیوں زمانے میں مٹھائی ہوئی مہنگی ابکی
جا بجا ہوتے ہیں مولود جو بازاروں میں

کیوں نہ عشاق رہیں چیونٹیوں کی صورت گرد
بدلے لونگ کے ہے شکر تری دیواروں میں

عرق آلودہ وہ ابرو ہیں مزا ہے اے دل
ہے عوض آبکے شربت انہیں تلواروں میں

لب شیریں کی تتے یوسف مصری کی طرح
دھوم ہے چاروں طرف مصر کے بازاروں میں

کیوں نہ باتوں میں حلاوت ہی حلاوت ہو یہ
صاف مصری کا مزا ہے تری گفتاروں میں

امتحانِ کوبہ کاری میں رہیں ثابت قدم
جوتیاں جسدن لگا کر چاہے جلاں دیکھ لے

افیون کی کم میں یاں سے نکلے
تو قیر و گناہ دیکھئے گا
مزار کی اپنے افیم کا رنگ
سبحان اللہ دیکھئے گا

جبتک کہ نہ دل کی بے کلی جائے
او دائرے والے گت چلی جائے

در بہشت آئی نظر جب تو یہ عاشق نے کہا
نشہ افیوں کا بڑھا ہے یہ عمارت میری

کیوں نہ ستر کس میں ہے گرد ہر اک افیونی
ڈھیر گنوں کا زمیں پر ہے کہ تربت میری

کہتا ہے خوانچہ فرنی کا کہ ٹوٹے کا طباق
ورق نقرہ سے کرے کوئی رینت میری

ٹوٹ سکتا نہیں افسوس تبا سا مجھسے
بڑھ گئی کھا کے مٹھائی یہ نزاکت میری

میں یہ سمجھا جشنی دیکھ کے حلوا سوہن
جلوہ دکھلاتی ہے شاید شب و صلت میری

مصری کی بغیا چلکے صنم بیچئے افیم
ہے جائے لطف کیت وہاں نیشکر کے میں

سریٹ ۔ محمد عباس نام ہے بدایوں کے رہنے والے ہیں۔ جناب قمر بدایونی سے اصلاح لیتے ہیں۔ ثقہ ظریف (جو قمر صاحب کے ظرافت گو شاگردوں کے کلام کا مجموعہ ہے) سے کلام کا انتخاب کیا گیا ہے۔ بجز نام کے دوسرے حالات سے اطلاع نہ ہو سکی۔

میں نے اس شان سے اُس شوخ کو اکثر دیکھا
ڈگڈگی ہاتھ میں اور ساتھ میں بندر دیکھا

بھونکتے کاٹتے اب تک نہیں دیکھا لیکن
موتتے میں نے انھیں ٹانگ اٹھا کر دیکھا

آج تک میں نے کبھی نیم کی ڈنڈی کے سوا
ہاتھ میں اُن کے نہ شمشیر نہ خنجر دیکھا

کسطرف یار کو اب ڈھونڈھنے جاؤں سریٹ
ہم پولیس میں بھی کئی روز برابر دیکھا

خط لکھ کے کیا کرے کوئی اُنکی جناب میں
لاحول بھیجتے ہیں وہ خط کے جواب میں

ہر دن کی باندھ باندھ سے واعظ نجات ہو
ہڑتال آپ کیوں نہ ملالیں خضاب میں

وہ اسطرح تو عارض روشن دکھا چکے
ماچس ملے تو آگ لگا دوں نقاب میں

یہ کالے کالے تل رُخِ پر نور پر نہیں
کچھ مکھیاں بھنکتی ہیں چینی کی قاب میں

پینے کو دام گانٹھ گرہ میں نہیں رہے
اب بھیک مانگتے ہیں وہ جام شراب میں

آئندہ پیل مست سے بھی بڑھ جائیں کیا عجب
بھینسے سے کم نہیں ہیں وہ عہد شباب میں

تڑپتا ہے دل وحشی مرا یوں انکی مژگاں میں
کہ جیسے باندھ رکھا جائے پھنسے کوئی نیستاں میں

تجھے سچ مچ کا یوسف کیوں نہ کر دوں یوسف ثانی
گرا دوں آج لیجا کر کسی سستے کی کوئیاں میں

کوئی تدبیر وصل یار بھی لکھتے تو ہم کہتے
چچا سعدی نے سب کچھ لکھ دیا اپنی گلستاں میں

منڈھیں ایک ہفتہ میں جو سر دو مرتبہ اپنا
اب اُن سے کیا کہوں دل کی تمنا رنگ اپنا بچاں میں

وہ اپنے چھوٹے بھیا کو بھی اپنے ساتھ لائے ہیں
کہ ترجیح دوں آخر میں لہر اور ٹیاں میں

تری یاد اسطرح آتی ہے دل میں اے مسیحا دم
کہ جیسے ڈاکٹر ہر صبح کو آتا ہے زنداں میں

ملا دل ڈھونڈھنے کا خوب موقع آج سر پٹکو — وہ کہتے ہیں جو ہیں دیکھو ہماری زلف پیچاں میں

بڑھا کر نام لینا ہے تو یہ کہہ دو کہ پتھر ہو — یہ کیا کہتے ہو تم ہر وقت دشمن سے ٹکے خر ہو
پڑا ہے پر ہو مرگھٹ پر ہو چکی کی سڑک پر ہو — کہیں تو دیدۂ اُس اُلو کے پٹھے کی میسر ہو
کسی کم عمر سے قدر محبت ہو نہیں سکتی — اگر ڈھیل نہ دلبر تو کم سے کم مچھندر ہو
الٰہی یوں نکالا جائے دشمن کوئے جانان سے — بغل میں بستر ہو اور کھٹیا اُس کے سر پر ہو
تمھاری گول آنکھیں لال منہ اسٹول کی ٹھنک — یہ سب باتیں بتاتی ہیں کہ تم دراصل بندر ہو
یہ کیا بندر کی صورت میم لائے ہو ولایت سے — ارے مردِ خدا تم آدمی ہو یا قلندر ہو
عدو کے پیچھے پیچھے کیوں پھرا کرتے ہو مر کر پھر — خدا سمجھے تمھیں معشوق ہو یا اُس کے نوکر ہو
ستانے کا مزہ میں بھی دکھا دوں انکو اے سرکب — جو میرے ہاتھ میں ہوتا ہوا در انکا گھٹا سر ہو
وہ ننگے پاؤں آدھی رات کو ماں باپ سے چھپ کر — ہمارے ساتھ بھاگ آئیں تو کھٹ پٹ ہو چھپر ہو

سرکوب ۔ دور موجودہ کے ایک خوش مذاق شاعر ہیں پوربی زبان کے گنواروں کی بولی میں شعر کہنے کی مہارت ہے چنانچہ اشعار ذیل اُنہی ٹائپ کے ہیں ۔

ہم کا بتائی بات ہے کا ہمرے یاراں — مارو تو موت مارے ہے جھٹ سے اجاراں
کیا بتائیں — ازار
سب کا جگائے دیت ہے پس چرچرائے کے — لیٹا کرب نہ آج سے سارے ساراں
پتیلی
موڑھے پر اُہکار کے بڑی دھڑ بھاگ جاب — ملگا جو کو تو روج اکیلا بجاراں
گردن پر اسکو — ملگیا جو کسیدن
کریا ہے رنگ ایس مرے بانکے یار کا — ہوی جائے رات دن کا جو نکلے بجاراں
کالا ایسا — دن کو

دو دن سے ہمکا دیکھ کے وہ بڑبڑانے لاگ
چلانے دیب تنکو جو چھیڑیو بچارماں
چلانے دیتے ہیں تھوڑا سا

دوئی دانت گھس گئے نکسا لہو ہائے باپ رے
دانتن سے ایسے جو رماں کاٹس پیارماں
نکلا
زور کاٹا

مارے ڈرن کے بھاگ گیو لیکے اپنی جان
دیکھوں لہو بھرا جو میں اسکی کٹارماں

کرمن سے جہہ کا ڈیل ملا ہے ناڑسا
وہ یار چھپ سکتا ہے بھلا کب بچارماں

بھیتر اندھیری کٹھری ماں ہمکا لٹائے کے
گھنٹن سے لاگ ہے سر کپن سنگارماں

سر کو پ تارا ٹوٹا کرت ہے سکار تک
موتی پروتا ہے جو وہ موٹے کے بارماں
صبح
سر کے بال میں

سعدی۔ آپ کا اسم گرامی مصلح الدین تھا۔ مگر تحقیقات جدید کے مطابق معلوم ہوا ہے کہ شمس الدین آپ کا اصل نام تھا۔ بہر صورت آپ نام کے ساتھ نہیں بلکہ اپنے تخلص کے ساتھ اسقدر مشہور ہوئے کہ آج دنیا کا بچہ بچہ آپ کو جانتا ہے یا کم از کم آپ کے تخلص سے آشنا ہے۔ بہت سے بزرگوں کا قول ہے کہ جو مقبولیت اور جو شہرت آپ کے کلام کو ہوئی وہ دنیا میں کم کسی کو نصیب ہوئی۔ آپ کی تعریف۔ اور آپ کے احوال کا لکھنا تحصیل حاصل ہے ہر شخص آپ سے کما ینبغی واقف ہے۔ آپ جسطرح ہر صنف اور ہر رنگ کلام کے بادشاہ تھے اسی طرح صنف ظرافت کے استاد کامل تھے۔ اگرچہ ہزل و ظرافت سعدی کے نام کے ساتھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں مگر میں نے ایک قدیم نسخہ میں یہ عبارت دیکھی۔ کہ حضرت نے خود فرمایا ہے۔ کہ مجھے بعض ابنا ملوک نے دھمکی دی کہ تم ظرافت لکھو۔ مگر میں نے انکار کیا۔ یہاں تک کہ میرے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ تب میں نے یہ ظرافت اور ہزل لکھی ہے۔ اگر سعدی یہ بھی نہ لکھتے تب بھی قابل الزام نہ تھے۔ کیونکہ بہت سے لوگوں کے نزدیک اُن کے کمال کو مکمل اور مسلم کرنے والی یہی دو چیزیں ہیں۔

باب پنجم گلستان در عشق و جوانی - اور ہزلیات

اُن کی ہزلیات رنگ زمانہ کے موافق سیکڑوں جگہ درجۂ فحش تک پہونچ گئی ہیں - مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ جس رنگ میں ہیں ممتنع الجواب ہیں - بہت سی ظرافت ایسی ہے جسکی تہ میں ظرافت کے ساتھ نصیحت کے پیش بہا جواہر نظر آتے ہیں - بہت سی جگہ الفاظ تیں ہیں مگر ایک ایک لفظ میں سو سو زعفران زار پوشیدہ ہیں اور ایک ایک سطر دیوار قہقہہ کا جواب ہے - میں کوشش کروں گا کہ اُن کی ہر رنگ کی ظرافت سے کچھ کچھ انتخاب کر کے لکھدوں - ملاحظہ فرمایئے -

زمانہ کے رجحان طبیعت کو دیکھتے ہوئے انھوں نے نوکر اور غلام کے لئے یہ قید لگا دی ہے

غلام آبکش باید و خشت زن　　بود بندۂ نازنیں مشت زن

لطیفہ - ایک مرتبہ رات کے وقت آپ کا معشوق آیا - گھبرائے ہوئے اُٹھے چراغ آستین سے بجھ گیا - وہ بگڑ گیا - اور چراغ بجھنا سخت برا معلوم ہوا - کہا کہ سعدی تم نے یہ کیا حرکت کی کہ میرے آتے ہی چراغ بجھا دیا - آپ نے فی البدیہہ یہ قطعہ پڑھکر سنایا -

چوں گرانے بہ پیش شمع آید　　خیزش اندر میان جمع بکش
ور شکر خندہ ایست شیریں لب　　آستینش بگیر و شمع بکش

یعنی جب کوئی ایسا شخص شمع کے سامنے آئے کہ اسکا دیکھنا دلپر ایک گرانی کرے تو ممکن ہو تو اُٹھکر اس کو مار ڈال اور اگر کوئی معشوق ہے تو اُسکی آستین پکڑ اور شمع کو مار ڈال - یعنی بجھا دے -

لطیفہ - ایک مرتبہ آپ کا ایک محبوب معشوق سے کچھ جھگڑا ہو گیا - اور نوبت یہانتک پہونچی کہ وہ ان کو چھوڑ کر چلدیا جدائی کے مصائب نے انھیں بہت پریشان کیا - مگر کیا کرتے مجبور ہو گئے مدت کے بعد ایک مرتبہ معلوم ہوا کہ وہ واپس آگیا - مگر اب وہ زمانہ حسن و شباب کا باقی نہ رہا تھا ڈاڑھی مونچھیں نکل آئی تھیں اور وہ بہار کا زمانہ خزاں سے مبدل ہو گیا تھا - اب وہ غمزے

اور کرشمے ناز و انداز رخصت ہو گئے تھے۔ وہ حسب دستور ان کے پاس بھی ملنے کے لئے آیا۔ بادل ناخواستہ یہ بغلگیر ہوئے۔ اور ہنسکر یہ قطعہ پڑھا۔

آنروز کہ خط شاہدت بود — صاحب نظر از نظر براندی
امروز بیامدی بہ صلحش — کش فخم و ضعہ برنشاندی

تازہ بہار تو کنوں زرد شد — دیگ منہ کالتش اسرد شد
چند خرامی و تکبر کنی — دولت پارینہ تصور کنی
پیش کسے رو کہ خریدار تست — ناز بر ان کن کہ طلبگار تست

معشوق کے سبزۂ نوخیز پر آوازہ کستے ہیں۔ اور کہتے ہیں۔

سبزہ در باغ گفتہ از خوش است — داند آنکس کہ ایں سخن گوید
یعنی از روئے نیکواں خط سبز — دل عشاق بیشتر جوید
بوستان تو گند نازے ست — لیکہ بر میکنی و میروید

پھر کہتے ہیں۔

گر دست بجاں داشتمی بچو تو بر ریش — نگذاشتمی تا بہ قیامت کہ برآید

یہ کہکر بھی جی سیر نہیں ہوتا تو ایک پھبتی بھی کہہ ڈالتے ہیں جو اردو میں یوں کہی جائیگی چاند کو چھونٹے چمٹے ہیں۔

سوال کردم و گفتم جمال روئے ترا — چہ شد کہ مورچہ بر گرد ماہ جو خید است

ایک جگہ تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں۔

امروز آنکہ کہ خوب و شیرین است — تلخ گفتار و تند خوے بود
چوں بریش آمد و بلاغت خد — مردم آمیز و مہر جوے بود

ایک جگہ بڈھوں کی مذمت میں لکھتے ہیں۔ کہ اُن سے نوجوان بیویاں خوش

نہیں رہ سکتیں۔

پیرے کہ زجا بہ خویش نتواند خاست　　الا بہ عصا کیش عصا برخیزد

لطیفہ ۔ ایک بڈھے نے ایک نوجوان عورت گوہر نامی سے شادی کی ۔ مگر بوجہ ضعف کے یہ اپنی بیوی کو خوش نہیں رکھ سکتے تھے۔ آخر کار دونوں میں جنگ ہوئی ۔ اور دن رات لڑائی جھگڑا رہنے لگا۔ عورت نے علیحدگی اور طلاق کی عرضی قاضی کے یہاں دی ۔ بڈھے نے سر عدالت عورت کی بڑی مذمت کی ۔ اتفاق سے سعدی بھی وہاں موجود تھے آپ نے ایک بات کہکر فیصلہ کر دیا۔ پوری حکایت یہ ہے ۔

شنیدہ ام کہ دریں روزہا کہن پیرے　　خیال بست بہ پیرانہ سر گرفت جفت

بخواست دختر کے خوبروے گوہر نام　　چو درج گوہرش از چشم مردماں بہ نہفت

چنانچہ رسم عروسی بوے تمنا کرد　　ولے بحلبۂ اول عصاے شیخ بخفت

کمان کشید و نزد بر ہدف کہ نتواں دوخت　　مگر بہ سوزن فولاد جامۂ ہنگفت

بہ دوستاں گلہ آغاز کرد و حجت ساخت　　کہ خان و مان من ایں شوخ دید پاک برفت

میان شوہر و زن جنگ و فتنہ خاست چناں　　کہ سر بہ شحنۂ و قاضی کشید و سعدی گفت

بس از ملامت و شفقت گناہ دختر نیست　　ترا کہ دست بلرزد گہر چہ دانی گفت

یہ ظرافتیں ہیں جو اُن کے کلام نظم و نثر میں زیادہ سے زیادہ پائی جاتی ہیں۔ مگر ہزلیات جو از سر تا پا شوخی اور تمسخر سے بھری ہوئی ہیں اُن میں حد سے گزر کر اکثر جگر بخش کی حدود میں پہونچ گئے ہیں۔ اس لئے انتخاب بھی نہایت دشوار ہو گیا ہے پھر بھی چند شعر انتخاب کر کے پیش کرتا ہوں ۔

آں شیفتہ را چو باد در برق افتاد　　آں گنبد سیم رنگ در داد باد

از بہر منارہ زاویہ وقف نکرد　　ہمسایۂ بد خدائے کس را مدہاد

آں عہد بیاد داری و دولت و داد　　کز عاشق بیچارہ نمی کردی یاد

آں روز کہ بختی کہ کس چو تو نبود — دامروز بیامدی کہ کس چو تو مباد

ایں ریش تو سخت دیر بر می آید — موے ز نخت بزیر بر می آید
با اینہمہ چوں... ن تو می آرم یاد — آیم بہ دہاں..... بر می آید

مردے غرقہ بود در بیجوں — از سمرقند بود پندارم
بانگ میکرد و زار مینالید — کاے دریغا کلاہ و دستارم

ایک مرتبہ ایک کریہ الصوت حافظ کو قرآن پڑھتے دیکھا تو فوراً یہ شعر پڑھے

گر تو قرآں بدیں نمط خوانی — بہ بری رونقِ مسلمانی

خدایں حافظانِ ناخوش آواز — بیا مرزد اگر سالے نخوانند

قلم بیاد تو در مشت کس نمی گنجد — کہ دیر شد کہ ندیدہ است ایں دوات امید
ترا دوات سیہ کرد روزگار و ہنوز — مرا ز چشم قلم میرود مداد سفید

حریف عمر بسر بردہ در فسوق و فجور — بوقت عمر پشیماں ہمی خورد سوگند
کہ توبہ کردم و دیگر گنہ نخواہم کرد — تو خود دگر نتوانی بریش خویش مخند

دلو گر صومعہ داری کند اندر ملکوت — ہمچو ابلیس ہماں طینت ماضی دارد
ناکس است آنکہ بر اعمہ و دستار کس است — دزد و دزد است اگر جامہ قاضی دارد

امروزے کانرا پلاسے در براست — خوش بود از دخترے در چادرے

بس قامت خوش کہ زیر چادر باشد — چوں باز کنی مادر مادر باشد

زر با مرد کسے دہد بہ گزاف — کہ نداند شریعت زردشت

دو منظور موافق روے درہم — چہ خوش باشند ہم زانو دہم
ہر آنچہ آنرا بود ایں را مہیا — ہر آنچہ ایں را بود آنرا مسلم
رفیق و حجرہ و گرمابہ و کوے — بصحرا باہم و در خانہ درہم
مقدم در موخر بردہ تا ناف — دگر بار ایں موخر آن مقدم
گر ایں حرفہ نگہداری ہمہ عمر — نہ دینارت زیاں باشد نہ درہم
من ایں پاکیزہ رویاں دوستدارم — اگر دشمن شوندم خلق عالم
عروسان مقنع بے شمارند — عروسے را بدست آور معمم
کہ گر بیروں کنی شلوارش از پاے — تو پنداری کہ خروارے ست شلغم
حجاب نام و ننگ از پیش بردار — کہ محرم ں نہ پوشاند ز محرم
اگر محکم بہ بندی عقد شلوار — ہنوزت عقد صحبت نیست محکم
وصال دوستاں میخ است دیوار — حدیث دشمناں باد ست و پرچم
ہر آں کز پشت آدم زاد ناچار — رود بر پشت فرزندان آدم
طریقت خواہی از سعدی بیاموز — رہ این ماست اے برادر تا جہنم

ندیدم امروزے سی سالہ چو نو در اسلام — کہ فتنہاے چنیں آخر الزماں باشد

اگر دو دست تو یک ہفتہ بر قفا بندد　　بہفتہ دگرت ریش تا میاں باشد

اے خواجہ اگر با خرد و تمکینی　　جز جلق زدن کار دگر نگزینی
چہ خوشتر ازاں بود کہ ہنگام جماع　　تا خایہ فرو بری سرش را بینی

مرکب از بہر راحتے باشد　　بندہ از اسپ خویش در رنج است
گوشت قطعاً بر استخوانش نیست　　راست مانند اسپ شطرنج است

سگ - ایک شخص قزوینی کا تخلص ہے جو شاہ عباس صفوی کے دربار میں ظریفوں کے زمرہ میں ملازم تھا نہایت بے ادب گستاخ اور شوخ مزاج واقع ہوا تھا۔ ایک مرتبہ عیسی خاں قورچی باشی اُس کے دروازہ سے گزر رہا تھا۔ اس کے بٹھانے سے تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ گیا۔ اتفاق سے میاں سگ کے دروازہ پر ایک کتا سوتا تھا۔ عیسی خاں نے پوچھا کہ یہ آپ کے یہاں کس عہدہ پر ملازم ہے۔ جواب دیا کہ قورچی باشی پر۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا۔ افسوس کہ ظریفانہ رنگ کے اشعار نہ مل سکے صرف ایک شعر سادہ ملا

بسحر آمدم بہ کویت بہ شکار رفتہ بودی　　تو کہ سگ بزدہ بودی بچہ کار رفتہ بودی

سگ کے متعلق بہت سے لطائف و ظرائف درج کیے گئے ہیں مگر اکثر ان میں سے غیر مہذب ہیں اور بعض ہمارے تذکرہ کے منافی ہیں لہذا قلم انداز کر دیئے گئے

سوختہ آپ کا نام میر حسین کشمیری الاصل ہیں اور دور موجودہ کے ایک خوش مذاق خوش فکر ظرافت گو ہیں۔ علاوہ شاعری کے آپ ایک معزز اور مقرر اہل قلم ہیں

چنانچہ ضیافت پنچ لاہور مدتوں تک آپ کی ایڈیٹری میں نکلتا رہا آپ نے اپنی ظریفانہ شاعری کا ایک دائرہ مقرر کر لیا ہے اشتہا کی طرح کبھی کلو واشر بولے سے باہر قدم نہیں رکھتے۔ ایک ایک شعر اشتہا انگیز اور آتش معدہ کو تیز کرنے والا ہوتا ہے۔ نمونۂ کلام یہ ہے

بحر تلازم جو بہے چاے کا دریا ہو کر — عکس خورشید نظر آئے کلیچا ہو کر
اترے مہتاب زمیں پر جو پراٹھا ہو کر — انجم چرخ بریں آئے پکوڑا ہو کر
شور باقاب میں بہتا ہو جو دریا ہو کر — حلق لبیک کہے کیوں نہ کشادا ہو کر
لطف کھانے کا جو آیا بھی تو بھوکا ہو کر — سوکھی روٹی بھی گئی حلق میں حلوا ہو کر
اے طبیبو کوئی تدبیر بتا دو ایسی — چاے نسخہ میں لکھی جائے بنفشا ہو کر
کوفتے خواب میں بھی جو تو برہمن کھالے — توڑ دیں تپ کو تری آلو بخارا ہو کر
عقد بریانی کا جس وقت مطنجن سے ہوا — کٹ گئے مفت وہاں شیخ چھوہارا ہو کر
فرقت قاب میں کی پیر نے اتنی زاری — کھل گئی ریش بچارے کی تماشا ہو کر
نوع اجناس کو حاصل ہوا پہلو بخاتی — پہلوے دیگ میں جل جل کے ہریسا ہو کر
اپنی ہستی سے گزر جاے جو دنیا میں فروغ — قدر شلغم کی ہوئی دیگ میں کشتا ہو کر
ہو نہ مغرور سر دار پہ چڑھ کر منصور — چڑھ گئے سیکڑوں ہاں شیخ قپا ہو کر
خشک سالی میں نہ کھو سوختہ امید پلاؤ — پس گئے سیکڑوں اس آہن میں دلیا ہو کر

سفلی۔ عنایت خاں نام کالے خاں عرف تھا۔ نہایت بذلہ سنج اور لطیفہ گو تھے آگرے کے رہنے والے تھے۔ ہزل گوئی کا شوق تھا۔ اور اسی میں کافی مشہور ہو چکے تھے — عرائض نویسی سے اوقات بسر کرتے تھے نہایت حاضر جواب۔ خندہ پیشانی۔ زندہ دل لوگوں میں تھے۔ باتیں کرتے تو معلوم ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑتے ہیں اسی ظرافت کی بدولت راجہ بلوان سنگھ کاشی کے دربار تک پہونچے۔ مولوی نیاز علی پریشان نے جو آگرہ میں ۱۲۸۶ھ

میں مشاعرے کئے اُن میں شرکت کرتے تھے اور اُس وقت اُن کی عمر چالیس برس کی تھی تنگدست تھے مگر زندہ دلی اور آن بان میں کبھی فرق نہ آنے دیتے تھے - مرزا مہر اکبر آبادی کے شرف تلمذ سے بہرہ یاب تھے ظرافت میں وہ وہ باتیں نکالتے تھے کہ بے اختیار داد دینا پڑتی تھی مختلف اخباروں میں کلام شائع ہوتا رہتا تھا آخر کار ۱۲۹۰ھ میں دنیائے فانی کو خیرباد کہا - دیوان مرتب ہو چکا تھا - مگر وہ شاید طبع نہیں ہوا اس لئے کلام کمیاب بلکہ نایاب ہو گیا - جو شعر مل سکے وہ درج کئے جاتے ہیں -

واہ وارے ملک الموت تری باریکی — گھس گیا ناک میں نمرود کی مچھر ہو کر

معشوق بچہ زاد سے سفلی خدا بچائے — کیا انتشار ہوتا ہے کل مل کو دیکھکر

میں اپنی ناتوانی پہ روتا ہوں اسلئے — اب لوگ دیکھتے مجھے عینک لگا کے ہیں

بادہ پیوں کہاں سے میں فصل بہار میں — نقدی تھی جسقدر وہ گئی سب اُدھار میں

انگور تر میں ہے نہ وہ لذت انار میں — منعم مزا ہے جو مری میٹھی جوار میں

اے گل ترے فراق میں کانٹا سا ہو گیا — مجھسے زیادہ بوجھ ہے پھولوں کے ہار میں

عروضی خردہ گیر شاعران باصفا ٹھہرے — دہائی جسطرح سے عیب جو سا دلیا ٹھہرے

کہا کرتے ہیں فاسق میکشوں کو حضرت واعظ — بڑی داڑھی بڑھا کر یہ بڑے اکبا سا ٹھہرے

نکالو گھر سے ایسی چوٹی ماما کا کالا منھ — کہ چکلے پر نہ بیلیں اور نہ چولھے پر توا ٹھہرے

کریں اشراف کیا فرمائیے اس قحط سالی میں — نہیں تا بدن پر اور پابند قبا ٹھہرے

چڑھا دو گل مرے مرقد پہ اے گل اندلیو — یہ اپنے گلگلے لیجاؤ زین خاں کے لئے

بتاؤ مجھکو بھنگیڑو کدھر گئے میکش — بھٹکتا پھرتا ہوں میں اپنے کارواں کے لئے

آیا صاحب کے میم کے مس کے — دل اٹھاوں میں ناز کس کس کے

سودا - یعنی مرزا محمد رفیع سودا جنکی شیوا بیانی کی چار دانگ عالم میں دھوم ہے

جن کی ہجو نگاری نے اپنے معاصرین کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ان کے والد کا نام مرزا محمد شفیع تھا جو کابل سے دہلی میں آئے تھے۔ اور پیشہ تجارت سے بسر اوقات کرتے تھے۔ ۱۱۲۵ھ میں سودا کی ولادت ہوئی۔ اور زمانہ کے دستور کے موافق تعلیم حاصل کرنے کے بعد شعر و شاعری کا شوق ہوا۔ شاہ حاتم کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اپنے وقت کے مشاہیر اور اکابر شعرا سے معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ اور دلی کے کوچہ کوچہ میں ان کی ہجویں مشہور ہو گئیں۔ مگر چونکہ خاندان تیموریہ کا چراغ اقبال برائے نام جل رہا تھا۔ اس میں روشنی بالکل باقی نہ رہی تھی۔ عروج کے درخت کی جڑ میں دیمک لگ گئی تھی۔ اس لئے قدر دان ناپید اسے تھے۔ اہل کمال پریشان اور خستہ حال تھے۔ اِدھر یہ عالم اور دھر امرا اور وزرا کا یہ زور شور یہ رنگ تھا کہ سلطنت کے مالک بن بیٹھے تھے۔ چنانچہ لکھنؤ میں وزیر الممالک نواب آصف الدولہ بہادر کا دور دورہ تھا ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے باکمال ادھر ہی کھچے چلے آرہے تھے میرزا سودا کو بھی مجبوراً ادھر کا رخ کرنا پڑا۔ فرخ آباد ہوتے ہوئے یہاں آئے قدر دانوں اور اہل کمال نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور خوبی قسمت نے چند روز کے بعد نواب کے دربار تک پہونچا دیا خطاب ملک الشعرائی جس کے صحیح طور پر وہ مستحق تھے شاہ عالم کے دربار سے پا چکے تھے۔ یہاں اسی کے مطابق عزت افزائی ہوتی رہی۔ انھوں نے بھی ایسے ایسے قصیدے نواب بہادر کی تعریف میں لکھے جو آج تک گل سرسبد معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی معلومات شاعرانہ کا دائرہ نہایت وسیع تھا ایک ایک اعتراض کے سو سو جواب دیتے تھے۔ جو آجتک اُن کے دیوان میں موجود ہیں اور انھیں سے اُن کی ظریف المزاجی اور بذلہ سنجی کا پتہ چلتا ہے۔ جو آگے چلکر ہم درج کریں گے۔ سودا عالم شباب سے پیری تک لکھنؤ میں رہے۔ اور ۱۱۹۵ھ میں یہیں پیوند خاک ہو گئے۔

میر فدا حاک جو میر انیس کے پردادا تھے ان کے زبردست حریف تھے۔ خدا معلوم کس بات پر چل گئی تھی کہ اِدھر اور اُدھر دونوں طرف سے ہجووں کی بھرمار رہتی تھی۔ مگر

زمانہ نے میر ضاحک کی محنت کو خاک میں ملا دیا سودا کی کہی ہوئی ہجویں اب تک موجود ہیں۔ چنانچہ یہ ترجیع بند میر ضاحک کی ہجو میں ہے۔

جا صبا ضاحک سے کہہ بعد از سلام — کیوں کیا کرتا ہے ہجو خاص و عام
آپ کو کہتا ہے تو سید ہوں میں — جد مرا پوچھو تو ہے شیر الانام
پس دکھا تو اب کسی کی ہجو میں — ہو اگر ختم رسالت کا کلام
کون ہے تیری سیادت کا مقر — جانتے ہیں خاص سے لے تا عوام
تیرے والد کو ہوئی تپ ایکسال — تب حکیموں نے یہ تشخیص تمام
دق سمجھکر یہ دوا تجویز کی — شیر خر با قرص کافور ایکدام
مول لے ایک مادہ خر پینے لگا — ہر سحر اس شیر خر کا بھر کے جام
آخر کار اس مرض کے بھی لئے — وہ جو مادہ خر تھی اسکی آئی کام

ریم سوزاک پدر ہے تو شریر
رحم مادر سے الٹ نکلا ہو میر

سن تو ٹک اے نصف انسان نصف خر — ہمنے کیا سید نہیں دیکھے مگر
بیش و کم تجھ میں نہ دیکھا عقل و حمق — نطفہ کی ترکیب کا ہے یہ اثر
گھر سے اپنے کھا کے جاوے جسکے ہاں — جاتے ہی مانگے ہے اس سے ماحضر
عقل کہتی ہے کہ کھاے پر نہ کھا — حمق کہتا ہے کہ حیضے سے نہ ڈر
سید اے میر مثلث آپ کو — کہنا اتنا ہو کے بے خوف و خطر

ریم سوزاک پدر ہے تو شریر
رحم مادر سے الٹا نکلا ہو میر

ایک دوسری ہجو جو میر ضاحک کے متعلق لکھی ہے دیکھئے۔ متانت پناہ مانگتی ہے ظرافت انگشت بدنداں ہے۔

ضاحک کی اہلیہ نے ڈھول اپنے گھر دھرایا — بیوجہ رات ساری ہمسایوں کو جگایا
بیٹھک میں بیٹھ بوڑھے چونڈے کو جب بلایا — تب شیخ سدو واپس غصہ کو کھا کے آیا
بولا کہ کیوں بے ضاحک بکرا کوئی منگایا

ضاحک نے تب کہا یوں تم نے زبان نکالی — بے آج گر کہا ہی کل دوگے مجھکو گالی
بکرے کی شکل یا تو نے گوری ہی نہ کالی — بی بی کو اور تم کو کھر دیا ہے خالی
بکرا وہ دے گی تمکو جن نے کہ سر چڑھایا

میراں یہ سن کے بولے پھر کہیو کیا کہا جی — میں اس سوا نہیں کچھ اور حرف جانتا جی
بکرا اگر نہ آیا چھوڑوں گا کر چچا جی — گالی تو اک طرف ہی یہ سن رکھو بچا جی
آگے ہے ڈھول دہپا میں تم کو کہہ سنایا

ضاحک نے تب کہا یوں مجھ پاس کب ہے کوڑی — گر ہے تو گنگنے ہیں اور تیل کی پکوڑی
میٹھا کرو جو منھ کو دھیلے کی ہیں گنڈیری — تب شیخ سدو بولا سنتا ہے اے نگوڑی
بھینسا ہی لیکے چھوڑوں خاطر میں کیا تو لایا

دمڑی میں منھ کو میٹھا تجھ سے ہمارے کرنا — دو تیل کے پکوڑے آگے ہمارے دھرنا
گاے اپنی پر نہ دیکھا بھس کا ہمارے بھرنا — بکرا نہ لوں نہ بھینسا پر جی میں لوں تو ارنا
تب جانے گا تو بھڑوے پیروں کو میں منایا

بڑھاپے کی شادی پر ایک مخمس لکھا ہے جس سے ان کی انتہائی ظرافت کا پتہ چلتا ہے دیکھئے۔

نامن کہے ہر شرم سے دولھا ہی سرنگوں — اب کیونکہ تیل رو سے مقدس کی میں لوں
شانہ کروں میں ریش کو یا دسمہ سے رنگوں — جی کی امان پاؤں تو اک بات میں کہوں
منھ کو کلنگ اپنے لگاتے ہیں شیخ جی

القصہ شیخ جی کی جو حرمت خدا گنوائے — بارہ برس کی چھوکری بیاہ لائے

آئے دولھن کے گھر سے جو تقنع میں منہ چھپائے
جیسا ہمارے کہنے کو خاطر میں وہ نہ لائے
اپنے کئے کو تیسا ہی پاتے ہیں شیخ جی

تھے بسکہ شیخ بات سے دنیا کی پاک صاف
سو اک لیکے جورو سے کرنے لگے زفاف
اُن نے تب اپنی چوٹی سے یہ کھولکر مباف
مشکیں انھوں کی جڑ کے کہا کیجیے معاف
مجھکو تو کچھ دلی نظر آتے ہیں شیخ جی

آیا غضب میں شیخ کو گھر کا یہ بندوبست
مشکیں اُڑا پلٹ گئے جورو سے کرکے جست
بال اُسکے اُن کے ہاتھ پہ ریش انکی اسکے دست
عہدیسے برنہ آئے تھے از بس ضعیف و پست
پاپوشیں تب سے جورو کی کھاتے ہیں شیخ جی

جورو سے شیخ جی کو صحبت ہے اب مدام
بھڑوا مسخرا و مچھنڈر رہے ان کا نام
خلوت میں جب بلاتے ہیں اسکو بوقت شام
دیتی ہے تب وہ بھیجکے لوگوں سے یہ پیام
بیٹی کو اپنی کیوں یہ بلاتے ہیں شیخ جی

یہ تو ہیں بوڑھے خرس وہ ہے شوخ اچپلی
ماری کبھو تو دھول کبھی اڑ ہی لے چلی
ان کو تو جانتی ہے کہ ہیں شیخوں میں ولی
کھلتی ہے ان کی جورو کی تب اسطرح کلی
پھولے نہیں بدن میں سماتے ہیں شیخ جی

جب دیکھتی ہے وہ کہ ہے جرات کی ہوا
دس بیس دن چھڑی کو ہے منہ نہیں کھلا
آتی ہے اُن کے پاس لیئے تیل اور توا
کہتی ہے یہ نہ مانئے گا آپ اب بُرا
ہم تمکو شیخ دوند بناتے ہیں شیخ جی

جب گھر سے نکلے وہ پہن کے چلے ہی لٹکتی چال
آتا ہے شیخ جی کے تئیں اس سدا چال
عمامہ سر سے پھینک کے ہو جاتے ہیں ٹنڈ بال
تب مرہٹنگی سے یہ کہتی ہے وہ چھنال
اب ہمکو اپنی چاہ جتاتے ہیں شیخ جی

اک دن شیخ جورو کو جورو سے جا لڑے
کہنے لگی کہ تم ہو بڑوں کے مرے بڑے

اب بس ڈھیٹی رکھو کہیں چوکا نہ گر پڑے ڈرتا نہیں ہے مجھ سے تو اے بھڑوے منہ سڑے
کہہ دوں ابھی دوا سے ستاتے ہیں شیخ جی

ایسی ہے بے ادب خدا سے بھی ڈرے آ کر کے شیخ جی کے مصلے پہ ہگ بھرے
شانہ کو اُنکے ڈاڑھی کے لے بالوں میں کرے یارب کہ وہ چھنال شتابی سے اب مرے
ورنہ ہمارے ہاتھ سے جاتے ہیں شیخ جی

چہرہ کہے ہے شیخ سے لے شیخ تم سنو کچھوے کو تم نے دی ہے دغا چکے ہو ہو
میں جانتی ہوں تمکو کہ تم فیلسوف ہو سودا زیادہ کیا کہے ہے بات کو مگو
جیسے ہیں تیسے جوتیاں کھاتے ہیں شیخ جی

کسی مولوی نے فتوی دیدیا کہ کوّا حلال ہے۔ سودا کو ظرافت کے لیے ایک مسالہ ہاتھ آیا فوراً ایک ہجو لکھ ڈالی۔ اور وہ وہ اوکھیاں سنائیں کہ آج تک دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

لشکر کے بیچ آج یہی قیل و قال ہے کھانے کی چیز کھانے کا سب کو خیال ہے
یوں دخل امر و نہی میں کرنا محال ہے جو فقہ داں ہیں سب کا یہ ان کا خیال ہے
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوّا حلال ہے

حامی انھوں کے قول کا ہوئے ہے چاند خاں اور دوسرے میں کیا کہوں اک اپنے مہربان
کچھ شک نہ ہے کوے کی حلت کے درمیاں ہمسے جو کوئی پوچھے تو ہم بھی کہیں ہاں
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوّا حلال ہے

یار و بسو ہو تم اسی دیر خراب میں بیٹھا اٹھا کرو ہو سدا شیخ و شاب میں
حلت رکھے ہے زاغ کسو بھی کتاب میں جتنی کتب ہیں فقہ کی اُن کے جواب میں
اک مسخرا یہ کہتا ہے کوا حلال ہے

بگڑا ہے آج مجتہدوں بیچ کیا نیل طالطیف بولے کہ کھانا رہے ہے چیل

کہتا ہے چاندخاں کہ یہ کن نے حرام فیل　　حلت پہ میڈکی کی میانجی کی سو دلیل
اک مسخرا یہ کہتا ہے کو احلال ہے

فدوی اک پنجابی شاعر تھے رسمی معلومات شاعرانہ بھی اچھی خاصی تھی۔ اتفاق سے اُن سے اور سودا سے کچھ بحث ہو گئی۔ سودا نے اس غریب کی اتنی ہجو کی کہ عاجز آ گیا۔ اُسنے بھی مجبوراً ایک کُند تلوار ہاتھ میں لی یعنی سودا کی ہجو میں اشعار کہے مگر نہ وہ اس زمانہ میں مشہور ہوئے اور نہ کہیں آج اُن کا پتہ ہے۔ سودا کے دیوان میں وہ ہجو بھی موجود اور محفوظ ہے۔

جہاں میں کون بناتا ہے اُلّو بننے کا　　کسی سے بن کوئی آتا ہے اُلّو بننے کا
بہت ہی جان کھپاتا ہے اُلّو بننے کا　　بنا مجھی کو یہ آتا ہے اُلّو بننے کا
کہ فدوی جگ میں کہاتا ہے اُلّو بننے کا

کیا ہے خرچ بنانے میں اُسکے میں زر　　نہیں ہے اصلی و نقلی میں فرق ذرہ بھر
جو اور بوم ہو سو مادہ یہ لگے ہے نر　　جو راہ باٹ میں آتا ہے صبح و شام نظر
کہے ہے خلق وہ جاتا ہے اُلّو بننے کا

میں کاریگر ہوں اٹاویکا سب ہے ظاہر　　جو کچھ کہے کوئی کرتا ہوں پیٹ کی خاطر
وہ بوم بننے میں گر نقص ہے ہو کچھ باہر　　تو اُسکی شکل کروں اور جانور کی پھر
عجیب شور مچاتا ہے الو بننے کا

غرض کہ اسی طرح ایک مولوی صاحب کشمیری کی ہجو میر ہاتف کی مذمت مرزا فاخر مکین کا خاکہ مولوی ندرت کشمیری کی لڑکی کی تذلیل اور تضحیک اُن کے یہاں موجود ہے جو بوجہ طوالت کے نہیں لکھی جائیں۔

اگرچہ یہ کہنا زیادتی ہے کہ ہجو بھی داخل ظرافت ہے۔ مگر اسمیں کوئی شک نہیں کہ ہجو نگار بھی تمام مسخراپن اور ٹھٹھول طعن و طنز و تشنیع کے ذرایع کام میں لاتا ہے اور

اور اُسی سے ایک صورت ظرافت کی پیدا ہو جاتی ہے یہی سبب ہے کہ ہم نے سودا یا دوسرے ہجو گویوں کو بھی شریک تذکرہ کیا۔ ورنہ ظرافت اور ہجو کا ظاہری فرق کون نہیں جانتا

سوزی۔ بابا سوزی قزوین کے رہنے والے تھے۔ اگرچہ ایک زبردست شاعر تھے۔ مگر ظرافت ہجو کی طرف طبیعت بیحد مائل تھے۔ چنانچہ ایک قطعہ جو ایک شخص کی ہجو میں کہا تھا یہ ہے۔

لے خیرہ بے تمیز بزندقی بوند و عک — بے رزق و کاخ خوار و کدو کوچ تیک پک
گہ خوار و چوں کلاغ و سیہ و چوں غراب — غربلیہ گرچہ صوفہ و چوں ماکیاں کرک

.....

ہر صبح باد گوز بر پشت قشوں قشوں — ہر شام باد..... پلک پلک

سوز۔ تخلص سید محمد میر نام تھا۔ میر درد۔ سودا۔ و میر کے معاصر تھے۔ دلّی میں ایک محلہ قراول پورہ میں مکان تھا۔ اِن کے بزرگوں کا اصلی وطن بخارا تھا۔ اور ان کے والد نہایت بزرگ تھے۔ اور تیر اندازی کی مشق کمال کو پہنچائی تھی۔ میر سوز اپنے نام کے آخری حصہ کی رعایت سے میر تخلص کرتے تھے۔ مگر میر تقی میر کی خاطر ان کو وہ تخلص چھوڑ کر سوز اختیار کرنا پڑا۔ اسی بات کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

کہتے تھے پہلے میر میر تب ہوے ہزار حیف — اب جو کہیں ہیں سوز سوز یعنی سدا جلا کرو

دلی کی تباہی اور بربادی کے بعد لکھنؤ چلے گئے تھے۔ مگر یہاں مدتوں قدر نہیں ہوئی یہ مرشد آباد چلے گئے جب وہاں بھی پھرے تو نواب آصف الدولہ ان کے شاگرد ہوے مگر موت نے زیادہ مہلت نہ دی سنہ ۱۲۱۱ھ میں پیوند خاک ہوے۔

درویش مزاج۔ عالی طبع۔ بلند حوصلہ۔ نیک طینت۔ خوش گفتار آدمی تھے

کلام میں سادگی۔ صفائی۔ روانی کو زیادہ ملحوظ رکھتے تھے۔ اور تخیل کے مقابلہ پر بھی یہی چیز زیادہ اُن کے یہاں پائی جاتی ہے۔

وہ ظریف المزاج تھے۔ طبیعت میں مذاق۔ اور دل میں ظرافت کا جوہر۔ دماغ میں بذلہ سنجی کی ہوا موجود تھی یہی وجہ تھی کہ وہ کبھی کبھی ظریفانہ شعر لکھ جاتے ہیں۔ لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ اُن کی سادگی اتنی بڑھ جاتی ہے متانت کی حد میں نہیں رہتی۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ وہ بقول صاحب طبقات الشعراء ایک ظریف الطبع شخص تھے طبیعت کا رجحان اِدھر تھا۔ وقت بیوقت مختارانہ۔ یا بے اختیارانہ اُن کے قلم سے ایسے اشعار نکل جاتے تھے جنھیں اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ درجۂ تہذیب یا متانت سے گرے ہوئے ہیں۔ اُن کی ظرافت دستورِ زمانہ کے موافق ہزلیات۔ اور فواحش کی حد تک کبھی نہیں پہونچی۔ زبان کی سادگی۔ اور اندازِ بیان کی شگفتگی ایک ایک حرف سے ظاہر ہوتی ہے اور اس بات کی یہاں تک اُن کے یہاں پابندی ہے کہ میں جس کو ظریفانہ کہتا ہوں اگر کوئی میرا حریف ہو تو وہ اُسی کلام کو عاشقانہ اور متین ثابت کر سکتا ہے۔

گئے گھر سے جو ہم اپنے سویرے — سلام اللہ خاں صاحب کے ڈیرے
وہاں دیکھے کئی طفل پریرو — ارے رے رے ارے رے رے ارے رے

سنتے ہی سوز کی خبر مرگ خوش ہوا — کہنے لگا کہ پنڈ تو چھوٹا بھلا ہوا

بھلا رے عشق تیری شوکت و شان — بھائی میرے تو اُڑ گئے اوسان

گیا ایک دن اُسکے کوچہ میں ناگاہ — لگا کہنے چل بھاگ رے پھر نہ آنا

دُعا دی تو لگا کہنے کہ دُور ہو — سنی میں نے دعا تیری دعا کی

کہا میں نے کہ کچھ خاطر میں ہوگا — تمھارے ساتھ جو میں نے وفا کی
گریباں میں ذرا منھ ڈال دیکھو — کہ تم نے اس وفا پر ہمسے کیا کی

تو کہتا ہے کہ بس بس چونچ بند کر — وفا لایا ہے دست تیری وحنا کی

کچھ کہہ تو قاصد آتا ہے وہ ماہ — الحمد للہ الحمد للہ
جھوٹے کے منہ میں آگے کہوں کیا — استغفر اللہ استغفر اللہ

یار آتا ہے ترے یار کی ایسی تیسی — آزماتا ہے ترے پیار کی ایسی تیسی

پھر اتنی بات سنتے ہی رو کر کہا کہ حیف — طوطا ہمارا مر گیا کچھ بولتا ہوا
یار گر صاحب وفا ہوتا — کیوں میاں جان کیا مزا ہوتا

چلتر سن نیا عیار کا تو — زبردستی مرا دل لے لیا ہے
چھپا مٹھی میں کہتا ہے کہ او میاں — ہمارے ہاتھ میں بوجھو تو کیا ہے

جسقدر اشعار لکھے گئے یہ انتخاب ہیں اُن انتخابوں کے جو اہل تذکرہ نے کئے ہیں مجھے افسوس ہے کہ میرے پیش نظر اُن کا دیوان نہیں ہے۔

سوزاں۔ منشی حبیب الدین نام تھا۔ خواجہ معین الدین سہارنپوری کے فرزند تھے۔ ابتدائے شباب کے ساتھ ہی دل میں حسن پرستی کا مادہ پیدا ہوا اور سوز و گداز عاشقانہ طبیعت میں جوش زن ہو گیا۔ وطن کو چھوڑا دلی میں آئے اور مرزا غالب کے شاگرد ہوئے اور مرزا مرحوم کی حیات تک دلی ہی میں رہے۔ مگر اُن کے انتقال کے بعد یہاں جی نہ لگا اور پھر وطن مالوف چلے گئے۔ اگرچہ مفلوک الحال رہے۔ مگر افلاس میں بھی زندہ دلی نہ گئی۔ وہی آن بان آخر وقت تک رہی جو اوّل میں تھی تا اینکہ ۱۸۸۹ء میں شمع حیات صرصر اجل کے جھونکوں سے خاموش ہو گئی۔

آپ صاحب تصنیف و تالیف ہیں چنانچہ تاریخ عجیب حالات حکمائے یونان تریاق ہمہ تاثیر القلوب۔ اور گنج شائگاں مختلف علوم و فنون میں آپ کی تصنیف سے ہیں بعض کتب راقم تذکرہ نے بھی دیکھی ہیں خوب لکھی ہیں۔

ایک مختصر دیوان شایع ہوا تھا۔ دوسرا تیار ہے وہ شایع نہیں ہوا۔ کلام اگرچہ متین زیادہ ہے۔ مگر اسی متانت میں ظرافت بھی شامل کر دیتے تھے۔ چند شعر مل سکے جو ہدیۂ ارباب نظر کئے جاتے ہیں۔

دھو سکے تو اپنے دل کا داغ دھو — شیخ منھ کو ہر گھڑی دھوتا ہے کیا
توبہ کا ارادہ تو ہمارا بھی ہے اے شیخ — لیکن ذرا آجائے بڑھاپا ابھی کچھ اور
آنکھیں پھوٹیں ہاتھ ٹوٹیں جسنے دنیا میں — چشم عشوہ زا دیکھی ساق نازنیں پکڑی
سنکے بیماری سوزاں کی خبر از رہ درد — لگے کہنے کہ بڑھا پا ہے خدا خیر کرے
سر و سامان نہیں ہمسے مہیا ہوتے — ورنہ فرعون تو کیا اسکے بھی باوا ہوتے

سیّد۔ مولوی محمد بخش نام تھا۔ قدما میں سے ہیں مولف تذکرہ خمخانہ جاوید نے ایک بیاض سے چند شعر لکھے ہیں۔ یہ پتہ نہیں چلا کہ کہاں کے رہنے والے تھے۔ اور کب تھے میں بھی صرف اشعار نقل کرتا ہوں۔

شاہ صاحب تم دغا باز و فریبی ہم ڈٹتے نہیں — دیکھکر تمہاں جبہ اور جھولی آپ کی
ہم فریب ذات والا سے بہت آگاہ ہیں — کیا ہوا ظاہر ہے صورت بھولی بھالی آپ کی
کام کرنیکے نہ تھے جو کچھ ہمارے سو کئے — بھنگ چھانی رات دن افیون گھولی آپ کی
خاصہ آزادوں کے حلقے میں داخل ہیں میاں — سیکھ لی عیاری باتیں اور بولی آپ کی
پھر کرم فرمایا ہاں اے شیخ جی مت ہو جیو — کل فضیحت سخت اس محفل میں ہوگی آپ کی

حرف شین معجمہ

شاہی گیلان کی رہنے والی ایک فاحشہ عورت تھی۔ شاعری کا شوق بہت زیادہ تھا۔ مگر افسوس کہ اپنے افعال کی طرح اپنے اقوال کو بھی فواحش سے علحدہ نہ رکھتی تھی حتیٰ کہ جسقدر کلام اُس کا میری نظر سے گذرا اُس میں سے ایک شعر بھی ایسا نہیں جو فحش نہ ہو اور انتخاب میں آسکے۔ لہذا صرف اسی نام پر اکتفا کرتا ہوں۔

شوخ۔ تخلص ہے منشی حسن جعفر صاحب لکھنوی کا۔ جب میں نے جیم کی ردیف لکھی تھی اُسوقت آپ جوکر تخلص کرتے تھے لہذا وہیں آپ کا نام اور کلام لکھا گیا۔ اب چونکہ آپ شوخ تخلص کرتے ہیں اس لئے تذکرۃً یہاں نام لکھدیا گیا ہے۔

شرف۔ افسوس کہ مجھے آپکے نام سے اطلاع نہیں شاید رائے بریلی۔ یا بارہ بنکی کے ضلع کے رہنے والے ہیں۔ پہلے کسی ریاست میں منیجر تھے اب ہومیوپیتھک علاج کرتے ہیں اکثر لکھنؤ آتے رہتے ہیں۔ راقم الحروف کے جاننے والوں میں ہیں۔ اکثر مشاعروں میں شریک ہوتے ہیں۔ کلام دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ ظرافت بھی اور عاشقانہ متین بھی۔ ظرافت میں نمک کم ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی بعض شعر نمک آتے ہیں۔ آپ کی اسوقت عمر تخمیناً ۴۵ برس کی ہوگی میں نے دو چار مرتبہ آپ سے آپ کے کلام کے لئے استدعا کی۔ اور آپ نے شد و مد کے ساتھ وعدہ بھی کیا۔ مگر افسوس کہ وہ وعدہ شاعرانہ وعدہ بنکر رہ گیا۔ دو چار شعر جو ادھر اُدھر سے مل سکے وہ درج کرتا ہوں۔

ساغر لئے ہوئے کبھی مینا لئے ہوئے　　آتا ہے روز ایک تماشا لئے ہوئے

آئے ہیں آج غیر کو لیکر وہ میرے گھر　　سامانِ انبساط ادھر لائے ہوئے

شاکی

شاکی سید اکبر حسین نام ہے ضلع الہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ مدتوں سے بسلسلہ ملازمت لکھنؤ میں قیام ہے پہلے اودھ اخبار میں مترجم تھے۔ اب حقیقت اخبار میں کام کرتے ہیں۔ آپ شیعی المذہب ہیں مگر نہایت بے تعصب اور نیک آدمی ہیں۔ فارسی قابلیت بھی کافی ہے۔ اور سخنگوئی کی مشق اپنے درجہ کمال کو پہونچ چکی ہے ظرافت اور عاشقانہ دونوں رنگوں میں طبع آزمائی فرماتے ہیں اور دونوں میں خوب خوب شعر کہتے ہیں۔ ظرافت میں اکبر الہ آبادی مرحوم کا اتباع کرتے ہیں۔ راقم الحروف کے شناسا ہیں۔ کلام عنایت فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مگر شاید عدیم الفرصتی کی وجہ سے ایفا نہ فرما سکے۔ چونکہ اخبارات میں آپ کا ظریفانہ کلام اکثر شائع ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے دو ایک شعر نمونتاً اخبار حقیقت سے نقل کرتا ہوں۔ شاکی صاحب ایک پرگو شاعر ہیں۔ اسوقت عمر تخمیناً پچاس برس کی ہوگی

ہے تو اچھا قوم کی خدمت گوارا کیجئے　　اپنے قومی درد کا دنیا میں چرچا کیجئے
قوم کے جلسوں میں جا کر کیجئے تقریر خوب　　پر اثر مضمون اخباروں میں چھاپا کیجئے
اس سے جب فرصت ملے حل کیجئے قومی امور　　یا کوئی اسکیم چندہ کی مہیا کیجئے
ہاں مگر ہرگز نہیں ہے آپ شرط لیڈری　　قوم کا بڑھتا ہوا افلاس دیکھا کیجئے
ہمنے مانا ہو گئے ہیں آپ بھی نباضِ قوم　　اس ہماری مفلسی کا تو مداوا کیجئے
یہ نہیں ممکن تو شاکی ہی یہ سب بیکار غم　　اس سے تو بہتر ہے گھر میں بیٹھے رویا کیجئے

لالہ انگریزی میں جب فائق ہوئے،　　مغربی تہذیب کے شائق ہوئے
باپ کو کہنے لگے مائی ڈیر　　واہ کیا لائق یہ نالائق ہوئے

شیخ نے یکہ کیا لالہ نے بیچا تیل گڑ — وہ پھرے دردر تو یہ کرتے رہے بس ٹال ٹال
چھ مہینے بھی نہ گذرے تھے کہ یہ بٹ ہو گئی — ان کا یکہ بک گیا اور لے لیا لالہ نے مول

شمشاد ۔ شاید غلام پنجتن نام ہے اٹاوہ کے رہنے والے ہیں۔ ظرافت گوئی کا شوق ہے مگر ظرافت ہزل اور فواحش کے درجہ پر پہونچ جاتی ہے حتی کہ مجھے جسقدر کلام آپ کا ملا اس میں ایک شعر بھی ایسا نہیں تھا جو غیر مہذب الفاظ سے خالی ہو۔ مجبوراً نام پر اکتفا کی۔

شوق حافظ غلام رسول نام تھا۔ دلی کے رہنے والے تھے۔ ویسے ہی شعر کہتے تھے جیسے پہلے لوگ کہا کرتے تھے یعنی غزل میں آدھے شعر عاشقانہ اور آدھے ایسے کہ جنھیں دیکھکر آج سامان تفریح مہیا ہوتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ظرافت کی طرف مائل ہو۔ قلعہ سے کچھ تنخواہ مقرر تھی محلے کے شوقین نوجوان لڑکے اصلاح بھی لیتے تھے۔ اور کچھ لے دے کر غزلیں کہلوا لیا کرتے تھے۔ ذوق مرحوم کو انھیں کے یہاں سے شعر سن سن کر بچپن میں شاعری کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ شاہ نصیر وغیرہ کے معاصر تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

مزا انگور کا ہے رنگترے میں — عسل زنبور کا ہے رنگترے میں
ہیں اشعار ہلالی اس کی پھانکیں — یہ مضمون دور کا ہے رنگترے میں
نہیں ہے اسکی پھانکوں میں یہ زیرا — یہ لشکر مور کا ہے رنگترے میں
ہے گلگون مجسم یا بھرا خوں — کسی مجبور کا ہے رنگترے میں
مزاج اب جسکا صفراوی ہے اے شوق — دل اس رنجور کا ہے رنگترے میں

کر لک مژگان چشم سنگمر آکے جگر میں اکو پیا لگی — آہ کہ ہمدم ساتھ ادھر سے جنگ
وعدہ کیا تھا شام کا مجھسے شوق جنھوں نے کل دن کو — آج وہ آئے پاس مرے

فاقہ مست عدیمے بد ایسا ہی چھٹی کا رجا ہے — نانی جس کی آئی چھٹی میں
شیخ بگھارے اپنی شیخی مفت کے لقمے کھاتا ہے — دودھ ملیدا

شوکت ۔ مجدد السنۂ مشرقیہ مولانا احمد حسن میرٹھی مرحوم کا تخلص ہے آپ کی قابلیت اور معلومات مسلم تھی ۔ اور ملک کے نہایت موقر شعرا و اہل قلم میں آپ کا شمار ہوتا تھا ۔ عربی و فارسی میں فاضل بے بدل اور عالم بے مثل تھے ۔ مدتوں تک ملک کے ظریفانہ اخبار طوطی ہند میرٹھ کے ایڈیٹر رہے ۔ جس میں سیکڑوں مضمون ظریفانہ آپ کے قلم سے نکلے اور ملک میں مشہور ہوئے ۔ غالب ۔ مومن ۔ خاقانی وغیرہ کے مشکل کلام کی شرح کی طرف پہلے آپ ہی نے توجہ منعطف فرمائی تھی ۔ آپ کا عاشقانہ متصوفانہ ہر رنگ کا کلام موجود ہے اسی کے ساتھ ظرافت میں بھی آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا ۔ اور اس میں بھی آپ نے وہ گلکاریاں کی ہیں جو قابل دید ہیں ۔ بھاشا کی معلومات بھی نہایت کافی تھی ۔ نمونہ کلام یہ ہے ۔

پادری تثلیث پر ناحق ہیں غش — تین میں سے دو نہیں ہیں کام کے

شہدا ۔ دلی کا رہنے والا تھا ۔ احسان کا شاگرد تھا زیادہ حال معلوم نہیں ہوا چند شعر مل گئے ۔ وہی درج کرتا ہوں ۔

کیا ہی عاشق ہے بت طناز پہ سانڈ — دوڑتا صاف چلا آتا ہے آواز پہ سانڈ
ناتوانوں کی ترے سامنے کچھ قدر نہیں — کیا کوئی چاہیئے عاشق ترے انداز پہ سانڈ

لے گیا دل کو بغل میں داب کر — بے وفا ڈاکو نہیں ہے چور ہے

ننگا ہی کر دفن مجھے اپنی گلی میں — ایسا نہ ہو لیجائے کفن کوئی کفن چور
میں غم سے گھلا جب تو وہ غیروں سے یہ بولا — کیا دیکھتے ہو اسکو کہ ہے اسکا بدن چور
اپنے دل محزوں کو میں کس کس سے بچاؤں — ظالم کی نظر چور کمر چور دہن چور

میاں مجھکو ستانا پر ذرا یہ بھی سمجھ لینا　　جو تو عیار ہے پیر حرم ہے تو میں بھی شہدا ہوں

شہباز ۔ اسم گرامی مولوی عبدالغفور تھا۔ اورنگ آباد کے کسی کالج میں پروفیسر تھے۔ اردو کے بڑے زبردست نثار اور زباں دان تھے۔ آپ نے نظیر اکبرآبادی کے کلام پر نظر ثانی کرکے اس کو ترتیب دیا۔ وہ مجموعہ نولکشور پریس میں نہایت بہتر حالت میں چھپا تھا۔ اُس کے ساتھ ہی نظیر اکبرآبادی کی سوانح عمری ۱۸۹۲ء میں ترتیب دی۔ آپ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ مجھے نظیر کے کلام سے عشق تھا۔ اس کا ثبوت اس سوانح عمری سے ملتا ہے۔ میں نے جتنی مرتبہ یہ کتاب دیکھی عبارت میں ایک نیا لطف آیا عقیدتمند لوگوں کا قول ہے کہ آبحیات مولوی محمد حسین آزاد کی عبارت بے مثل ہے۔ اس میں شک نہیں مگر شہباز کی عبارت سے اس کو کوئی نسبت نہیں اس میں اُن کی زباندانی اور شیوا بیانی نے حرف حرف میں موتی جڑ دیئے ہیں۔ دلکش عنوان انوکھا طرز بیان نُورٌ علیٰ نُور ہے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اگرچہ اُن کو نظیر کے حالات کا حفظ نہیں سکے ہیں پھر بھی انھوں نے ان کے کلام سے مدد لیکر سوانح عمری کو مکمل کر دیا ہے اور اسقدر صحیح استدلال کیا ہے کہ بلا تشبیہ وہ مولوی محمد حسین آزاد کی غلط بیانیوں سے بڑھ گیا ہے۔ ہر حالت کا ایک منظر دکھا دیا ہے۔ اور کتاب کو آئینہ حالات نظر بنا دیا ہے۔ زباندانی کا یہ کمال ہے کہ ایک ایک حرف کے متعدد مرادفات۔ ایک ایک جنس کی مختلف انواع اور نام۔ اگر دیکھا جائے۔ اور انصاف سے کام لیا جائے۔ تو اُن مدعیان بے خبر کے لئے جو زبان کے بارہ میں شب و روز انا ولا غیری کا وظیفہ رٹا کرتے ہیں یہ ایک تازیانۂ عبرت ہے۔

مولانا شہباز ظرافت کے مرد میداں تھے۔ اکبر کے رنگ میں اودھ پنچ سابق میں اُنکی وہ وہ نظمیں چھپی ہیں جن میں بہت کچھ اکبر کا رنگ موجود ہے۔ میں کچھ اشعار نقل کرتا ہوں۔ مولانا شہباز آخر عمر میں کلکتہ میں رہتے تھے اور نواب سید محمد خاں آزاد کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ عرصہ ہوا کہ انتقال ہو گیا۔

تہذیب قیس

لیلیٰ کے کہنے سننے سے آخر کو قیس نے
لکھوایا نام نجد کے انگلش سکول میں

اے بی کے بعد پڑھنے لگا ایسی ریڈریں
تعلیم خوش معاشی ہے جن کے اصول میں

نپٹا مٹر میں دیکھتا تھا انبساط کو
پاتا تھا انقباض فعولن فعول میں

ازبر تھے یوکلڈ کے تھیورم پر ابلم
اقلیم حافظہ تھی گرامر کے رول میں

تھا نکیہ کلام کی صورت زبان پر
کیا جانے کیا مزا تھا بھرا ڈیم فول میں

القصہ انٹرنس ہوا پھر ہوا ایف اے
بی۔ اے۔ ایم اے کے پار بھی آئے حصول میں

ہمت بڑھی کہ کیجئے بیرسٹری بھی پاس
پھر عرب ہیں وحشیوں کے ہوں شمول میں

لندن گیا تو اوک میں پانی لگا مزا
حاصل تھا وہ جو نجد کے بنا کی ببول میں

آئی نظر جو اوک کی کرسی پہ ایک مس
کھٹمل کی طرح عشق گھسا دل کی چول میں

بال اسکے سر پہ صاف شعاعیں تھیں مہر کی
ریشم کو جو شمار کریں جنس اول میں

گردن شکستہ دیتی تھی ظبی الفلاۃ کو
قامت دبا کے سرو کو ابھرا تھا طول میں

پھل سیب نے لگائے تھے قامت کے شاخ میں
رنگت بھری تھی روز ازل عارض کے پھول میں

دیکھا جو یہ بجا نہ ہے قیس کے حواس
لگتی نہیں ہے دیر بلا کے نزول میں

مجنوں کو دھن کہ جلد پیوں دہسکی وصال
میری پڑی تذبذب رد و قبول میں

میری سمجھ کو ٹٹ شب کا بڑھا تازہ ذوق شوق
لیلیٰ کا عشق کہنہ ملا خاک دھول میں

شہبانہ ہے کلام کا اکبر کے یہ جواب
لیکن بڑا ہے فرق فروع و اصول میں

قانون قسمت

ہمنے پوچھا یہ اپنی قسمت سے
دور کیوں ہمسے گنج مطلب ہیں

کالی رنگت ہے کیا محل میں
کالی رنگت سے گر ہیں شب ہیں

شب ہی کو ہے سدا چمکتا چاند — شب ہی کو جگمگاتے کوکب ہیں
کالی رنگت سے تل ہیں نقطۂ زیب — جن سے روئے بتاں فریب ہیں
کالی رنگت سے گیسو جاناں — لیلۃ القدر سے مخاطب ہیں
کالی رنگت سے ابروئے خمدار — تیغ و خنجر ہیں جفت عقرب ہیں
کالی رنگت سے پتلیاں دونو — چشم کے آسمانپہ کوکب ہیں
رنگ کے زیب سے مسی کاجل — راحت چشم و زینت لب ہیں
کسطرح دیں جگہ نہ آنکھوں میں — فائدے کحل کے مجرب ہیں
زیب دیتا ہے تن پہ کالا سوٹ — متفق اسپہ کل مہذب ہیں
حجر اسود کے مذہبی بوسے — بوسۂ لعل سے بھی اعذب ہیں
پاک کعبے کے کالے کالے غلاف — سرمۂ چشم دین و مذہب ہیں
گوری رنگت ہے گر سبب اسکا — ہم میں بھی کالے کم نہیں سب ہیں
رنگ ابیض سدا نہیں مطبوع — ورنہ کیوں داڑھیاں مخضب ہیں
ڈرتے ہیں داغ برص سے یوں لوگ — جیسے مبروص کے معذب ہیں
شکل سے سنکھیا فکر کی ایک — جتنے ابیض ہیں کب سب اعذب ہیں
فرض کریں سفید کو گردن — دن بھی خالی کسوف سے کب ہیں
پتلیاں گر سپید ہو جائیں — ہر قدم پر قدم مذبذب ہیں
رشتہ مردوں میں خول اگر ہو سفید — لاکھ اقرب ہوں پھر بھی عقرب ہیں
رنگ نقرہ برا ہے گھوڑوں میں — اسپہ شاہد صفات مرکب ہیں
اجلے سے ہے سہاگنیں بیزار — کیونکہ رنگیں سہاگنیں سب ہیں
سچ بتا انپہ کیوں تو ریجھی ہے — ہے غمزے ترے یہ کیوں ہیں
بولی قسمت فضول سب تقریر — ایسی باتیں نظر میں یاں کب ہیں

کالے گورے پہ کچھ نہیں موقوف　　دل کے آنے کے اور ہی ڈھب ہیں

معذرت انگریزی

ایک مرغے نے یہ مرغی سے کہا　　لوٹتی ہے خاک پر کیوں بے تمیز
ہنسکے مرغی نے دیا اس کو جواب　　جسم پر ملتی ہوں پوڈر اے عزیز
بولا مرغا ہے یہ پوڈر کیا بلا　　بولی مرغی ہے یہ اک فیشن کی چیز
پوچھا مرغے نے کہ ہے فیشن یہ کیا　　بولی مرغی بچہ کمفرٹ وائز
ڈانٹا مرغے نے کہ انگریزی نہ بول　　بولی مرغی مرغی تیرے سر میں ہے ڈیز
مرغا جھنجھلایا کہ پھر پھر وہی　　مرغی بولی چپ بھی رہ اے بدتمیز
وہ زباں جو ہے زبانوں کی کوئن　　بولی وہ ہے جسکی ہر بولی کنیز
چھوٹ سکتی ہے چھڑائے سے کہیں　　جبتلک ہے کوٹ پتلون اور کمیز
جذا شہباز کا حسن کلام　　مرحبا باغ فصاحت کی بریز

پادری ولیم نے احمد سے کہا　　لو پڑھو انجیل سے سیکھو تمیز
بولا احمد اس کی اب حاجت نہیں　　پڑھ چکا ہوں میں تو صاحب مسٹریز

حرف صاد

صاحبقران تخلص امام علی نام تھا۔ باپ کا نام سید غلام حسین رضوی تھا بلگرام ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ جرأت اور انشا کے معاصر تھے۔ ریختی۔ ہزل ظرافت۔ ان کے کلام میں سب موجود ہیں۔ مگر افسوس کہ اعتدال کو مدنظر نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر جگہ کلام فحش کے درجہ تک پہونچ گیا ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مولف تذکرہ گلشن بے خار نے ان کا ذکر لکھتے ہوئے لکھا ہے۔ شرم و حجاب از دلش بمراحل دور۔ و طبعش از آداب و اخلاق مہجور۔ ہر چند داب جامع ایں اوراق نیست کہ عیاذاً باللہ کسے را بہ بدی نام برد۔ اما در خصوص اینکس نظر بفحش و ہزلش خلاف عنوان ما خواست حرفے چند از نوک خامہ بر صفحۂ نامہ ثبت گردید۔" صاحبقران کے یہاں مضامین دلکش کی کمی نہیں۔ مگر فواحشات نے اسطرح ان کے کلام کے حصوں کو گھیر رکھا ہے جسطرح کہ گلاب کے پھول کو کانٹے گھیر لیتے ہیں۔ گلچیں کی دسترس نہیں ہوتی کہ بے باکانہ انکی طرف ہاتھ بڑھاے۔ دیوان ان کا غیر مطبوعہ نہایت تلاش سے کہیں کہیں ملجاتا ہے چنانچہ میں نے سخت محنت اور تلاش کے بعد اُن کا دیوان تلاش کرکے نہایت محنت سے چند اشعار منتخب کئے۔ جو درج کرتا ہوں۔

کملو پہ لگی کہنے مری دیکھ کے حالت — شہوت سے نہ کر چاک گریبان ادھر آ
دیکر عرق مکوہ کا پاداش بدل لیا — صندل کا ریت دیکے برادا بدل لیا
یہ روز چال سیکھی ہے کملو نے اندنوں — بازی جو دیکھی مات پیادا بدل لیا

صاحبقراں وہ لعل سا دل تنگ سرخ سے
کملو نے جان کر مجھے سادا بدل لیا

سُنا جو چکلے میں کہتی تھی ہر جو ایسے پیر
زمانہ چاہا کیا جب تلک جمال رہا

رات روشن سے اندھیر میں کوئی کچھ کر گیا
اس نئی گرمی کو سنکر میں ہنسی سے مر گیا

دمبدم لڑتی ہے کشتی مجھسے جو خم ٹھونک کر
پیچھ والا کیا کوئی تعلیم تجھکو کر گیا

چھپکے جو کرتی تھی اسکو ہر ملاکرنے لگی
خوش ہوئے مہتاب اس سے شوہر گیا

میں تو چکلے میں ڈر گیا جاکر
کوئی ماکھو بنی کوئی بیچا

آج صاحبقراں کی آمد ہے
چوکیوں پر بچھاؤ غالیچا

جہاں آیا کوئی مفلس کے گھر میں ملتجی ہوکر
ہزاروں بار رکھوا تا ہے پانی پائخانے میں

وہ ہونسالا راجو بھینس پہ بھوری کے بیاہ میں
غیرت سے بیل ڈوبتے پھرتے ہیں چاہ میں

جوبن کو نور تن کے یار و شتاب لوٹو
آئی ہے حج یہ کرکے دوڑو ثواب لوٹو

سنتے ہیں میکدے سے نورن چلی ہے حج کو
اب تو سوچو ہے کھا کے بلی چلی ہے حج کو

چتون غضب ہے ننھی کی ہے بے مثال آنکھ
چھوٹے سے سن میں اسکی بڑی ہے چھنال آنکھ

کملو مجلس سے کوئی ٹلتی ہے
میری چھاتی پہ مونگ دلتی ہے

زاہد نے کرتہ نیلا رنگا یا بسنت میں
جو روسیہ میں کیا انھیں پر بسنت میں

ایک میں کڑھتا ہوں اپنے یار جانی کیلئے
ورنہ سب روتے ہیں خالہ اور نانی کے لئے

پدڑوں میں اوقات کٹتی ہے اپنی
کبھی توپ اور توپ خانا نہ جانا

جو پوچھا کہ صاحبقراں سے ہے واقف
تو بولی کہ ایسے کو جانا نہ جانا

کانوں کی اپنے بالی اور میری بھولی بھالی
ہاتھوں سے کیوں چھپالی او میری بھولی بھالی

باریک سا دوپٹہ لازم ہے گرمیوں میں
اوڑھا نہ کر نہالی او میری بھولی بھالی

منھ سے بڑا نوالہ کلہ کو پھاڑتا ہے
باتیں نہ کر رذالی او میری بھولی بھالی

جس میں کہ چاہ سے تو کھاتی ہو وال خفقا
غوری ہے یا سفالی او میری بھولی بھالی

جو دیکھتا ہے سر کو پتھر سے مارتا ہے
ہونٹوں کی تیرے لالی اور میری نکلی بھالی

صاحبقراں کی خاطر لازم ہے ہنسنے ماننا
راون کی ہے تو سالی اور میری بھولی بھالی

نہیں لگتی جو مفلسوں کے ہاتھ
سخت وہ قحبہ مالزادی ہے

وہ نہ کیونکر سے چلے غرور کی چال
بھڑوا شیطان جسکا ہادی ہے

اس کو پالا ہے اک زمانے نے
نہ کوئی دادا ہے نہ دادی ہے

گر اسی کا نام گرمی ہے تو ہم ٹھنڈے ہوئے
دمبدم گالی ہے اور بیزار اٹھتے بیٹھتے

وہ ہاتھ میرے آئے احسان آپکا کیا
پکا جو بیل یار کوئے کے باپ کا کیا

چکلا جسے کہتے ہیں اندر کا اکھاڑا ہے
پریوں پہ نہ عاشق ہو جائے گا دیوانہ

میں نے صاحبقراں پوچھا کہ تمہے بوسہ پر
کس کے بوسہ کا نشاں ہے تو کہا تجھکو کیا

بے خزاں حسن کا گلزار نہیں رہنے کا
یہ سدا غنچے اور پیار نہیں رہنے کا

رات کہتی تھی گنا بخشی سے
دل ہے صاحبقراں میں میرا

وہ سادگی تری نرہی اب نہ غرور
چینی کی تشتری میں ہی بال آگیا

مجھے بھاتا ہے جنگلو کا نشہ میں
بھکنا لڑکھڑانا اور مٹکنا

رنگ غصہ سے ہو گیا نیلا
دیکھ نورن کا مکر اور حیلا

اسکی بھٹی کو پکڑ میں نہ ٹلا ہے آگیا
چیخی اسطرح وہ چرخ کہ گلا بیٹھ گیا

کل ہنستے ہنستے اسکے دامن پہ ہاتھ ڈالا
مطلب نکالتے ہیں ہم باتوں بات اپنا

قدر کر چاہنے والوں کی اری سنتی ہے
جب گیا حسن دوبارہ نہیں پھر آئیگا

چھاتی پہ اسکی جب سے ہاتھ اپنا جا پڑا ہے
دل میرو دزد ستم حاسد لگا خدارا

مجھے برفی سوا بھاتا نہیں کچھ
پڑا ہے جب سے ان میٹھوں سے پالا

آگے لونڈوں کے سبب سینہ مرا چاک ہوا
اب جو رنڈی سے لگا لینے تو سو ڈاک ہوا

جفت رہنے کا اپنے طاق رہا
نفس شوم اپنا طاق رہا

جونکوں کی طرح لوہو پیا کرتی ہو ذرات
منھ لال ترا کیوں نہوا یجاں شیخا کا

کہا جو میں نے کہ سنتو کہیں نہ گھر میں ہو
وہ ہنسکے بولی چھنسنہ رہا ہوا نہوا

اگر ہاتھ آئے بھی ننھی سی چوہیا
میرا کیلا کب کھائے ننھی سی چوہیا

منگا دوں چھچھوندر اسے چھیڑنے کو
الہیا اگر گائے ننھی سی چوہیا

اچھل کر رکابی سے لیجائے بوٹی
جو کھانے کی بو پائے ننھی سی چوہیا

نقد دل اپنا لگے مانگنے عاشق سارے
قدر جاتی رہی جسبو قت دالا نکلا

رستم کی اگرچہ ہو نواسی
جب وقت پڑے تو دغدغا کیا

کسبی کنے ایک سے ہیں ہم تم
کیا غیر وہاں اور آشنا کیا

شیخ جی بھول کے جو بیٹھ گئے غایت کو
جب فراغت ہوئی کہنے لگے ہاں ہاں لوٹا

ترا دشمن کڑک مرغی کی مانند
رہے ٹاپے میں غم کے تا قیامت

ہاتھ میں نے نہ لگایا تھا اسے خطرہ سے
دھر دیا اسنے زبردستی پکڑ ہاتھ پہ ہاتھ

مت مجھکو بہکانا آج
مدتے جاؤں آنا آج

تجھکو میری قدر نہیں
اتنا میں نے جانا آج

گدھے کو اپنے دھوبن ہانکتی جاتی ہے ٹخ ٹخ ٹخ
وہاں سے لاد کر کپڑوں کو پھر آتی ہے ٹخ ٹخ ٹخ

نہ دھرمٹ ہے نہ پٹہ ہے کہرواہے نہ ٹھری ہے
کہیں جو مست ہوتی ہے تو پھر گاتی ہے ٹخ ٹخ ٹخ

اب تو صاحبقراں لڑا یا کر
گھوڑے سے گھوڑا سانڈ سے سانڈ

گوز ہے یا کہ ہے صاحبقراں آندھی آئی
ایک پھسکی میں اڑاتے ہیں وٹے پتھر

عیاں الفت نہ ہو شیریں لبوں کی
میاں بہتر ہے کھانا گڑ چھپا کر

کہیں صاحبقراں تو عقد کر لے
نہیں رہنے کی بے شوہر اجاگر

بیوفاؤں کے نام پر پاپوش — اُن کے اخلاق خام پر پاپوش
اتنا رسوا کیا محبت نے — آشنائی کے نام پر پاپوش
کہا کملو نے کچھ پھڑکا کے اپنی — جو انڈیچتی ہوں بیل لو بیل
خرگوش تیرا ہوش ہیں بندر سے کم نہیں — ہر خانہ زاد تیرا مچھندر سے کم نہیں
گو سوکھ سا کھ ظالم اچھو رہو گئی ہے — لیکن ہوے نہ اب تک ٹاروں کے دانت کھٹے
دیکھو بھوری پہ موہا عاشق ہے — پدمنی بھینس چوہا عاشق ہے
مرد کب چھوڑتے ہیں رنڈی کو — گھوڑی کیسی ہو گھوڑا عاشق ہے
روز لاتا ہے ماش کی پوری — کیا کروں میں پاروڑا عاشق ہے
رات سنگی دیکھکر میری طرف کہنے لگی — اس نگوڑی کی تو کچھ صورت ہے پہچانی ہوئی
تھا یہی کافر کہ کل جسنے ستایا تھا مجھے — خوش ہوئی بس آج میں اسکی مسلمانی ہوئی
میکدے کے رہنے والوں سے نہ بولا کیجئے — میکدے میں آپ برانڈی گھولا کیجئے
بند ہو جہاں کب امساک سے — سیل رک سکتی نہیں خاشاک سے
گھورتا عینک سے ہے صاحبقراں — کب اُٹھائے ہاتھ اپنی ناک سے
صاحبقراں سے مغلانی کہتی تھی نہ خفا ہو — ہرگز نہیں میں لائق تیرے چھوڑنے کے
میں جانتی تو بوسہ تجھکو نہ دیتی ہرگز — یہ تیز دانت تیرے قابل ہیں توڑنے کے
کہا صاحبقراں نورن سے میں نے — ہماری کیجیو تو عیب پوشی
خفا ہو کر لگی کہنے کہ چپ رہ — جواب جاہلاں باشد خموشی
صاحبقراں کل گئے تھے پنکھے ناگاہ — لیکن نہ کسی پہ ڈالی شہوت کی نگاہ
پر جب ہوا احتلام پوچھا حضرت — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

صاحبقراں اپنی اوسط عمر میں لکھنؤ آ گئے تھے اور یہاں نواب آصف الدولہ مرزا سلیمان شکوہ وغیرہ کی سرکاروں میں ملازم رہے اور تا حین حیات زندگی بفراغت

گزاری۔ جس کا جابجا اُن کے کلام سے پتہ چلتا ہے۔ وہ ایک مرنجاں مرنج ہنسوڑ رنگیلے مزاج کے آدمی تھے اُن کے قال سے اُن کے حال کو کوئی نسبت قریبی نہیں تھی۔

صفدر۔ آپ نے اپنے نام کے جزو اول کو تخلص قرار دیا ہے۔ مرزا پور آپ کا مولد و مسکن تھا۔ مگر بہت عرصہ سے لکھنؤ میں قیام ہے۔ اور یہیں شادی بھی کر لی ہے آپ ایک نیک مزاج بھولے مگر نہایت کہنہ مشق اور زود گو شاعر ہیں۔ بہت سے معرکوں میں آپ نے نہایت عمدہ عمدہ شعر کہے ہیں۔ اور حریفوں کو تاب مقابلہ سے عاجز کر دیا ہے۔ متین مہذب نیک دل ہیں معلومات شاعرانہ بقدر ضرورت کافی ہے۔ تین چار کتابیں مشاطۂ سخن۔ مرقع ادب وغیرہ آپ کی تالیفات سے ہیں جو نہایت مقبول ہیں ہر صنف سخن میں کلام موجود ہے۔ آپ کے معاصر آپ کی طبیعت خداداد سے ہمیشہ آپ سے چلتے رہتے ہیں۔ مگر اس سے کچھ ہو نہیں سکتا آپ کی مشق سخن گوئی کو تقویت پہونچتی ہے۔ اگرچہ آپ کا کلام قدیم رنگ میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ بجائے خود ایک چیز ہے۔ اور اگرچہ یہ دعوی دور از کار ہے کہ ہمیشہ ہر مشاعرہ میں آپ ہی کی غزل اچھی رہتی ہے یہ غلط اور بیکار ہے۔ مگر تاہم اکثر شعر اچھے ہوتے ہیں۔ منشی امیر احمد مرحوم کے شاگرد تھے اُن کے انتقال کے بعد جلیل صاحب اور ریاض صاحب خیرآبادی سے اصلاح لی۔ اور اب بھی اکثر اپنی غزلیں ریاض صاحب کو دکھاتے ہیں راقم تذکرہ کے عنایت فرما ہیں کبھی کبھی مکان پر تشریف لاتے ہیں۔ ظرافت مستقلاً آپ کے کلام میں نہیں ہوتی مگر کبھی کبھی تفنن طبع کے طور پر کچھ نہ کچھ فرماتے ہیں۔ نمونتاً چند شعر حاضر ہیں جو انھوں نے میرے اصرار پر خود عنایت فرمائے تھے۔

کوئی عاشق نہیں ملتا پریشاں حال ہونے ہیں
بنا عشق بھی اب بوریا بد ہنا سنبھالے ہیں

خدائی بھر سے نخرے زال دنیا کے نرالے ہیں
یہ وہ بڑھیا ہے جس پر ہم سے لاکھوں مرنے والے ہیں

ابے اوپیر گردوں غیر کے ارماں نکالے ہیں
ہمیں چکر میں رکھتا ہے ہمیں سے ٹالے بالے ہیں

جو کھڑکی سے تمھاری لی ونٹاسی گردوں نکالے ہیں
یہی لیلے کے بھائی ہیں یہی مجنوں کے سالے ہیں

بندر بھبکی دکھائینگے رقیب روسیہ ہم کو
سنا ہے آجکل تمنے نئے بندر یہ پالے ہیں

تماشہ ہے کہ ٹیں ہونے پہ بھی ہے چاٹ بوسہ کی
میاں مجنوں زباں جیسی نکالے تھے نکالے ہیں

خم ابرو کسی کا دیکھکر بدہو میاں بولے
ہجاڑوں موڑ اس ہنسیا سے تونے کاٹ ڈالے ہیں

سمجھ کر مٹی کا ہوا مرا دل توڑ ڈالا ہے
بڑے ہی ننھے منے ہیں بڑے ہی بھولے بھالے ہیں

خدا رکھے طویل المرتبہ قاروں سے بھی یہ ہیں
جو تھہ باندھتے ہیں اور لمبی داڑھی والے ہیں

کوئی دھنیا جو ملجاتا تو گل تکیہ میں بنواتا
تمھارے گال کیا ہیں جامن دئی کے گالے ہیں

کہاں بے موسم گل ہچکیاں آتی تھیں دامن کی
کہاں اب بی بہار آئی ہیں اور حشت کے لالے ہیں

تمھاری نائکہ بے طرح اب چوٹی لگاتی ہے
بلا سے پٹ رہے ہیں ہاتھ تو گردن میں ڈالے ہیں

نقاہت یہ مگر وعدہ کوئی سچا نہیں کرتے
جناب شیخ بھی شاید گیا کے رہنے والے ہیں

گل عارض لئے بیٹھے ہیں بازار محبت میں
کروں کس کس کا میں سودا ہزار ونکھول والے ہیں

بھلا دو چار خم میں حضرت صفدر کا کیا ہوگا
پلائے جا انھیں ساقی اگر دو ہت پینے والے ہیں

شب فرقت عدو سے جان سر بستر نکلتے ہیں
لہو پینے کو کھٹمل کاٹنے مچھر نکلتے ہیں

خدا محفوظ رکھے زال دنیا کی محبت سے
اسی بڑھیا کے مارے نوجواں اکثر نکلتے ہیں

کیا ہے بند ارمانوں کو اپنے دل کی کھڑکی میں
تمھیں آکر نکالو دیکھوں تو کیونکر نکلتے ہیں

ملے جسدن مجھے وہ چاند گنجی کرکے چھوڑوں گا
گلی سے آپکی اغیار کیوں ہو کر نکلتے ہیں

دیار عشق میں اے رشک لیلی ہوں وہ دیوانہ
میاں مجنوں بھی لیکر ہاتھ میں پتھر نکلتے ہیں

زمانہ دیکھتا ہے ہم گڑے جاتے ہیں غیرت سے
جو تھے پردہ نشیں وہ ہانکتے موٹر نکلتے ہیں

نچاتے ہیں جسے عشاق کو زلفوں میں بل دیکر
انھیں کے گھر سے انساں بن کے گھن چکر نکلتے ہیں

بچائیں اپنے اپنے چھونپڑے کہدو رقیبوں سے
ٹے پر سوز نالے پھونکنے چھپر نکلتے ہیں

بھلا فیشن کا ہو پردہ نشینوں کا یہ عالم ہے
سر بازار سینہ کھول کر تنکر نکلتے ہیں

یہ چٹ سالے کی کہتی ہے اک کمسن کی باڈی پر
پری بننے کو ہیں نام خدا اب پر نکلتے ہیں

رپٹا تھانے میں لکھی ہے تلاشی ہے قیبو نکی
گلی میں شہ چھڑا[1] کے آپ کے دیور نکلتے ہیں

جناب شیخ اس پیرانہ سالی پر بھی اے صفدر
بتوں کے گھورنے کو دیر سے اکثر نکلتے ہیں

[1] شاہ چھڑا کی گلی لکھنؤ میں ایک محلہ ہے ۱۲

حرفِ ضاد معجمہ

ضاحک تخلص ہے مولانا میر غلام حسین کا جو میر حسن صاحب مثنوی سحر البیان کے والد اور میر انیس مرحوم کے پردادا تھے۔ علم عربی و فارسی کے فاضل تھے ناظم و ناثر نہایت اچھے تھے۔ درویش مزاج نیک خو توکل پیشہ شیعی المذہب بزرگ تھے۔ دنیا کے تعلقات قطع کر کے تیس پینتیس برس تک آزادانہ زندگی بسر کی۔ موسیقی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا شوق بدرجۂ اتم تھا اور نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ مگر ناقدردان زمانہ کے رنگ اور کس مپرسی نے دل توڑ دیا تھا۔ اسی وجہ سے قدیم رنگ عاشقانہ کو ترک کر دیا تھا۔ اور ہزل گوئی اپنا شعار بنا لیا تھا مگر اسمیں بھی زبان عجیب و غریب ایجاد کی تھی میر حسن مرحوم نے لکھا ہے کہ وہ زبان ہے جو آدم سے لیکر اب تک کسی متنفس نے استعمال نہیں کی۔ مولوی ساجد کی ہجویں اور مرزا رفیع سودا کی ہجویں ایسی ایسی کہیں جسے اہل زمانہ سنکر پھڑک پھڑک گئے مگر افسوس کہ اُن کا کلام ضائع ہو گیا۔ اور اب کہیں بھی نہیں ملتا چالیس پچاس شعر کی غزل اور ہزل کہتے تھے اس کے شروع میں تھوڑی سی نثر بھی لکھتے تھے۔ ہزل کا صرف ایک مطلع ملتا ہے وہی نقل کرتا ہوں۔

یا ایہا التلانکہ کرد جہلانکہ　　کل تو پچی پرابیہ فروبکاسرہ

ضاحک نام و مقام معلوم نہیں اودھ پنچ سابق میں دو شعر کا ایک قطعہ اس تخلص سے ملا وہی نقل کرتا ہوں۔ یہ اپریل ۱۹۰۸ء کے اودھ پنچ میں شایع ہوا تھا

اس زمانہ کی یادگار ہے جب لارڈ کرزن نے ہندوستانیوں کو جھوٹا کہا تھا۔ اور اسی مفہوم کے لئے اکبر مرحوم الہ آبادی نے یہ رباعی کہی تھی۔

جھوٹے ہیں ہم تو آپ بھی ہیں مہربان ہیں — جھوٹے ہیں ہم تو آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ

قطعۂ مذکورہ ضاحک یہ ہے۔

ہمارے لارڈ صاحب خیر خواہ ہند ہیں بیشک — غلط کل مصلحان سفارت انگیز کہتے ہیں
برابر ہے ہماری پالسی اور لاٹھ صاحب کی — کہ دونوں ہی دروغ مصلحت آمیز کہتے ہیں

اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا قطعہ اسی مبحث پر مصلحت انگیز کے نام سے لکھا ہوا ہے غالباً وہ بھی انھیں ضاحک کا ہے۔

کل چلتے چلتے سچ کو ملا جھوٹ راہ میں — قلعی شدہ ہو جیسے کوئی لعبت مسی
پوچھا کہ ایشیا ہی میں کیا ہے ترا رواج — میری طرف سے کیا ہی یہیں صرف بے حسی
کہنے لگا کہ یاں تو ہے سچا معاملہ — یورپ میں جا کے دیکھے کوئی میری پالسی

ضیغم۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامعلوم الاسم نامہ نگار کا تخلص ہے جن کے یہ دو شعر مل سکے۔ غالباً شیر خاں نام تھا۔

آں شیر بیشۂ اسد اللہیاں منم — روباہ را حریف غضنفر نمی کنم
کو مرغ سدرہ کو زغن قعر نیستی — طوبے بہ شاخ سرو برابر نمی کنم

حرف طاء مہملہ

طریف ۔ منشی حسین الدین نام تھا۔ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ صرف ظرافت کے شعر کہتے تھے جن میں پھکڑپن بہت زیادہ شامل ہوتا تھا۔ ایک بیاض سے چند شعر مل گئے۔ لیکن اسکے علاوہ نہ حال معلوم ہوا۔ نہ مقام و مسکن کا صحیح پتہ لگا

آج ہی گھر کا رقیبوں کے مٹا دوں آثار — ان کی دیوار پہ جا بیٹھوں جو الو ہو کر
ہمہ تن جوش بنا حسن سے تیرے یعنی — رہ گیا سارا جہاں بیخ سنبھالو ہو کر
نیکیاں بھی کبھی ہو جاتی ہیں سرزد مجھ سے — کام بیٹھے کا بھی کر لیتا ہوں کدو ہو کر
پیٹ زندان مصیبت ہے زمانہ میں طریف — جو غذا اس میں گئی نکلی وہی گو ہو کر
نوچ کر وہ رہزن دل بوٹی بوٹی لیگیا — پہلے ٹوپی لیگیا تھا اب لنگوٹی لیگیا
کر دیا قلاش القصہ تمہارے عشق نے — انتہا یہ ہے کہ بندہ آکے روٹی لیگیا
دل کی خارش کو بھی اک زخم بنا جاتے ہیں — جب وہ آتے ہیں نمک مرچ لگا جاتے ہیں
مرا بستر ہے سر رہگذر ہے — نہ مچھر کا غم ہے نہ کھٹمل کا ڈر ہے
مرے طائر دل کو کیا کیجئے گا — فقط چونچ ہے اسمیں پر ہے نہ سر ہے

طرزی ۔ ان کی ظریفانہ شاعری کا بہترین جوہر ظرافت یہ ہے کہ انھوں نے دعوی کیا تھا کہ زبان فارسی بھی اس قابل ہے کہ عربی زبان کا مقابلہ کر سکے۔ اس کے اسما کو بھی مصادر قرار دیا جا سکتا ہے اور اس سے مختلف صیغوں کا اشتقاق بوجہ احسن ہو سکتا ہے۔ اسی خیال کی بنا پر انہوں نے اپنی زبان اور شاعری کو اس خیال

اور صنعت پر مبنی کر دیا تھا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کمالات اور خیالات ارباب ادب کے نزدیک ظرافت بن گئے اور اُن کی شاعری سے ظریف شاعروں میں ایک فرد کا اضافہ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ طرزی ایک خوش طبع ظریف المزاج بذلہ سنج شاعر تھے رندان بادہ نوش۔ اور مستان امارد پرست کے لیے شعر کہتے تھے۔ اور اسی مذاق کے لوگ اس کو گلی گلی اور کوچے کوچے شہر میں گاتے پھرتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ور دیدۂ من آ کہ بہی از ثقلینا — پر کردہ ام از مہر تو جیب و بغلینا
جز وصل تو مطلوب دلم نیست نگارا — گر دنیا و عقبی دہیم فی المثلینا
با من دلخستہ اے دلدار جنگیدن چرا — تو غزال گلشن حسنی پلنگیدن چرا
با مسلمانان مسکیں کافریدن بہر چہ — با گرفتاران مستضعف فرنگیدن چرا
تا آفتاب چہرہ عیانیدہ مرا — اے نو بہار حسن خزانیدہ مرا
الا اے مہ کہ زلفت می کمند دل — دل من در کفت می مستمند
بدفع چشم اعدا اے تو طرزی — دل خود را در آتش می سپند
تا ابروے تو دیدہ جنوبندہ ایم ما — نشناختند خلق کہ چوبندہ ایم ما
قامت خمید و دل چو نقط شد سیاہ داغ — از عین و شین و قاف تو نیندہ ایم ما
گہ در فراق روے تو ماہیدہ ایم ما — گہ چوں کتان ز حسن تو ماہیدہ ایم ما
افتادہ دل بچاہ زنخ ساقیا بلطف — حبل المتین زلف کہ چاہیدہ ایم ما
در جنب رحمت تو بود در حساب ہیچ — ہر چند بے شمار گناہیدہ ایم ما
اگر بے تو ہرگز شرابیدہ باشم — بکانون ہجرت کبابیدہ باشم
خور و خواب بر من حرامیدہ باشد — اگر در غمت خور و خوابیدہ باشم
گر از جملہ چاکرانم شماری — ز لطف تو عزت مآبیدہ باشم

حرف ظاء معجمہ

ظرّاف شیخ نور محمد نام ہے۔ شاید محلہ حسین گنج لکھنؤ میں قیام ہے۔ معمولی سے پڑھے لکھے آدمی ہیں۔ دو ایک مرتبہ حسین گنج کے مشاعروں میں دیکھا ہے۔ مرزا محمد ذکی سے جن کا اسی تذکرہ میں ذکر آچکا ہے تلمذ رکھتے ہیں۔ بعض بعض شعر اچھے کہہ لیتے ہیں۔

صدا یہ دیتے ہیں وہ ختم اب جوانی ہے
خریدو گاہکو سودا دکان بڑھانی ہے

تلاش دل جو تھی چلنی لئے پھر ابرو ہیں
تمہارے کوچہ کی اک عمر خاک چھانی ہے

ہیں لوٹنے کے انکھیوں کو خوب نسخہ یاد
جو بوب عشق میں معجون لن ترانی ہے

محاورہ ہے یہ کتنا فصیح سنیے گا
ذرا سا کیوں میاں مشتاق میں شانی ہے

کفن میں چوروں سے اپنے باندھے پھرتا ہوں
سنا ہی جب سے کہ دنیا یہ دار فانی ہے

گھٹا گھٹا کہ سر آتا ہی غیر واہ رے شوق
بنی جو یار کے جوتے پہ کا مدانی ہے

نہ ہے کسی سے وفا قت نہ کوئی اپنے مرے
میں جب پہ مرتا ہوں مفلس سا اک کرانی ہے

ادھر حسین بڑے بیٹھے کوئی دکان کھولی
صدا وہ دیتے ہیں شربت بھی زعفرانی ہے

دبا کے دیکھتے ہو آنکھ اثر ہے صحبت کا
ضرور شیخ جی جورو تمہاری کانی ہے

تمام لے گئے سرکار لاد کر غلّہ
شکم میں آپ کے گھر میں مرے گرانی ہے

کہیں نہ آپ کو اس دل لگی میں خجلت ہو
نہ کھینچیے کہ لنگوٹی پرانی ہے

ہے صدقہ آپ پہ آپ پہ کیوں نہیں مرتے
غضب کی آپ کے ظراف پر جوانی ہے

ظریف۔ میر امان اللہ نام تھا لاہور کے رہنے والے تھے۔ لیکن چالیس برس تک

وطن سے علیحدہ رہے اور دلی یا بنارس میں قیام رہا۔ مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ نہایت عمدہ ظرافت گو تھے۔ مگر افسوس کہ ظریفانہ رنگ کا کلام نہ مل سکا۔ ترتیب تذکرہ گلستان سخن کے وقت زندہ و بحیریت تھے۔

ظریف۔ سید ظریف حسین نام ہے ظریف تخلص ہے۔ قصبہ تسہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہیں ۱۹۱۵ء میں دلی میں تھے۔ اب کا حال معلوم نہیں۔ چند شعر ظریف ان کے دستیاب ہوئے وہ درج تذکرہ کئے جاتے ہیں۔

تمہاری چاہ مبارک رہے عدو کے لئے
اگر یہ چاہنے والے ہیں آج تھوکے لئے

پڑھی نماز تیمم سے ہم نے دلی میں
ٹکے کو آتی ہے بدھنی یہاں وضو کے لئے

بتائیں کیا تمہیں صرف کثیر شوق جمال
ہزار چوٹیاں ٹوٹیں اک آرزو کے لئے

ازل سے تم نے نہ کی اپنے فائدہ پہ نظر
کہ جتنے چاہنے والے لئے وہ بھوکے لئے

ملو جو غیر سے تو اس سے پوچھنا یہ بات
چکن کے چوک سے کس کے لئے شلوکے لئے

تمہارے لال کا دامن نکل گیا مریم
منگا کے سوزن عیسیٰ رکھو رفو کے لئے

ظریف ہے یہ تمنا ظریف کو دیکھیں
تڑپتا رہتا ہے دل اپنا لکھنؤ کے لئے

محبت اپنی بیوی سے یہ دروازہ ہے ایماں کا
بھٹکنا چار سو اچھا نہیں ہوتا ہے انساں کا

نہ ٹھٹے مارتی ہے اس سے بچے پیار کرتے ہیں
تعلق کس قدر گہرا ہے بلی اور انساں کا

بہت ہی سخت ہے پردہ کے بارہ میں میری بیوی
ڈپٹتی ہے اگر دیوار سے بچے نے بھی جھانکا

جہاں بخیہ کیا ہے سارے دامن میں محبت سے
لگا دو اچھی بھابی تم گریباں میں بھی اک ٹانکا

بھلا مجھلی بہو کیونکر نہ سب کے دل میں گھر کر لیں
اطاعت ان کی دیکھو اور غصہ ان کی ماں کا

ظریف - سید مقبول حسین نام ہے مولوی گنج لکھنؤ میں رہتے ہیں جناب صفی لکھنوی کے چھوٹے بھائی اور محمد جعفر صاحب بہار سکریٹری معین الادب کے ساڑھو ہیں - بقدر ضرورت فارسی اور ترکی سے آشنا ہیں - نہایت خلیق نیک مزاج ہیں اس سے پہلے شیعہ یتیم خانہ کے سکریٹری تھے - مگر دو تین سال سے اب کوئی تعلق اُس سے نہیں ہے - جناب ظریف کی عمر اب تخمیناً ۵۵ یا ۶۰ برس کی ہوگی - حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ظرافت وہ ظرافت ہے جسکا نشان بڑے بڑے پختہ کاروں کے کلام میں بھی نہیں ملتا - اس میں شک نہیں کہ بہ نسبت آمد کے اُن کے کلام میں آورد بہت زیادہ ہے - اور لفظ لفظ سے بناوٹ اور تصنع ظاہر ہوتا ہے - قدیم تشبیہیں اور استعارات جا بجا موجود ہیں - اور کہیں کہیں دائرہ ظرافت سے علحدہ ہو کر کلام ہزل سے بھی مماثل ہو جاتا ہے - مگر با ایں ہمہ اُن کی پختہ کاری - مشاقی - زباندانی - اور خلقی ظرافت کلام کو مجموعی حیثیت سے اسقدر بہتر بنا دیتی ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی - اُن کے یہاں کے ادنیٰ اور پیش پا افتادہ مضامین ایسے ہیں جن کا مقابلہ بڑے بڑے ظریف نہیں کر سکتے اور بلاشک ظرافت گوئی میں وہ ہندوستان کے تمام شعراء میں ایک بڑا اور خاص امتیازی درجہ رکھتے ہیں - ظرافت کے رنگ میں ہر صنف میں اُن کا کلام موجود ہے - اور اُن کی بعض بعض بلکہ اکثر نظمیں ایسی ہیں جن کا جواب نہیں ہو سکتا - نہایت خلیق اعلیٰ درجہ کے سخن فہم ہیں - زبان اردو کے سچے بہی خواہ ہیں - چنانچہ زمانہ حال میں بعض بعض جریدہ نگاروں نے جو ایک جدید روش اختیار کر کے اردو کو خراب کرنے پر کمر باندھ لی ہے آپ اُن کے خلاف ہمیشہ اخبارات میں نظمیں لکھ کر صدائے احتجاج بلند کرتے رہتے ہیں - میں چاہتا تھا کہ جناب موصوف کا نیا کلام بھی درج کروں - مگر ایسا اتفاق ہی نہ ہوا کہ اُسے حاصل کر سکتا - مجبوراً رنگ قدیم ہی سے کچھ اشعار درج کرتا ہوں -

جنوں میں کیوں چلا میں دوڑ کر پھولا جو دم میرا
حماقت کی نشانی بنگیا نقش قدم میرا

شمیم زلف مشکیں سونگھ کر نکسیر پھوٹی ہے
ترے بالوں کی بو سے ناک میں آیا ہے دم میرا

دنو شوق میں معشوق کو دیکھ پھنکتا ہوں
کوئی خلوت سرائے ناز میں دیکھے ادھم میرا

ضعیف و ناتواں ہوں مجھکو الفرپہ بناتا ہے
ترے بھر پیٹ پن کا ذریعہ ہے قدم میرا

یہ دونوں جانور ملکر اسے کچا ہی کھا جائیں
شتر گربہ کے ڈر سے آ نہیں سکتا ہے ہم میرا

یہاں فرہاد و مجنوں شیخ چلی سے جو لڑتے ہیں
وہ کہتے ہیں عرب میرا وہ کہتے ہیں عجم میرا

ارے داتا اسے بھرنا نہ بھرنا کام ہے تیرا
مگر کشکول سائل سے مشابہ ہے شکم میرا

فلک نما ہے بلندی میں آبلہ دل کا
جواب شیش محل ہے دو منزلا دل کا

مسار سے ہے جو اُن کے معاملا دل کا
پڑا ہوا ہے کھٹائی میں فیصلہ دل کا

علم کسم ابھی دار وے درد ملجائے
کہیں تو حال للاین سے کچھ للا دل کا

علم میں جھینگر سے بڑھکر کا مرا کوئی نہیں
چاٹ جاتا ہو کتابیں امتحاں کوئی نہیں

اتنے ہمسر ہیں کہ جڑواں انکو کہنا چاہئے
پیر ہیں ساتوں فلک انمیں جواں کوئی نہیں

حضرت حوا سے کم کچھ حضرت عیسیٰ نہ تھے
باپ انکا بھی نہیں گر ان کی ماں کوئی نہیں

لکھنؤ دہلی انھیں شہروں پہ کیا موقوف ہے
ہر جگہ اہل زباں ہیں بے زباں کوئی نہیں

مستقیوں کے پیٹ سے آتی ہے یہ صدا
میں اک قرابہ ہوں عرق خانہ ساز کا

شیطان کی جو آنت سے ہوتا مقابلہ
کھل جاتا حال آپ کی زلف دراز کا

کچھ ایسی غم و رنج کی ہے کہنہ رضائی
ابرا اگر اٹھا آتا تو استر نہ اٹھے گا

اغیار کی شرکت سے اٹھا بھی تو گراں ہے
ہمسے ترے احساں کا چھپر نہ اٹھے گا

تا حشر کہ مرے میں تو یہی بند رہے گا
مردے سے اگر قبر کا پتھر نہ اٹھے گا

یہ شب کو پوچھ رہا تھا کل اس سے اک آغا
چرا کھڑا ہے یہاں تو چہ کار راہ میں ہے

نئی ادا سے نکالی ہے طرز استنجا
کہ خود کھڑا ہے لیٹا ہم نہار راہ میں ہے

ترا جواب نہیں اور سرا کی بھیٹاری
کہ دال چولھے پہ ہے اور بگھار راہ میں ہے

ظریف ہے وہ بت شوخ کس قدر آزاد
جو سر گھٹا ہے لئے پشت خار راہ میں ہے

خیالی ہجر میں فرضی مریض غم کا مر جانا
یہ سب کیا ہے سلامت جھوٹ کے پل سے اتر جانا

دولتی سے سمند ناز کی غیروں کا مر جانا
یہی تو ہے طویلہ کی بلا بندے کے سر جانا

رخ روشن کی جھری حسن کا گویا ٹھٹھر جانا
قیامت ہے کسی معشوق کا سن سے اتر جانا

مری آہوں کی تو ان کا وہ خالی خولی سر ہونا
وہ ان کا لاٹ صاحب کی طرح غیروں کے گھر جانا

مذبذب جھوٹا پن ہے یہ معشوق خیالی کا
کہ دزدیدہ نگہ سے دل کا لینا اور مکر جانا

مریض ہجر پر فالج کا گر نامرد مہری سے
وہ آخر تختہ مشق اطبا کا بر رجانا

بھگانا دیکھ کر انکو وہ سر پٹ اپنے ناقہ کا
میاں مجنوں کا چلانا کہ لیلی ٹھہر جانا

جو آنا رتبہ جگ میں گل گئے مضمون کے لیکر
ظریف اچھا ہے اردو شاعری کا طاق جانا

پیٹ پکڑے ہوئے عشاق کا وہ ہال ہونا
اور وہ نالہ و فریاد کا جوڑ واں ہونا

گھر تمھارا ہے نہ کچھ باپ کا اسکے گھر ہے
غیر کے ساتھ مرے گھر میں مہماں ہونا

خوب نقد دل عشاق کو لوٹا تو نے
شہد پن یہ ہے اسے کہتے ہیں میاں ہونا

یا تو کپڑے بھی پہنا کر کبھی دکھلا دو ہمیں
یا تو باندھا نہ کرو شمع کا عریاں ہونا

یا میقان وہ دربار پہ میرا پڑھنا
ان کے چہرے کا وہ غصہ سے گلستاں ہونا

صاف لفظوں میں ہے ملتے ہوئے دانتوں کا بیان
دہن یار کا درج در غلطاں ہونا

در و دیوار یہ کیوں کانپ رہے ہیں تھر تھر
کیا مرے گھر میں گھس آیا ہے بیاباں ہونا

وہ کفن بھر شہیدان وفا دینے لگے
ناپ کر ہر اک کو دو گز کھدوا دینے لگے

منہ پھلا کر تشنہ کامان محبت کو حضور
شربت دیدار کا پورا گھڑا دینے لگے

جب سے عاشق ہو گئے اس بت پہ جو کیدار تک
سونے والے جاگتے رہنا صدا دینے لگے

جھوٹے عاشق اس سے بڑھکر اور کیا دیتے ثبوت
ہو گئے گندہ دہن بوے وفا دینے لگے

پیٹ ضبط آہ سے عشاق کا پھولا جہاں
دہونکنی کی طرح سے نتھنے ہوا دینے لگے

سسکیاں لیں منہ بسورا عاشقوں کے سامنے
وہ کھچا کر داد کو داد وفا دینے لگے

اُن کے بیماروں کا گھنگرو بولنا جب سن لیا
جلدی جلدی تال مسٹر کا لکا دینے لگے

جب مسیحا سے نہ اچھے ہو سکے بیمار غم
ہو کے کھسیانے سبھوں کو سنکھیا دینے لگے

ترے کپڑوں کی لادی لادنا جب یاد کرتے ہیں
تو اکثر شب کو دھوبی کے گدھے فریاد کرتے ہیں

ستم ایجاد کہتے ہیں یہ کیوں معشوق کو شاعر
ستم بھی کیا کوئی کل ہے جسے ایجاد کرتے ہیں

بگولہ میں کوئی معشوق آندھی میں کہ جھکڑ میں
کہ چلکر عاشقوں کی خاک کو برباد کرتے ہیں

سیہ مستوں کی شادی دختر رز کیساتھ ٹھہری ہے
مبارک حضرت پیر مغاں داماد کرتے ہیں

یہ وائرلس کوئی ٹیلی گرام اسمیں لگایا ہے
کہ ہمکو ہچکیاں آتی ہیں جب وہ یاد کرتے ہیں

حسینو کیا تمھارے باپ کے ہیں ہم غلام آخر
جو کہتے ہو ظریفانہ ہم تمہیں آزاد کرتے ہیں

دلیل کمسنی ایاس سے بڑھکر اور کیا ہو گی
کہ جوڑا پاؤ نہیں اس شوخ کے بچکانہ آتا ہے

صفت تو دیکھئے ہر چند ہے رخ و زلف ہے
زنانہ یہ پہنکر جامۂ مردانہ آتا ہے

پسینہ خال رخ پر ہے یہ تحلیل قدیم اُن کے
گلاب تر میں بھیگا نظر بہدانہ آتا ہے

اذان دیتے ہوئے مرغوں کے آگے پھینک دیتے ہیں
بتوں کے ہاتھ میں جب سبحۂ صد دانہ آتا ہے

رقیب آئے تو اس سے چھوٹ لڑنے کا ارادہ ہے
پٹا آتا ہے یا نانک آتی ہے مجھکو یا نہ آتا ہے

مسیحا دیکھ جا پیٹا اپنے بیمار محبت کا
اُسے پیشاب آتا ہے نہ اب پاخانہ آتا ہے

کوئی دل بیتاب کو ڈانٹے کہ ٹھہر بھی
اوتھالی کے بینگن تو ادھر بھی ہے اودھر بھی

جھالر لگے کوئی تو اقرار ہے منڈا
دھندہ ہے دھندہ ہے اگر بھی ہو مگر بھی

ہے چوک کا بازار ترے دانتوں کا چوکا
لعل زباں ہے جو ادھر بھی ہے اُدھر بھی

گہہ رُخ پہ نقاب اُسکے ہے گہہ ہاتھ میں تلوار
معشوق وہ معشوق جو ماہ بھی ہو نر بھی

سُن لیجیے بغیر اس کے ہے تشبیہ بھی نازک
عیسیٰ ہیں اگر آپ تو اک پالئے خر بھی

تحریر کا عنوان نئی تہذیب نے بدلا
معشوق کے القاب میں ہے مائی ڈیر بھی

یہ حسن نرالا ہے کہ وہ عضو ندارد
معشوق وہ ہے جسکے دہن بھی ہو کمر بھی

کہتی ہے سدا صاحب مقدور کی اولاد
ترکہ ملے ہمکو ارے جلدی کہیں مر بھی

بلبل کہو تم شوق سے ایسے شعرا کو
ایک چونچ بھی جسکے ہو ظریف اور ہو پر بھی

گو ندوانی وقت پر ملتی نہیں ہمپر کھلا
نامہ لاتا ہے وطن سے نامہ بر اکثر کھلا

آپنے اُلٹی رُخِ روشن سے جالی کی نقاب
میں یہ سمجھا حسن کی دوکان کا شٹر کھلا

اسقدر ہے مختصر چادر معیشت کی ظریف
پاؤں پھیلائے فراغت کیلئے جب سر کھلا

دال دھوئی ماش کی کھائی ہے نازک خوب دوست
بالش و بستر ہے مجھکو آرہی ہے بو بے دوست

کی جو کریا غیر کی ہیں صاف چار آبے دوست
چند ہو یکا چاند بیشک ہو گیا ہے دو دوست

عاشقان زرد رو کے طایر دل ہیں مقیم
روبیے کے جھونج ہیں الجھے ہوئے سو سو دوست

ڈھونڈھتے پھرتے ہیں عاشق نشاں ملتا نہیں
آگئی چوڑی سڑک میں سب زمین کو دوست

حُسن کے دلکش طویلہ میں ہے بند رخنے دوست
ہے سمندر نازیا اڑیل کوئی ٹٹو دوست

کم حقیقت نیش زن اغیار ہیں بیٹھے ہوئے
دیکھ لو دیکھے نہ ہوں تم نے اگر پسو دوست

دور تک آدر قیبوں کو بھگا آتی ہے
مچھر اڑ جاتے ہیں جس وقت ہوا آتی ہے

نجد سے ناقۂ لیلیٰ کی صدا آتی ہے
بلبلاتی ہوئی مجنوں کی قضا آتی ہے

وہی کام آتے ہیں معشوقوں کو دنیا میں فقط — یا جفا آتی ہے یا اُن کو وفا آتی ہے
نفع اتنا تو ہوا اس مڈھیل کالج سے — تیرے بیمار کے پیٹ کو دوا آتی ہے
رنگ غصہ میں بدلتے ہیں وہ گرگٹ کی طرح — حسن کی اپنے دکھاتے ہیں کرامات مجھے

ظ۔ ح۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جو کاکوری کے رہنے والے ہیں۔ نہایت شوخ ظریف ہیں بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں چندہ کا جیسا زور شور رہا ہے اسکو وہی لوگ جانتے ہیں جن کو بار بار اپنی بھری ہوئی جیبیں خالی کر دینا پڑی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھیں مصیبت زدوں میں شاعر مذکور بھی ہیں۔ ایک غزل فارسی ملتی ہے جس کے ساتھ یہ عبارت بھی انھیں کے قلم سے نکلی ہے۔

"یا ایھا القوم ھوت۔ کون بے وقت غل مچا رہا ہے۔ ارے میاں تمھیں جاگ رہے ہو یا کوئی اور بھی ہے میں جاگتا ہوا سوتا ہوں اور لوگ خراٹے لے رہے ہیں سنو بھئی سنو۔

ما دُہل در گردن و خرد در خلاب افگندہ ایم

بہت اچھا کیا ترقی یونہی کرتے ہیں۔ غلط اگر اس کیچڑ نفاق سے مسلمان نکل گئے ہوتے تو کام بنا لیا تھا۔ مگر کمبخت گدھا پھسل پڑا اور ہم لنڈھک گئے۔ ذرا ہاتھ تھام لو۔ خیریت سے ڈھول ملامت قوم کے لئے سلامت ہے۔ آؤ جلدی آؤ اٹھیں تو تمھیں کچھ سنائیں تنہائی میں رونے کا لطف ہے نہ گانے کا۔ ایک تان تم اڑاؤ تو ایک نالہ ہم کریں۔ صدائے برنخاست شاید سمجھے کوئی چندہ مانگنے والا ہے۔ فریب سخن دے رہا ہے کچھ اور نہ لے مرے۔ جوں توں خود ہی اٹھے۔ رہوار کو بھی اٹھایا۔ پھر سوار ہوئے۔ سوار کیا ہوئے حماقت سوار ہوئی۔ وہ یہ کہ قوم پر غصہ آگیا پھر کیا تھا۔ کھلا منھ چلی زبان۔ بجے ڈھول۔ پک پھم۔ پک پھم۔ دَہم۔ دَہم۔ دَہم۔ خلق خدا کی۔ ملک شاہنشاہ

مجازی ایڈورڈ ہفتم کا - حال و قال رفارمروں کا - وہو ہذا -

کوشش اصلاح را در پیچ و تاب افگندہ ایم
ما دہل در گردن و خود در خلاب افگندہ ایم

کار دنیا ہرج گردد از نماز پنج وقت
ما امید از طاعت و چشم از صواب افگندہ ایم

از زکوٰۃ و حج صلوٰۃ و صوم فارغ گشتہ ایم
شاہد ما در رقص و افیون در شراب افگندہ ایم

لکھنؤ زر میدہد آباد باشد تا ابد
سایۂ سیمرغ ہمت بر خراب افگندہ ایم

مدد جزر بحر سودا را بماند حسب قوم
دل بہ دریا و سر بر روے لب افگندہ ایم

تا قیامت باد نفرین نقص قرآن مومناں
بازمی پوشند و ما بر آفتاب افگندہ ایم

پہلوان علم مغرب در علیگڈھ آمدہ
گر بر و غالب شویم افراسیاب افگندہ ایم

آفریں بر حضرت سعدی چہ خوش فرمودہ است
ما دہل در گردن و خود در خلاب افگندہ ایم

حرف عین

عالی ۔ یعنی نعمت خان عالی شیرازی ۔ ان کا نام اصل میں میرزا محمد تھا ۔ اور نعمت خاں خطاب تھا ۔ مگر یہ اپنے خطاب کے ساتھ ایسے مشہور و معروف ہوئے کہ اصل نام سے بیخبر ہو گئے ۔ ان کے والد کا نام فتح الدین تھا ۔ جو اپنے زمانہ کے ایک زبردست حکیم تھے ۔ میرزا محمد ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے اور یہیں نشو و نما پائی ۔ مگر کمسنی کے زمانہ میں اپنے باپ کے ساتھ شیراز چلے گئے ۔ مروجہ اور ضروری علوم رسمی وہیں حاصل کئے ۔ شاعری بھی وہیں شروع کی جس میں ملا شفیعائے یزدی کے شاگرد ہوئے ۔ جب شیراز سے واپس ہوئے تو عالمگیر بادشاہ ہندوستان کے زمرہ ملازمان میں داخل ہوئے حیدرآباد کی فتح پر اُن کو زمرۂ مصاحبین میں جگہ دیدی گئی ۔ اور ۱۱۰۴ھ میں بکاول یعنی داروغہ باورچیخانہ کی خدمت پر مامور ہوئے اور نعمت خاں خطاب عطا ہوا ۔

عالی کا مرتبہ شاعری میں بہت بلند ہے ۔ اور کسی طرح متقدمین سے کم درجہ پر نہیں ہے ۔ مگر سب سے زیادہ کمال ان کو ہجو گوئی اور ظرافت نگاری میں ہے ۔ انکی ہجو گوئی کی ایک خاص وجہ ہے ۔ عالمگیر ایک راسخ العقیدہ سنی المذہب بادشاہ تھا اور نعمت خان عالی شیعہ مذہب رکھتے تھے ۔ اور اسی کے ساتھ اپنے مذہب کے نہایت پکے تھے ۔ اسواسطے یہ ہمیشہ درپردہ ہجو کیا کرتے تھے ۔ عالمگیر کچھ نا سمجھ نہ تھا وہ سب کچھ جانتا تھا ۔ مگر نعمت خاں کی لیاقت کا سکہ اتنا اُس کے دل پر بیٹھا ہوا تھا کہ وہ ہمیشہ ٹال جاتا تھا ۔ چنانچہ ایک مرتبہ بادشاہ کی تعریف میں یہ قطعہ کہکر گزرانا ۔

اے عمر صورت و عثمان سیرت　　که ابوبکر نگهبان تو باد
روز محشر که بخود رمانی　　پسر بوسفیان یار تو باد

بادشاہ اس قطعہ کو سنکر سمجھ گئے۔ مگر یہ کہا (اگرچہ ایں کہنہ قرم ساق بدانست خود ہمچو کردہ است۔ لیکن سعادت ماست بنویسند در بیاض خاص)

ایک مرتبہ بادشاہ نے ایک خصی بکرے کو جسکی داڑھی بہت بڑھی ہوئی تھی اور عمر بھی زیادہ تھی دیکھکر کہا کہ اس کا کوئی نام رکھنا چاہیئے۔ نعمت خان عالی نے کہا کہ حضور ابوبکر نام رکھدیجئے۔ اگرچہ بادشاہ کو یہ بات نہایت ناگوار گزری مگر ہنسکر ٹال دیا۔

غرضکہ اسی طرح بادشاہ۔ اور امراے دولت پر برابر طعن و تشنیع کی بھرمار کرتے رہتے تھے۔ اور سب لوگ اُن کی باتوں کو مسخرگی سے زیادہ وقعت نہ دیتے تھے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُنکی ہجویں بقول مولانا غلام علی آزاد مرحوم کے تیغ تیز سے کم نہیں ہیں۔ اُن کی ظرافت نہایت عمیق ہوتی ہے۔ جسمیں قانونی پہلوؤں کو بچاتے ہوے مشہور ضرب الامثال اور آیات سے صریح گلکاری کرتے ہیں کہ قابل دید ہوتی ہے۔

ان کی تصانیف میں سے دیوان فارسی۔ وقائع۔ جنگنامہ حسن و عشق اور مضحکات بہت مشہور ہیں کچھ ظریفانہ رقعات بھی ہیں جو کہیں نہیں ملتے۔

عالی پہلے اپنے پیشہ کی مناسبت سے حکیم تخلص کرتے تھے مگر کسی شخص نے ایک دن کہا کہ حکیم۔ اور چکنم ایک ہی طرح لکھا جاتا ہے اسی لئے انھوں نے اس تخلص کو چھوڑ کر عالی تخلص اختیار کیا۔

ایک مرتبہ نعمت خان عالی نے اپنا ایک جیغہ مرصع گرو رکھنے کیلئے نواب زیب النساء بیگم دختر عالمگیر بادشاہ کے پاس بھیجا مدتوں تک نہ وہ جیغہ واپس آیا اور نہ روپیہ آیا۔ تو نعمت خان عالی نے یہ رباعی کہکر بھیجی۔ بیگم نے پڑھی اور

پانچ ہزار روپیہ معہ جیغہ کے واپس کر دیئے۔ رباعی یہ ہے۔

اے بندگیت سعادت اختر من — در خدمت تو عیاں شد جوہر من
گر جیغہ خریدنی است پس کو زر من — ور نیست خریدنی بزن بر سر من

عالی کی ہجووں کا پایہ اسقدر بلند ہے کہ اُن کا جواب اُن کے معاصرین یا یا متقدمین کے یہاں نہیں ملتا۔ اسمیں شک نہیں کہ ایران میں سیکڑوں ہجوگو اور ہزاں گزرے، مگر نعمت خان عالی نے جو طرز خاص ایجاد کیا اسکا کسی دوسرے شاعر کے یہاں نشان بھی نہیں ہے۔ لطف یہ ہے کہ اگر اُن ہجووں کو متانت کے لحاظ سے دیکھئے تو بھی اُن کا پایہ اتنا ہی بلند ہے اور اگر مسخرگی اور ہزل کی نوعیت سے ان پر نگاہ ڈالئے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا مسخرہ بھانڈ بھی ان کا مقابل نہیں ہے۔ وہ ظرافت یا ہجو میں صرف ہزل اور مسخرگی اور الفاظ سے کام نہیں لیتے بلکہ ہمیشہ اس میں انتہائی معنی آفرینی کا خیال رکھتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ایک قطعہ ہجو کا مگار خاں پسر جعفر خاں وزیر کی کتخدائی کے موقعہ پر کہا ہے دیوان میں موجود ہے جس نے بڑے ہجو یہ قصیدوں کو شرما دیا بلکہ اپنے پانی پھیر دیا ہے۔ ہجو ظرافت ہزل کو نظر انداز کرتے ہوئے جب اسکی بلاغت پر نظر ڈالتے ہیں تو علوم کا ایک ذخار دریا موجزن نظر آتا ہے۔ ایک ایک لفظ کو فصاحت و بلاغت کا خزانہ کہا جا سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

بار دیگر کدخدا شد خان عالی منزلت — با کمال عز و تمکیں با وقار و زیب و زین
مہرہ در شش سہ بیفتد گر کشادی رو دہد — میزند بر تختہ از ترس حریفاں کعبتین
زاد راہے در سفر بر داشت از ساق عروس — ماند آنہم ہمچناں بر گردنش مانند دین
نفقہ و کسوت بسر افتاد و نگرفتہ جہاز — قد رجع من جانب البلد و نجفی الحنین
ان سنداز جبر آورد و ایں سنداز اختیار — ایں سخن ہم در میاں ماند است بین بین

زاں طرف خفتن نہ باشد زیں طرف برخاستن — شہر طہا شد وقت ایجاب و قبول از جانبین
گفت بہر من جہاز آوردہ کاید بہ کار — گفت آرے ہم چکش آوردہ ام ہم کلبتین
گفت خان البصر مفتاح الفرج را ساکن است — کرت استعمال مفتوحش کند اے نور عین
گفت نہ شد جزم پیشم نیست شد و مد و جزر — از محالات است فتح الیاس احد الرحمتین
گفت دخلے میکنم بشنو دو قسم آمد حلول — ہست سریانی و طریانی بنابر بدبین
گفت تو شکل عروس از ہندسہ گر خواندہ — ضع عمودا فی المثلث قائما بالنقطتین
گفت من در انتظار ساعتم معذور دار — شمس طالع نہ و راجع ماہ باید در بطین
از طبیب ہم دوائے خواستم نادیدہ گفت — از برودتہائے تو پیدا است ضعف کلیتین
ساختہ زعفرانی زخولنجان و جوز و نخیل — تو دری و دار فلفل سعد قسط و بہمنین
گفت بے اینہا نمی آید بکار از من شنو — چارہ ات فصد و جبین و کی صد غلتین
حجلہ ام را مدرسہ کردی تو اے خانہ خراب — ہم زباں آمد بدرد از گفتگو ہم لورتین
دخلہا در موشگافی کار ملا زادہ است — تو بحث اللفظ و اعظ کشتہ چوں ملا حسین

یہ پورا قطعہ نہیں ہے۔ بعض اشعار اس سے نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔ اسکی شرح بھی ایک مرتبہ میری نظر سے گزری تھی۔

شیخ در خواب دید شیطاں را — رہزن دین و دزد ایماں را
از صفا بسکہ دل چو آئینہ ساخت — آں لعیں را ہمیں کہ دید شناخت
بملامت عتاب پیش گرفت — بر سرش زد بے دریش گرفت
کہ چہا میکنی تو اے مردود — شدہ از درگہ خدا مطرود
بہم دیگر چو شیخ برد بکار — شد ازاں ضرب دست خود بیدار
چوں ترش زخواب شیریں جست — دید ریش خودش بدست خود است

قلعہ گولکنڈہ کے محاصرہ کے وقت عالمگیر کو جب دقتیں پڑیں اور طرح طرح

کے نقصان اٹھائے یہاں تک کہ لشکر بے سر و سامان ہو گیا۔ تو نعمت خان عالی کے لئے ایک سامان تفریح ہاتھ آگیا اور اس نے طرح طرح کے قصیدے لکھے جنمیں سے بعض اشعار منتخب کر کے لکھے جاتے ہیں۔

الہ است اللہ و رحمان خدائے — مگر او کند رحم بر فوج شاہ
رحیم است و غفار آمرزگار — ندانم چہ شد حصۂ ایں سپاہ
رجل مرد و مرأۃ را زوج جفت — جدا گشتہ از یکدگر سال و ماہ
ملک بادشاہ جند لشکر بود — بران ضحک و خندہ بر قاہ قاہ

چیست عنقار و پیہ کبریت احمر اشرفی — کیمیا نوکر شدن یک ہفتہ پیش بوالحسن
فقر و فاقہ عیلہ و عسرت صبوری انتظار — انچہ باشد نوکران بادشہ را در دکن
ممتنع معدوم دیں ہر دو بطرز لفت و نشر — دانہ کاہ دواب و نفقہ فرزند و زن
الثقیل و الغائط آبے کہ درین لشکر است — الاجل حکم طبیبان المرض احوال تن
لم یقع چہ فتح قلعہ لم یکن یعنی یورش — سہ سیبہ لہو زینہ لغو توپ انداختن
صدق آں حرفے کہ ہر کش گفت باشد گفتنی — کذب گفتارے کہ سازد مایہ دار و موتمن
فلسفی آنکس کہ میگوید خلا باشد محال — در خزانہ گر رود ہرگز نگوید ایں سخن
ما ولادان دلن چوں لم حروف نافی اند — میکنند اینہا عمل در دفتر بخشی تن
من و عن با والی احتی و فی جر میکنند — لیک انوقتے کہ کار افتد بدیوان دکن
کان صار اصبح و اسی افعال ناقص اند — ہمچو تدبیرات و تغییرات در ملک دکن

دریں ملک خراب امروز کس را نیست سامانے — چو گنج افتادہ اند اہل ہنر در کنج ویرانے
بسر حدے رسیدہ خلق را افراط ناداری — کہ معنی ہم ندارد ایں زماں حرف سخندانے

سپاہی ہم بمیدان قناعت میکند جولاں
ز شمشیر و سپر دارد دم آبے لب نانے

طبیب از علم طب دریا دمیدار ہمیں معنی
نباشد خوب تر از شربت دینار درمانے

منجم را نشد غیر از فلاکت از فلک حاصل
ز ضعف جوع بیند قرص مہ را گردۂ نانے

ز بس عطار مشتاق است قوت لایموتی را
بچشمش آش و ناں آید چو بنویسند اشنانے

نباشد آنقدر سرمایہ ہم جراح مسکیں را
کہ بر زخم دل خود سرنگوں سازد نمکدانے

چو طفل نے سوار از بہر روزی میدود کتاب
ز کلک خود کمیتے دارد و از صفحہ میدانے

محاسب سال را بنوشت ماہ روزہ در دفتر
برائے اینکہ معلومش نشد شوال و شعبانے

ز حیرت گفت قاری من کلو میخواندہ ام یارب
نخواندم ہیچگہ لا تاکلوا در ہیچ قرآنے

دریں لشکر بمانم یار دم با خویش می سنجد
نماندہ در کماں بقال را جز سنگ و میزانے

ز گڑیالی یکے پرسید از روزت چہ ماند آیا
بگفت احوال گر ایں است پہر ساعتے آنے

صدائے ماتمے از خانہ برخاست پرسیدم
چہ شد گفتند در ایں خانہ دارد گشتہ مہمانے

ز جائے غلغلۂ شادی شنیدم گفت ہمسایہ
کہ شخصے دید شب در واقعہ پر آرد ابنانے

اسی طرح قصائد اور نظموں میں جابجا شاہ عالمگیر کی تدبیروں اور اُس کے لشکر وغیرہ پر پھبتیاں کہی گئی ہیں نثر میں بھی اُن کی ظرافت قابل داد ہے۔ نعمت خان عالی نے ۱۱۲۱ھ میں حیدر آباد میں انتقال کیا۔

عارف محمد عارف نام تھا۔ دلی کے رہنے والے کشمیری الاصل میر و میرزا کے معاصر شاہ مبارک آبرو کے شاگرد تھے۔ رنگ زمانہ کے موافق کبھی کبھی ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے ایک شعر مل سکا۔

درخت رز سے کہو کہ آن ملے
ورنہ عارف افیم کھاتا ہے

عاجز۔ کمترین کے شاگرد تھے اور میر تقی میر کے معاصر۔ اسی زمانہ میں ایک شخص حافظ عبدالحلیم نامے تھے جنکی شاعری بو اسحاق اطعمہ کی طرح صرف کھانوں کی تعریف میں ہوتی تھی اور اسمیں ظرافت کا نمک مرچ لگا دیا کرتے تھے کبھی ظرافت گویوں کو بلا کر مشاعرہ بھی کرتے تھے۔ اُن کے یہاں عاجز بھی شریک ہوتے تھے۔ چونکہ عاجز خود ایک اوباش مزاج رند لاابالی تھے۔ اس لئے حافظ حلیم سے خوب بنتی تھی میر تقی میر نے نکات الشعرا میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی کوئی مصرع اچھا بھی کہہ لیتا ہے۔ ایک شعر نمونۃً ظرافت مل سکا۔

دل بغل مارنے لئے جاتے ہیں سب مکتب کے طفل　　شیخ سعدی تم بھی اب لیکر گلستاں دوڑیو

عبید زاکانی۔ قزوین کے نواح زاکان کا رہنے والا آٹھویں صدی ہجری کا نہایت مشہور و معروف خوش مذاق نقاد۔ ظریف۔ شاعر۔ ادیب بلکہ مورخ۔ نظام الدین عبیداللہ نام تھا۔ عبید زاکانی کے نام مشہور تھے۔ شاہ ابواسحق انجو کے زمانہ میں شیراز میں تعلیم پائی۔ اور ضروریات زمانہ کے موافق تمام درسیات سے فراغت حاصل کی۔ ازاں بعد زاکان میں آئے اور عہدہ قضا پر مامور ہوئے۔ چونکہ اس زمانہ میں ترکوں کا بڑا عروج تھا۔ اور تمام ایران انھیں کی حکومت سے متاثر تھا دل کی خواہش کے مطابق کسی فرد بشر کو آزادی نصیب نہ تھی۔ اسی حالت نے عبید زاکانی کے دل میں درد پیدا کیا۔ اور ایک کتاب موسوم بہ اخلاق الاشراف لکھی۔ جو ایک نعت کے طریقہ پر تھی۔ اور اس کے الفاظ لغات سے اُس پر آشوب عہد کے تمام حالات ناظرین کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ چنانچہ نمونہ کے طریق پر چند لغات درج کئے جاتے ہیں"

العالم۔ بیدولت + الجاہل۔ دولت یار + الجواد۔ درویش + المحسن مالدار + الناصر۔ طالب علم + المتحسب۔ دوزخی + الشاعر۔ طامع خود پسند + العطار

جو سب کو بیمار دیکھنا چاہے + المحروم - وہ ہوشیار جو مستوں کی مجلس میں بیٹھے + القلتبان - سمسر + البکارت - اسم بامسمیٰ + الجلق - دستگیر مفلساں + المشرف - چور + الکلب الاکبر - وہ مولوی جو کسی امیر کبیر کا ملازم ہو + العس - جو رات کو ڈاکہ ڈالے اور دن کو لوگوں سے پہرہ داری کی اجرت مانگے + القاضی + جو سب پر لعنت بھیجے + الوکیل - حق کو باطل کر دینے والا + الرشوت - بیچارہ لوگوں کی کارساز + الخطیب - تقریر کرنیوالا گدھا + الواعظ - اوروں کو نصیحت آپ کو فضیحت کی مصداق + الندیم - خوشامدی + الطبیب - جلاد + المنجم - کذاب + الملک الموت - ساقی ریش دار + الہادم اللذات ماہ رمضان + الذو القرنین - دو جوروں کا شوہر + بدبخت - بڈھی عورت کا جوان شوہر + الدیوث - جوان عورت کا بڈھا شوہر + الذات الجنب - ہمسایہ + الریش - غریبوں کی دستاویز + الشیخ - ابلیس + صوفی - دوسروں کی کمائی کھانے والا کاہل + الحاجی - کعبہ کی جھوٹی قسم کھانے والا + البیماکی و شیخی + شریفوں کی تجارت کا سرمایہ + البیج و پوچ - شریفوں کا وجود + البیمغز - شرفا کے آداب و تہذیب - الغرور و الحماقت - شریفوں کی گفتگو + الدوکان دار + خدا سے نہ ڈرنے والا آدمی + الدلال بازار کا مستند چور + الشراب - بے چینی اور اضطراب کا چشمہ + بھنگ - صوفیوں کو حال میں لانے والی دوا + الزندہ دل - شراب اور بھنگ دونوں کا استعمال کرنے والا + الزجوان - بڈھوں کی ڈاڑھی پر ہلے والا + اللالیعنی - صاحب خانہ کی زندگی + البدنصیب آوارہ لڑکی کا باپ + الحریف - صاحب خانہ کا بھائی + الخوشی بعد الغم - طلاق ثلاثہ + الخانم - بہت سے عاشقوں کی معشوقہ + البیگم - معدودے چند عاشقوں کی چہیتی + الپاکباز - ایک عاشق پر اکتفا کرنے والی عورت -

غرض کہ یہ تمام لغت اسی قسم کے لغات پر مشتمل ہے - مذاق کے پیرایہ اور ظرافت کے پردہ میں - قوم کی بگڑی ہوئی حالت - مظلومی اور بدچلنیوں بدقماشیوں کی

تصویر کھینچدی اور اس کو تاریخ کی صورت میں لے آئے ہیں۔ اور بہت سے مورخوں نے اس کو پسند کیا ہے۔ یہ طرز غالباً عبید زاکانی ہی کی ایجاد ہے۔ جسکا اتباع ملا دوپیازہ۔ اور جعفر زٹلی نے بھی کیا۔ نعمت خان عالی اسکو نظم کے سانچے میں ڈھالا راقم الحروف نے بھی ایک کتاب لغات الظرفا نامی اسی انداز میں لکھی ہے۔ مگر اس سے ذرا بچی ہوئی ہے۔ کیونکہ اب سے پہلے عبید زاکانی کی اس کتاب کو میں نے نہ دیکھا تھا۔ اسوجہ سے لغات الظرفا میں اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ انشاء اللہ آئندہ اضافہ کروں گا۔

عبید زاکانی نے اس قسم کی کئی کتابیں لکھیں۔ جو اب اکثر نہیں ملتی ہیں۔ انکے ظریفوں کے زمرہ میں شامل ہونے کے وجوہات مورخوں نے جو کچھ بیان کئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے۔ کہ عبید نے ایک رسالہ علم معانی و بیان میں لکھا تھا اور خواہش تھی کہ بادشاہ وقت کی نظر سے گزرے۔ مگر عیش پرست بادشاہوں کے یہاں سوائے مسخروں کے علم و دانش کی باتوں کا کیا کام ہے۔ اسی لئے وزرا اور امرا نے عبید کی سعی اور کوشش کو بادشاہ تک نہ پہنچنے دیا۔ یا پہونچی تو بیکار رہی اور کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ عبید نے زمانہ کی ہوا کا رخ دیکھ لیا اور نہایت افسوس کے ساتھ یہ قطعہ کہا۔

اے خواجہ بکن تا بتوانی طلب علم — کاندر طلب راتب بہ ہر روزہ بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز — تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی

اس کے بعد ظرافت اور ہزل کی طرف جھک پڑے اور ایسے جھکے کہ اسی میں عمر گزار دی۔ اب ان کا کلام شائع ہو گیا ہے چند شعر نمونتاً درج کرتا ہوں۔

در علم و ہنر چو من مشو صاحب فن — تا نزد عزیزاں نشوی خوار چو من
خواہی کہ شوی قبول ارباب زمن — کنگ آور و کنگری کن و کنگرہ زن

شاہ ابو اسحق انجو کے معزز وزیر امین الدین نے ایک عورت جہاں خاتون نامے

سے شادی کی تو عبید زاکانی نے یہ قطعہ کہا۔

وزیر اجہاں تحیۂ بیوفاست　　ترا از چنیں تحیۂ ننگ نیست
فراخی دگر را بخواہ　　خدائے جہاں را جہاں تنگ نیست

لطیفہ۔ ایک مرتبہ خواجہ سلمان کو عبید زاکانی کی شہرت اور خوش طبعی پر رشک ہوا تو ایک قطعہ نظم کیا۔

جہنمی دہجا گو عبید زاکانی　　مقرر است بہ بیدینی و بیدینی
اگرچہ نیست ز قزوین و روستا زاوست　　ولیک میشود اندر حدیث قزوینی

شاہ شدہ یہ خبر عبید کو بھی پہونچ گئی زمانہ مساعد نہ تھا۔ مجبوراً خاموش رہا۔ ایک مرتبہ اتفاق ہوا کہ عبید کہیں جا رہا تھا ایک دریا پر پہونچا۔ جہاں خیمے پڑے ہوئے تھے۔ ذکر چاکر ادھر اُدھر اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھے۔ کنیزان ماہرو اپنی اپنی خدمات میں سرگرم دوا دوش تھیں۔ غریب عبید نے یہ تزک و احتشام دیکھکر دریافت کیا کہ کون یہاں اترا ہوا ہے معلوم ہوا کہ خواجہ سلمان ہیں۔ یہ تو سن ہی چکے تھے کہ خواجہ صاحب کے خیالات میری طرف سے اچھے نہیں ہیں۔ مگر پھر بھی ہمت کی اور خواجہ صاحب کی بزم سرور میں پہونچ گئے۔ خواجہ نے پوچھا کہ کیوں بھئی کون ہو کہاں سے آئے ہو۔ انھوں نے کہا کہ قزوین سے آتا ہوں۔ کہا کہ خواجہ سلمان کا نام تمنے سنا ہے۔ جواب دیا کہ جی ہاں۔ کہا کہ کچھ اسکا کلام یاد ہے۔ کہنے لگے ہاں۔ کہا کہ سناؤ۔ عبید نے یہ دو شعر پڑھے۔

من خرابا تیم و بادہ پرست　　در خرابات مغاں عاشق و مست
می کشندم چو سبو دوش بدوش　　می برندم چو قدح دست بدست

یہ شعر پڑھکر کہا کہ میں نے سنا ہے خواجہ سلمان ایک فاضل متبحر ہے۔ بھلا انسے

یہ شعر کہوں کہے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ یہ شعر اسکی بیوی نے کہے ہیں۔ خواجہ سلمان نے یہ سنتے ہی پہچان لیا۔ کہ ہو نہ ہو یہ عبید زاکانی ہے۔ پہلے تو یہ تھی پوچھا کہ کیا تم عبید ہو پھر قسم دلائی۔ جب بہت مصر ہوا تو عبید نے اقرار کیا۔ اور نہایت غصہ ہو کر کہا کہ بغیر دیکھے کسی کی ہجو کرنا علما کا شیوہ نہیں ہے۔ واللہ صرف آپ ہی کے ملنے اور آپ کے کیفر کردار کی سزا دینے کے لئے میں بغداد جا رہا تھا۔ اچھا ہوا کہ آپ یہاں مل گئے۔ خواجہ سلمان نے بہت معذرت کی۔ اور بات آئی گزری ہو گئی۔ اس کے بعد دونوں ہمیشہ دوست بنکر رہے۔

مردم بہ عیش خوشدل و من مبتلائے قرض — ہر کس بعیش شغلے و من در بلائے قرض
قرض خدا و قرض خلائق بہ گردنم — آیا ادائے فرض کنم یا ادائے قرض
در کوچہ قرض دارم و اندر محلہ قرض — در شہر قرض دارم و اندر سرائے قرض
عرضم چو آبروئے گدایاں بباد رفت — از بسکہ خواستم ز در ہر گدائے قرض
گر خواجہ تربیت نہ کند مر عبید را — مسکیں چگونہ باز رہد از جفائے قرض

افسوس کہ زیادہ۔ اشعار زیادہ تر فواحشات تک پہنچتے ہیں لہذا قلم انداز کرتا ہوں۔

فتحی۔ نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا مشفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی۔

اے مشفقیک چوں تو پرداختیم — با اشتر خود ترا قریں ساختیم
او گوز ہمیز ند تو سیگوئی شعر — او را بتو در بدیہہ انداختیم

عرش۔ گیا کے رہنے والے ضمیر الدین نام منشی امیر اللہ تسلیم مرحوم کے نہایت

مشہور و معروف اور ممتاز شاگردوں میں ہیں۔ عربی فارسی کی لیاقت بقدر ضرورت شعر کافی ہے۔ اکثر غزلیں رسالوں وغیرہ میں چھپتی رہتی ہیں۔ عرش صاحب کی عمر اب پچاس پچپن برس کی ہوگی۔ گو مجھکو یہ نہ معلوم تھا کہ آپ ظرافت کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔ مگر ایک غزل مطبوعہ اسی رنگ میں اودھ پنچ سابق سے دستیاب ہوئی جن کے ساتھ کچھ ظریفانہ عبارت بھی ہے۔ بجنسہ نقل کرتا ہوں وہو ہذا۔

مرزا اودھ پنچیا۔ روایت صحیح ہے کہ ایک روز ہیچمدان صبحدم بعد فراغت نماز سحری بیٹھا محو دعاے اصلاح قوم تھا کہ پچھم کی جانب سے ایک بسکھوٹرا پرانا پختہ ڈھیالا قوال ہاتھ میں سنہری سہانی چوڑیاں پہنے لباس زنانے میں ستارے مع اک بظاہر مرد طرحدار کے جو فی نفسہ زن مکارہ و عیارہ تھی آدھمکا اک عبرت سی ہوگئی تسبیح شریف پھینک کر قریب تھا کہ پاجامہ سے باہر ہو جاتا۔ کہ یا شیخ المدد کہکر بڑی زور سے مٹھی میں دل کو جکڑ بند کر لیا وحشت دور ہوگئی اب اس قوال وزن چھبیلے نے یوں الاپنے اور ستار ٹنٹنانے ٹنٹنانے توڑ ہی ڈالا۔ غزلچہ

شرافت تو ہے گو ہے بدکار بیوی — بھلا کھائے شوہر کی کیوں مار بیوی
نہیں اب جہاں میں وفادار بیوی — کہاں سے کوئی لائے غمخوار بیوی
کرے خاک تاکید پردے کی شوہر — نکلنے کو ہر دم ہے تیار بیوی
اگر اس زمانے میں عیاش بھی ہو — نہیں پیش خالق گنہگار بیوی
نہ کیونکر دعا موت کی مانگے شوہر — بہت آجکل سر پہ ہے بار بیوی
اگر کھانے کپڑے کی تکلیف کچھ دو — لگا دے وہیں جوتیاں چار بیوی
نیا گل کھلا ہے یہ باغ جہاں میں — کہ شوہر جو گل ہے تو ہے خار بیوی
اگر دیکھے بل ابرو و پنر میاں کے — تو دوڑے وہیں لیکے تلوار بیوی
مہذب گھروں کی یہ تعلیم سنئے — نہ پابند شوہر ہو زنہار بیوی

کہا ایک بڑھیا سے بیگم نے ہنسکر — شریفوں کے گھر کی ہیں عیار بیوی
یقیں کے ہے لائق نفاست اسکی عصمت — گلے کی ہو شوہر کے جو ہار بیوی
طرفدار غیرونکی تعریف جب ہے — نہ دے ساتھ شوہر کا زنہار بیوی
مبارک مبارک بلا ٹالی سر سے — جواری جوے میں گئے ہار بیوی
اگر میلے ٹھیلے میں جانے دو پیدل — تو سو بار تمکو کرے پیار بیوی
کمانے کی حاجت نہیں جب میاں کو — بلا سے جہاں میں ہو بیکار بیوی
خجالت کا دریا رواں بیچ میں ہے — ہیں اس پار شوہر تو اس پار بیوی
کرے گا اگر تیل پانی کی خاطر — رہیگی ترے گھر نہ زنہار بیوی
نہیں نوکری ملتی جب مردوں کو — نہ ہو کیوں کمانے کو تیار بیوی
ادھر تھک کے کاموں کو کیوں لے رہیں — اُدھر جام پی کر ہے سرشار بیوی
خصم کی اطاعت نہیں فرض ہرگز — خبردار بیوی خبردار بیوی
میں عاشق ہوں سو جانے دو پیری — ملی ہے مجھے اک طرحدار بیوی
نہ اب دانت کاٹو نہ اب رو بس بس — ہے دکھتا بہت ہی تن زار بیوی
تری پیٹھ پر سیکڑوں بوٹ جمتے — ترے منھ پہ لاکھوں ہی پھٹکار بیوی

عرشی ۔ یعقوب خاں نام تھا۔ قصبہ بند کی ضلع فتحپور میں ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوے ۔ آبائی وطن دہلی میں تھا۔ ان کے والد محمد زماں خاں اور ان کے دادا دارالسلطنت دہلی میں شاہ عالم بادشاہ کے توپخانہ کے گولہ انداز تھے ۔ جب بادشاہ موصوف کی آنکھیں نکال لی گئیں ۔ تو اُن کے والد ترک سکونت کرکے اس قصبہ میں آرہے ۔ عرشی مرحوم کی ابتدائی تعلیم و تربیت بند کی میں ہوئی ۔ مگر جب ان کے سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا ۔ تو یہ ضلع باندا چلے گئے ۔ اور وہیں علوم رسمی کی تکمیل کی۔

بعد تعلیم پھر بند کی واپس آئے۔ اور شاعری کا شوق ہوا۔ منشی جمیل الدین صاحب وکیل فتحپور کے شاگرد ہوئے۔ چونکہ نہایت نازک خیال اور خوش گو تھے۔ تمام معزز لوگ ان کی تعظیم کرتے اور اُن کو مانتے تھے۔ عاشقانہ شاعری بھی کرتے تھے مگر زیادہ تر نعت گوئی کا شوق تھا۔ مولانا فضل الرحمٰن شاہ گنج مراد آباد کے مریدوں میں تھے۔ اور نہایت عسرت و تنگ حالی سے بسر کرتے تھے تفنن طبع کے طور پر کبھی ظرافت کے شعر بھی کہہ لیا کرتے تھے۔ ہجو گوئی میں بھی کمال حاصل تھا کلام میں استادانہ بندشیں۔ نازک خیالیاں۔ خوبی اسلوب بیان بدرجۂ اتم ملحوظ رکھتے تھے۔ آخر وقت تک شعر گوئی کا سلسلہ جاری رہا۔ اور ۱۹۱۷ء میں بمقام بند کی انتقال کیا نمونہ کلام ظرافت و ہجو یہ ہے۔

میں بند قبا کو کمر بند سمجھا — عجب بے تکا ہوں خدا جانتا ہے
دو رنگی زمانہ سے ہم تو تباہ ہیں — مونچھیں سفید ہوگئیں.... سیاہ ہیں

ایک مرتبہ کلکٹر صاحب فتحپور کو ایک ظریفانہ عرضداشت اپنی غربت و بیکسی کے اظہار کے واسطے لکھی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں۔

اس ضلع کے حضور حاکم ہیں — عرض کیونکر کروں نہ اپنا حال
چھ مہینے گذر گئے کھاتے — خشک روٹی و بن بگھاری دال
نہیں ہوتی نصیب ترکاری — دمڑی کی مولیاں تلک ہیں محال
نیند کیا خاک آئے راتوں کو — چارپائی کا ہے شکستہ حال
شوربا میری تشنہ کامی کا — پانی پت سے گیا ہے تینی تال
بان کی یاد جبکہ آتی ہے — مار کر اینٹ کرتا ہوں منھ لال
جوتیاں تک نہیں مقدر میں — دونوں تلووں کی اڑ گئی ہے کھال
پیسے جڑتے نہیں حجامت کو — بال بھی سر کے ہوگئے ہیں وبال

چہرے کا خط بنا ہے اک دفتر — مونچھ داڑھی ہے صورت امثال
سیہ بختی سے پھٹ گیا وہ بھی — تھا جو کمبل مرا بجائے شال
دود آہ جگر نکلتا ہے — دل کو آتا ہے حقہ کا جو خیال
گھر جو بندکی میں ہے سکونت کا — اس کی بگڑی ہوئی ہے صورت حال
ٹوٹی پھوٹی کھڑی ہیں دیواریں — بیٹھ جائینگی غالباً امسال
دن کو چھنتی ہے دھوپ اتنا اوس — ہیں چھتیں گھر کی صورت غربال
آندھیاں زور شور سے آئیں — اڑ کے چھپر پہونچ گیا نیپال
مانگتا ہوں گھڑی گھڑی کی خیر — ہر گھڑی ہے مرے لئے گھڑیال

عرشی مرحوم کو اتفاقاً کسی وکسنیٹر سے کچھ صدمہ پہونچا۔ پھر ان کو تاب کہاں تھی وہ وہ ہجویں لکھیں کہ توبہ ہی توبہ۔

وکسنیٹر ہے قوم کا حجام — نائیوں سے کراتا ہے ..... اغلبیم
مارے جوتوں کے ہو گیا گنجہ — جھڑ گئے سر کے موے عنبر فام
باندھتا ہے عمامۂ کابل — فرقۂ بد معاش کا ہے امام
آکے بندکی میں بن گیا ہے شریف — باپ دادا تھے نائیوں کے غلام
اے میاں جاتے ہو جو تم گھر کو — اپنی ماں سے ہمارا کہنا سلام
نانی تیری ہے آنکھ کی کانی — جب یہ عاشق ہوے ہیں تو دے رام
اکہ والوں کی رہ کے صحبت میں — تو بھی چلنے لگا قدم شہ گام
اپنی رنڈی کو کہتا ہے مادر — کرتا ہے اس سے روز و شب بدکام

اگر دعوی ہے کسی نیٹری کا — ہمارے آگے آئے ..... کا
پڑے ہیں جوتے سر پر چھڑ گئے بال — یہی ہے مرد گنجی کھوپڑی کا

مزا زردے کا کیا جانے کمینہ　　وہ کھانے والا ہے روٹی سڑی کا

عرشی کی ہجویں اور بھی موجود ہیں مگر وہ فحش سے قریب اور ظرافت سے دور ہیں اس لئے اور کیا انتخاب کریں مجبور ہیں۔

عرب - میرزا عرب مشہدی نام ہزل و تمسخر میں جواب نہ رکھتے تھے۔ شعرائے ایران کے دور متوسط کے شاعر ہیں۔

حیواں پرستی جان من۔ من اسپ و اشتر نیستم　　پیشت ندارم عزتے فہمیدۂ خر نیستم

عزیز - سید قلندر کاشی کا تخلص ہے۔ شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ کے ایک زبردست ہزال اور ظراف تھے۔ اتفاق سے بیوی بھی شاعرہ تھی ایک مرتبہ عزیز نے یہ شعر کہا ؎

زنم را قحبہ می گفتند و من باور نمیکردم　　بحمد اللہ نمردم تا بچشم خویشتن دیدم

عورت نے فوراً جواب دیا

زنت را قحبہ می گفتند و دیدی　　برو بابا شتر دیدی ندیدی

عسس - بدر الدین نام تھا۔ مٹیا محل دلی میں رہتے تھے۔ نہایت بیوقوف اور مسخرے آدمی تھے اسپر آپ کی ہیئت کذائی اور بھی تزہت ناظرین تھی فلینظر الی الابل کیف خلقت کی بنی بنائی تصویر تھے۔ بدقسمتی سے شعر و شاعری کا بھی ذوق و شوق تھا۔ اس میں بھی ایک نئی بات نکالی تھی جب غزل کہتے تھے تو اس کو تین حصوں پر تقسیم فرماتے تھے۔ نثر۔ مادہ۔ استادہ تذکرۂ گلستان سخن کی ترتیب سے پہلے روپوش فنا ہو چکے تھے۔ ایک شعر ملتا ہے

مگر مشتے نمونہ از خروارے سمجھکر اسی پر تمام و کمال کلام کو قیاس کر لیجئے۔

کیوں بے ادب لقمے چلا تھا کیا یہ جھکڑ اتکو　　کس لئے آیا تھا تیرے گھر وہ مکڑ اتکو

عشاق - ایک قدیم ہندو شاعر کا تخلص ہے زیادہ حال معلوم نہیں صرف ایک شعر مل سکا۔

سر سبز خط سے اور ہوا حسن یار کا　　آخر خزاں نے کچھ نہ اکھاڑا بہار کا

عشرت کسی رنجتی گو کا تخلص ہے جن کے دو ایک شعر تو ملے مگر تذکروں میں نہ نام ملا اور نہ حالات کا پتہ چلا۔

خدا نے دی ہے کیا طاقت بوا اب تو جوانوں میں　　ترے سر کی قسم ہوتی ہے کل سے ٹیس زانوں میں

تجھے اپنی پڑی ہے میں مری جاتی ہوں جل جل کر　　موے سنتا نہیں کیا تیل ڈال آیا ہے کانوں میں

حسیں بھی ہیں کٹے بھی ہیں مگر کچھ جوش ہوتے ہیں　　یہاں تک عیب ہے عشرت یہ کابل کے پٹھانوں میں

عصمت - تخلص ہے امجد علی خاں کا جو رنجتی نہایت عمدہ کہتے تھے اور حسین علی خاں لکھنوی شاگرد محمد علی خاں مسیحا کے فرزند تھے چند شعر ملے جو درج کرتا ہوں۔

جو کم سنی میں دیکھ چکی منہ ہزار کے　　بیٹھے گی کب بھروسے پہ وہ ایک یار کے

بی تم نے کیوں کنوار پنے میں چبائے پان　　موتی سے دانت بن گئے دانے انار کے

نرگس کی چھوکری کا وہ دیدہ ہوائی ہے　　کندن کو سارا دیدیا گہنا اتار کے

نتیجہ اے بوا اچھا نہیں مردوں کی صحبت کا　　کھلے گا تو مہینے بعد کل اس عیش و عشرت کا

نہ لیتی نام تک ہرگز نکھٹو کا کبھی اماں — مگر کچھ پاس ہے مجھکو نٹے بوڑھوں کی عزت کا
نگوڑے شیخ نے پھر آج افیوں لیکے کھائی ہے — میں ڈرتی ہوں لو اب سامنا ہوگا قیامت کا
تری خاطر میں گھر سے دن دہاڑے آتی ہوں ورنہ — کسی نے آجتک آنچل نہیں دیکھا ہے عصمت کا

عطا — عطا اللہ نام تھا عطا تخلص تھا۔ عالمگیر کے زمانے میں خوش و خرم دلی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ دلی ہی زاد بوم تھی اور دلی ہی میں پیوند خاک ہوے۔ اپنے زمانہ کے بانکوں میں تھے۔ اور تمام وضع قطع وہی تھی۔ ٹیڑھی ٹوپی لچکا ٹمکا ہوا نیچی نیچی ڈھیلی ڈھیلی آستینیں۔ کرتے کا دامن بہت نیچا اور سپر بیل لگی ہوئی۔ ڈاڑھی چڑھواں مونچھیں بل دی ہوئی کندھے پر ایک رومال۔ انگلیوں میں کئی کئی انگوٹھیاں اور چھلے ہاتھ میں ایک سونٹا۔ میر جعفر زٹل سے ہمیشہ نوک جھونک رہتی تھی۔ نہایت بیباک اور شورہ پشت تھے۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے ناراض ہو کر قید کر دیا اور مدتوں تک زندان مصیبت میں اسیر بلا رہے۔ اتفاقاً ایک روز بادشاہ نے ایک مصرع کہا۔

ع بسترم خاک و خشت بالین است

اسپر دوسرا مصرع حسب دلخواہ نہ لگتا تھا۔ بہت سے لوگوں نے مصرع لگائے مگر ناکام رہے۔ شدہ شدہ یہ خبر عطا کو بھی پہونچ گئی۔ کہا کہ اگر بادشاہ مجھے آزاد کریں اور اس بلا سے رہائی دیں تو ایسا ہی مصرع کہہ دوں گا۔ بادشاہ نے یہ شرط منظور کر لی عطا نے مصرع کہا ع یکے از سرگزشت من این است۔ بادشاہ نے بھی وعدہ وفا کیا۔ ان کا کلام بالکل جعفر زٹل کے رنگ میں ہے۔ میر تقی میر اور میر حسن نے ان کو اوباش وضع لکھا ہے، نمونۂ کلام یہ ہے۔

اے در نبرد حسن تو کشتہ بہ چار چشم — زیر مژہ نہفتہ چو آہو بہ چار چشم
بر فلک شب نمی طپد انجم — دل رستم ز سہم می دہڑکد

دست و پا میزند عدو در رن　　ہمچو پدڑی کہ در قفس پھڑکد

عقاب جناب قرید ایونی کے ایک شاگرد ہیں۔ عمدہ شعر کہتے ہیں ظرافت بھی نہایت شستہ ہوتی ہے۔

کہتا تھا میں کہ پردے کی مٹی ہوئی خراب　　بے غیرتی نے بڑھ کے دیا مجھکو یہ جواب
شرم و حیا کے ساتھ وہ دن اب گئے جناب　　اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع حجاب
پروانہ جان دینے کو تیار ہو گیا

وہ عورتیں کہ جنکی حیا کا نہ تھا جواب　　کوشاں ہیں اب کہ پردے کی مٹی کریں خراب
اتنا خیال ان کو نہیں اے انقلاب　　اتنی سی بات پر کہ ہوئی شمع بے حجاب
پروانہ جان دینے کو تیار ہو گیا

اس پری سے میں نے جب پوچھا کہ اے پردہ نشیں　　غیر سے بے پردہ ہونا یہ بھی کوئی راز ہے
ہنسکے بولی اے میاں اسبات کا افسوس کیا　　تم یہی سمجھو کہ وہ اک آلۂ پرواز ہے

اب دیر کیا ہے آئیے مونچھیں منڈائیے　　داڑھی کی گھاس پھونس کو لو کاٹ کائیے
ڈبے کی مچھلی کھائیے وہسکی اڑائیے　　القصہ جسطرح بھی ہو فیشن بنائیے
جو بات اس مئی میں ہے اس جون میں نہ ہو
اک پائنچہ بھی آگے کو پتلون میں نہ ہو

چھوڑی ہے اپنی وضع تو ہر بات چھوڑیے　　مونچھوں کی طرح ناک سے بھی منھ کو موڑیے
جوڑے ہیں پہلے ہاتھ تو اب ٹانگ جوڑیے　　ہونٹوں کی بل سے کھائیے دانتوں کو توڑیے
پلکیں فضول چیز ہیں انکو بھی مونڈ لیے

ناحق بھویں عزیز ہیں انکو بھی مونڈیے

جدت کا جسمیں دخل نہ ہو چھوڑیے وہ کام — گھوڑے کے منھ میں بھی ہو دم میں ہے لگام

ہاتھوں سے قطع راہ ہو ٹھوکر سے ہو سلام — اس منھ سے اب بولئے ہے یہ طریق عام

جو چیز اس سے قبل تھی رائج وہ چھوڑیئے

عینک سے کام لیجئے آنکھوں کو پھوڑیئے

عمر - دکن کے رہنے والے تھے معتبر خاں نام تھا - منصب داران شاہی میں کسی عہدہ پر سرفراز تھے - شعر و شاعری کا ذوق تھا اور زیادہ تر ظریفانہ رنگ کے شعر کہتے تھے - ولی کے زمانہ میں تھے اور انھیں کو اپنا کلام دکھاتے تھے - اج تذکروں میں صرف دو شعر ان کے نام سے ملتے ہیں جن میں ظرافت کا ہلکا ہلکا رنگ ہے -

بس کرو زلف کو لپیٹ رکھو — کیا اسیروں کو مار ڈالو گے

ایک رسوا بہت ہے شہرت کو — جمع کر کیا اچار ڈالو گے

علی - قلچاق - اوباش اصفہان کا سربرآوردہ شخص تھا - اسی مذاق کے شعر کہتا تھا - ایک شعر یہ ہے -

تعلیم بچہ پر دیت گر ہوس بود — برخیز و سر بیا سے علی قلچاق نہ

عماد لر - ایران کا ایک زبردست ہزال تھا - کلام جو ملتا ہے وہ تہذیب سے معرا ہے لہذا نظر انداز کرتا ہوں -

حرف غین معجمہ

غازی الدین یعنی نواب عماد الملک غازی الدین خاں بہادر وزیر عالمگیر ثانی - ان کا ایک شعر اس رنگ میں ملتا ہے - گمان ہوتا ہے کہ شاید مستقلاً ظرافت کے اشعار کہے ہوں بہر حال شعر یہ ہے -

سر سے پاؤں تک سفیدی آگئی تسپیر حال
شمع سی ہمنے نہیں دیکھی کوئی بوڑھی چھنال

غمگین - مولوی عبد القادر مرحوم متوطن رام پور کا تخلص ہے نہایت جید نہایت عالم و فاضل تھے - مراد آباد میں عہدہ جلیلہ صدر الصدوری پر ممتاز تھے تذکرہ صابر میں لکھا ہے کہ باوجود پیرانہ سری کے ظرافت پسند تھے مگر افسوس کہ انکا کچھ کلام ظریفانہ درج نہیں کیا صرف دو تین شعر جن میں شوخی بیان پائی جاتی ہے درج کئے ہیں -

خدمتیں ساری فراموش شکایت ایک یاد
شبہہ میں اک خطا کے ہمہ نیکی برباد
بندگی صاحب من خانۂ نیکی آباد
گر نہادت ہمہ این است زہے نیک نہاد
در سرشتت ہمہ این است زہے نیک نہاد

جو مے رہی نہ تو شیشہ جھکا کے ساقی نے
کہا یہ رندوں سے لیجیے سلام شیشہ کا
بندہ کی طلب ہووے تو سرکار میں آوے
خلوت میں نہو حکم تو دربار میں آوے

غیاث الملک ۔ افسوس ہے کہ نہ آپ کا نام معلوم ہو سکا ۔ اور نہ حالات کا پتہ چلا صرف (علامہ غیاث الملک کے معنی بزخیالات) کے عنوان عظیم الشان سے ایک غزل مل سکی ۔ جو مرزا غالب کی غزل پر لکھی گئی ہے بفضلہ معنی سے بالکل معرا معلوم ہوتی ہے ۔ مگر اُن لوگوں کے لئے سامان عبرت ہے جو عظیم الشان پر رعب اور سنگین الفاظ رکھکر شعر کے مقصود اصلی تک پہونچنا چاہتے ہیں ۔ اگر ایسا ہے تو غالباً اس صدی میں علامہ غیاث الملک سے ایسے شاعر ایک ہی دو پیدا ہو کر پیدا وار بند ہو گئی ہو گی اور ع تراکشیدہ دولت از قلم کشید خدا ۔ والا معاملہ پیش آیا ہو گا ۔ بہر صورت غزل یہ ہے ۔

شب چراغ عقل تصدیع خم فانوس تھا — کسوت شمعوں کا نغ غیرت فانوس تھا
نار آور شموس غرفش ناقوس تھا — لایح لامع لعوق زاہد سالوس تھا
زندر و ذیغ ثیغ آسودہ ناموس تھا — زورق رو ما ہلاک تختہ کابوس تھا
منبع لذاغ ایراد خلاغ غت ربود — قسوت قرطاس قطاس سر قاموس تھا
تلقل صفرائے ترح کروبیاں — محیط مخروط کعب شمسہ قابوس تھا
مزل نخاس کوس چلہ نفاس جوع — قلع زنگار قسط اقصر کیگا دس تھا
شحنہ جوع البقر جم مغاک قعر صفر — صفرہ نث نفوس نیر ناؤس تھا
نخلع کلاغ خشون نریل کیف البول — میسر مس ملین قطرب جاسوس تھا
صفرت اقرس رقاع خلط ماق لیف خد — مجس قطبی فصال نفخ بطلیموس تھا
حرقت محروق قسطاس غرق جاو برد — شیون نسیج خل گوزم گنجوس تھا
سویت ناسوت سودت فلطین مستقیم — سوسمار سود سپاک طائر مجوس تھا
سندباد آرسن سحاب سنوات رقود — سم سلجوق حمار قطر جالینوس تھا
لخشہ لحن نکیا قرمز ہنجار روف — فصد شرمیں خمار غبت طاوس تھا

لف و نشر حریہ شیاد خناس مثیل — نیر فے بازو مکاڈ و چنگ زار روس تھا
قاقم ارجاع تھا قطاب نشف اعتاس — طارم فقدان اب چش ضو شمس لوس تھا
طمطراق نسر طائر قدغن بنت العنب — فیلسوف منع شیوع شعشعہ معکوس تھا
صنعف شرح طاب طامات صغینہ الحذر — حف لیقن عتق نوج حسرت مایوس تھا

غٹ غوں ۔ ایک پختہ مشق شاعر ہیں جو تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی ظریفانہ رنگ میں بھی شعر کہہ لیتے ہیں ۔ میرے دوست ہیں ۔ مگر وقار ذاتی کی وجہ سے اجازت نہیں دیتے کہ ظریفوں کے ساتھ اُن کا نام بھی اس تذکرہ میں آئے ۔ چند شعر بہت سے تقاضوں کے بعد مرحمت فرمائے ہیں وہی درج کرتا ہوں ۔

ہوا ہے گھر ہمارا جب سے برباد — وہ کہتے ہیں ہمیں بندر کی اولاد
یہ جوشِ تمکنت اللہ اکبر — کہ جیسے آپ کا دادا تھا شداد
لباس نو ہے بی شیریں کی بر میں — نیا تیشہ خریدیں بھائی فرہاد

وصل کی دھن میں جنوں کی ہوئی عریانیاں — آجکل مجنوں کے چوتڑ پر لنگوٹا بھی نہیں
بھنگ تھوڑی یونہی پھانک کے سوتے ہیں ہم — کوئی کوٹھڑی بھی نہیں ہے کوئی ٹاٹا بھی نہیں
کون سی بات پہ لیلیٰ کے وہ شوہر ٹھہرے — بھائی مجنوں سے تو میں عمر میں چھوٹا بھی نہیں
نازنیں مجھ سے بچے پھرتے ہیں ناحق غٹ غوں — کچھ بھدا لیل بھی نہیں میں کوئی موٹا بھی نہیں

دنیا مرے نظارۂ حسرت کی بدل جائے — نیفہ سے اگر اُن کا کمر بند نکل جائے

حرفِ فا

فتحی۔ نام فتح اللہ تھا۔ ہرات کے رہنے والے تھے۔ ہزل اور ہجو کی طرف طبیعت کا میلان بہت زیادہ تھا۔ ملا مشفقی کی ہجو میں یہ رباعی کہی تھی۔

اے مشفقیک چوں بتو پرداختہ ایم — با اشتر خود ترا قریں ساختہ ایم
او گوز ہمیزند تو میگوئی شعر — او را بتو در بدیہہ انداختہ ایم

فدا۔ مولوی عبدالوحید نام ہے۔ گلاوٹھی ضلع بلند شہر کے رہنے والے ہیں مگر بہ سلسلۂ ملازمت عرصہ سے مین پوری میں قیام ہے۔ مرزا داغ مرحوم کے ایک خوش فکر خوش مذاق شاگردوں میں ہیں۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں۔ کبھی کبھی ہزاحی شعر کہہ لیتے ہیں دو شعر جو ان کے صاحبزادے سے بہت عرصہ ہوا سنے تھے وہ آجتک دماغ میں محفوظ ہیں۔ فدا صاحب کی عمر اسوقت تقریباً ساٹھ پینسٹھ برس کی ہوگی۔ سنا ہے کہ اب بوجہ ضعف بصارت مشاعروں میں بھی شریک نہیں ہوتے

کوئی نیٹو بنے گر لاکھ مسٹر ہو نہیں سکتا — مقابل بوٹ کے ہرگز سلیپر ہو نہیں سکتا
نہ دو اچھا نہ دو اچھا نہ دو لیکن آرتے کیوں ہو — مرے ٹیپو کو کیا ٹکر امیسر ہو نہیں سکتا

فدرا۔ سید محمد علی نام تھا۔ مگر لوگ ان کو ان کے عرف فدا شاہ کے ساتھ یاد کرتے تھے۔ لوہاری متعلقات سہارنپور کے باشندے۔ سپاہی پیشہ خوش اختلاط

نیک مزاج پسندیدہ خو تھے۔ مگر اول اول میں ان کے کلام میں شوخی زیادہ ہوتی تھی اور لوگ اُسکی تعریف کرتے تھے۔ آخر کار غزل گوئی ترک کرکے آخر عمر میں ہزل گوئی پر مائل ہوگئے۔ مگر کلام عنقا ہے۔ ایک ہی شعر مل سکا۔

جسنے کھایا ہے تیر مژگاں کا　　اس کے نزدیک جانس ہے بھالا

فدائے سخن — اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار تھے۔ جن کا اب باوجود تلاش کوئی حال نہیں ملتا۔ انداز بیان سے ابوالکمال مولانا امید کا کلام معلوم ہوتا ہے۔

لونڈے کہتے ہیں یہ دھڑلے سے　　شوق ہے ہمکو گیند بلّے سے
سچ تو ہے بندۂ ضلالت کو　　کیا غرض کعبہ یا مصلّے سے
ہاں للا ہیں وہی بدایوں کے　　کل ملے تھے جو اک بلّے سے
دیکھنے آج میر صاحب کو　　لوگ آئے ہیں ہر محلّے سے
غیر کو بد بیاں پہنچائی جائیں　　ہم گئے گزرے ایک چھلّے سے
رنڈیاں چوک کی الجھتی ہیں　　ایک عاشق مزاج چھلّے سے
شاعری ہند کی ہے وابستہ　　آجکل جاہلوں کے پلّے سے

فرد — تخلص مولوی وحید الدین خاں نام تھا۔ خدا بخش خاں عرف دربھنگہ ضلع مظفرپور کے رہنے والے تھے۔ اشعار عاشقانہ لیکن اکثر ظرافت آمیز کہتے تھے۔

بند انگیا کے نہ بند ہوئے کبھی　　عمر بھر بند رہے تو نا محرم رہے
سطح سینہ پہ ترے اے بت نیرنگ کیا　　اُبھرا اُبھرا نظر آتا ہے کچھ اٹھا اٹھا

وہاں چھاتی ہے گدرائی یہ کیونکر پہاڑ کا ۔۔۔ درخت بار ور میں باندھا ہے بلوبال کھڑکا

فصاد ۔ نبو حجام دہلوی شاگرد شاہ نصیر کا تخلص تھا۔ صاحب تذکرہ گلستان سخن اس کی بابت لکھتے ہیں کہ "نہایت ظریف خوش طبع کشادہ رو۔ نیک خو تھا۔ شاید شعر گوئی سے غرض یہ تھی کہ موتراشی کے ساتھ موشگافی کو جمع کرے۔ جو کہ اُس کے اشعار تذکرہ میں لکھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے صرف ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں"

بادہ کے ہمیں پینے سے کیا کام ہے ساقی ۔۔۔ مے خونِ جگر آبلہ ہے جام ہمارا

افسوس ہے کہ اس شعر کے علاوہ اس کی ظرافت کا کوئی شعر مجھے بھی نہ مل سکا۔

فغان ۔ اشرف علیخاں نام تھا فغاں تخلص احمد شاہ بادشاہ کے برادر رضاعی تھے۔ تمام تذکرہ نویس ان کی بذلہ سنجی اور ظرافت گوئی کے مقر ہیں۔ میر صاحب نے لکھا ہے کہ ان کی دو پھبتیاں بہت مشہور ہیں ناگرمل دیوان تن کو گھی کی منڈی کا سانڈ اور حکیم معصوم کو گاؤ گجراتی کہتے تھے۔

مولوی محمد حسین آزاد تذکرۂ آبحیات میں ان کی نسبت یہ لطیفہ لکھتے ہیں۔ خدا معلوم سچ ہے یا اپنی عادت کیموافق صرف دل لگی کے لئے بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے بہر حال لطیفہ یہ ہے۔ کہ

راجہ شتاب رائے کے دربار میں انھوں نے ایک غزل پڑھی جسکا قافیہ تھا لالیاں۔ تالیاں۔ وغیرہ۔ سب سخن فہموں نے بہت تعریف کی۔ راجہ صاحب کی صحبت میں جگنو میاں ایک مسخرے تھے ان کی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب سب قافیے آپ نے باندھے مگر تالیاں رہ گئیں۔ انھوں نے ٹال دیا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب سنتے ہو جگنوں میاں

کیا کہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مہاراج اس تحفہ کو مبتذل سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ او۔
حضور فرمائیں تو اب بھی ہو سکتا ہے۔ مہاراج نے کہا کہ ہاں کچھ تو کہنا چاہیئے۔ انھوں
نے اسوقت پڑھا۔

جگنوں میاں کی دم جو چمکتی تھی رات کو سب دیکھ دیکھ اسکو بجاتے تھے تالیاں

تمام دربار چمک اٹھا اور جگنوں میاں مدہم ہو کر رہ گئے۔

اسی طرح ہر تذکرہ سے یہی پتہ چلتا ہے مگر افسوس کہ اُن کا ظرافت کا کلام
تھوڑا سا بھی بہم نہ پہونچ سکا۔

فنا تخلص تھا شیخ باقر نام تھا کالپی کے رہنے والے تھے۔ حافظ ضیغم مولوی
عبدالکریم خاں آشنا اور مولوی محمد مظہر وصل وغیرہ بہت سے شاعروں سے
اصلاح لی تھی کلکتہ میں پیشۂ تجارت سے اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ ریختی گوئی کا
شوق تھا۔ بارہ سو اکاسی ہجری میں زندہ تھے۔ ایک شعر مل سکا۔

کل روپے سونا کو منگوا کر دیئے ٹکسال سے اشرفی خانم کہونگی جا کے کندن لال سے

حرفِ قاف

قاآنی - حبیب نام تھا - اور مدت تک یہی تخلص تھا ایران کے شاعر تھے - نہایت مشہور و معروف تھے بلکہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے اور غالباً نہایت صحیح ہے کہ دورِ آخر میں قاآنی سے بہتر ایران میں کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا - ان کی زبان نہایت صاف تھی - کلام میں جوش روانی بدرجۂ اتم تھا مگر خیالات زیادہ تر سطحی تھے - جب ان کی شعر و شاعری کا چرچا ہوا تو حسن علی مرزا گورنر خراسان نے ان کا تخلص قاآنی قرار دیا - اور انھیں کے ساتھ مرزا عباس مسکین کا تخلص بھی بدلوایا اور فروغی تخلص رکھا - قاآنی اگرچہ مستقلاً ظرافت نہ کہتے تھے مگر تفنن طبع کے طور پر مختلف رنگوں میں شعر کہہ لیا کرتے ۱۲۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۷۰ھ میں انتقال کیا ایک نظم کے چند شعر دستیاب ہوئے جو ہکلوں کی زبان میں کہے ہیں - بقیہ اشعار ان کی گلستاں سے منتخب کرتا ہوں -

پیر کے لال سحر گاہ بہ طفل الکن — می شنیدم کہ بدیں نوع ہمی اندر سخن
کاے ز زلفت صصصبح ششششام تاریک — وائے ز چہرت ششششام صصصبح روشن
تتتتر ما کیم واز ششششہد تو للبت — صصبر و تتتابم رر رفت از تتتن
طفل گفتا ممن را تتتقلید مکن — کککم سوز برم ے کککمتر از زن
می خواہی مشتے بہ بہ کلت بزنم — کہ بیفتد ممغزت ممیان دو دہن

پیر گفتا و و اللہ م معلوم است ایں | گگزادم من بیچارہ نادر الکن
ھ ھ ہفتا و و ھ ھ ہشتا و سہ است فزوں | گہ گہ گنگ ل ل ل لالم بہ خلاق زمن
م م من ہم گ گنگم م م مثل تات تو | تو تو تو ہم گ گ گنگی ہم م مثل م م من

قایم ۔ میر صاحب اور میر حسن نے اپنے اپنے تذکروں میں ان کا نام محمد قائم لکھا ہے مگر تذکرہ گلشن بے خار اور تذکرہ نساخ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد قیام الدین نام تھا۔ بہرحال چاندپور مدینہ ضلع مرادآباد کے رہنے والے تھے۔ اول میں میر درد کے شاگرد رہے بعدازاں سودا کے زمرۂ تلامذہ میں داخل ہوئے۔ نہایت قادر الکلام اور خوشگو تھے۔ تمام اصناف سخن پر قدرت تامہ حاصل تھی۔ مثنویاں کہنے میں بڑی مہارت تھی۔ تفنن طبع یا رنگ زمانہ کی ضرورت سے ظرافت میں بھی شعر کہتے تھے۔ بلکہ اس میں بعض اوقات اتنے بڑھ جاتے تھے کہ فحاشی تک نوبت پہونچتی تھی۔ ایک بڑا کلیات ہے جو اصناف سخن طرح طرح کی ظرافتوں ہجووں غزلوں قصیدوں رباعیوں وغیرہ سے مالا مال ہے اور عنقریب ایک مطبع سے شائع ہو کر نکلے گا۔ بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کا لکھا ہوا ایک تذکرہ بھی ہے۔ مگر وہ مفقود ہے۔ قائم کی عمر کا زیادہ حصہ دہلی میں بسر ہوا اسی وجہ سے تمام اہل تذکرہ اور استادان زباندان باوجود چاندپوری ہونے کے ان کو مسلم الثبوت استاد جانتے اور ان کی استادی کو مانتے ہیں۔ چنانچہ میر حسن نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ چوں از ابتدائے جوانی در شاہجہان آباد بسر بردہ بنا بر آن محاورہ او درست گشت" سنہ ۱۲۱۰ھ میں انتقال کیا۔ ان کا کلیات ترتیب تذکرہ کے وقت مجھکو نہ مل سکا اس لئے کہیں کہیں سے اس رنگ کے اشعار انتخاب کر کے لکھتا ہوں۔ ورنہ ان کی کلیات میں بہت کچھ موجود ہے خصوصاً گوزی نامہ عجیب چیز ہے۔

کیا پشم ہیں دنیا کے یہ سب اہل نعیم
بیقدر کریں ہمکو جو دیکر زر و سیم
مسجد میں خدا کو بھی نہ کیجے سجدہ
محراب جو خم نہ ہو برائے تعظیم

گندمی رنگ ہے جو دنیا میں
میری چھاتی پہ مونگ دلتا ہے
کبھی دکھا کے کمر اور کبھی دہاں مجھکو
پٹ بتنگ کیا تو نے اے میاں مجھکو
تمام یہ بھی میں ہے کہ تقید سے شیخ جی
اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

قرم ریختی کے انداز میں پانچ سات شعر ملتے ہیں لیکن نام وغیرہ کا کوئی پتہ نہیں مجبوراً صرف شعر ہی نقل کرتا ہوں۔ مگر شعروں میں صرف ریختی ہی کا انداز نہیں ہے بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا اپنے تخلص کو نباہنے اور اسم بامسمی ہونے کی برابر کوشش کرتا ہے۔ انداز کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دور حاضرہ سے کچھ پہلے کے کہنے والے کوئی صاحب ہیں۔

چار آنے جو مجھے دو تو میاں تمکو ابھی
جا کے اڈے میں حسینوں کے دکھا لاتا ہوں

کس نگوڑی کلموہی نے بد دعا دی تھی اسے
شہر کے چکلوں میں قرم کا پتہ ملتا نہیں
کیا نحوست چھا گئی ہے اب زمانہ پر بوا
ڈھونڈھتی پھرتی ہوں کوئی مرد ملتا نہیں
بیٹھکر لٹسوے بہاؤ یا کہو مجھکو برا
مجھکو تو بیگم کوئی اب آشنا ملتا نہیں

مردوا پانی بھرے سامنے اسکے بیگم
بیسوں ناخون جلا کر جو کھلائے کوئی

ڈولی کے پیسے دینے پڑینگے میاں ضرور
کیا گھورتے ہو تم مجھے دیدے نکال کے
مردوں کے سامنے نہیں آتے ہیں یوں بوا
اوڑھا کرو ذرا تو دوپٹہ سنبھال کے

اچھے ٹھکانے آپ کو دکھلا کے کیا کروں
مفلس ہو تم میاں تو میں لیجا کے کیا کروں
دو چار آنے ہوں تو چھڑا دوں کسیطرح
قرق اک دہائی کا ہے تو سمجھا کے کیا کروں

وہ روز بھی تو میں نہیں رہتی ہوں جس جگہ سے — بیگم تمہیں بتاؤ کہ میں نہا کے کیا کروں
پیزار سے مری جو مرے گھر نہ آئے وہ — طوطے چشم ہیں مردے پچھتا کے کیا کروں

قفنس مجھے افسوس ہے کہ اس عدیم المثال بدیع الزماں شاعر کا نام نہ معلوم ہو سکا۔ ایک پرانی کتاب میں ایک قصیدہ اس عنوان سے لکھا ہوا نظر آیا تھا "قصیدہ کہ در مدح مخدوم الدولہ بہ صنعتے کہ بجز تخلص لفظے ہم معنی ندارد گفتہ شد و بجائزہ اش از بارگاہ فلک اشتباہ بخلعت و انعام سرفراز گردید" مجھے اب افسوس آتا ہے کہ پورا قصیدہ جسمیں بلا مبالغہ دو سو ڈھائی سو شعر تھے کیوں نہ نقل کر لیا۔ ممکن ہے کہ بعض طبائع اس کو پسند نہ کریں مگر میرے نزدیک یہ ایک کمال ہے۔ اور اس صنعت و التزام سے عہدہ برآئی ہر شخص کا کام نہیں ہے۔

مقفل قطلان و قلام قاطر قاد — قفیل قام قلاعد قرومہ قاعل قیم
قریم قوع قرام قرعقرم قربوش — مقعموق قریقم قریشم قالیم
مقور قورچہ قندریچ قاقل قیق — قروق قامرق قاقلاں قوغ قیمیم
لقوق مقمقہ ماقلاں موق مقاق — مقیر مقاسہ مقساق ما قلقیم
قمام قنقنہ قندشین قوقل قیز — جقوش قفت قلاقوش قفنس جقنیم

قمر۔ یا جان۔ یا ہاف ۔ حالات و نام معلوم نہیں ہو سکے۔ یہ غزل تین ناموں سے ملتی ہے۔ معلوم نہیں کہ اصل مصنف کون ہیں ۱ قمر ۲ جان صاحب۔ ۳ ہاف صاحب۔ بہر حال میں اول الذکر کے نام سے لکھتا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ یہی صحیح ہو۔

ہے رام جنکا کام تھا کافر کا مارنا — وہ آج مارتے ہیں تمہیں الم کسم

لنڈن سے ہو کے ہند میں جب آنے مانگتا
ہم جو رو لوگ گاڑی میں بٹھلانے مانگتا

ہم مانگتا سگار ولایت کا سیگرٹ
اور بہرہ لوگ دیسی چرٹ لانے مانگتا

ہم دیسی حقہ دیکھ لیا گسہ کر لیا
یو فول کہہ کے بہرہ کو ہم کھانے مانگتا

کھانے کا کپڑا ڈالنا نیچے نہیں پسند
کانٹا چھری سے میز پہ ہم کھانے مانگتا

مٹ بولو ایسا بات کہ ہم کالا لوگ ہے
صاحب کا نام ہمکو بہت کھانے مانگتا

گنگا جلی کھراب ہے جم جم پھجول ہے
ٹمبلر میں شام پین کو پلوانے مانگتا

شلب کھدا کا نام نہیں چرچ میں ہمیں
ہم گھوڑا گاڑی کرنے فکٹ جانے مانگتا

مسٹر فلپ جو آتا تو کھس ہوتا ہم بہت
جب باپ ملنے آئے تو سرمانے مانگتا

ہم دیسی لوگ کی طرح ہکتا نہیں پھجول
صندوک اب پکھانے کا بنوانے مانگتا

کرتا بہت سا گسہ ہوں ہوتا ہوں پھر کراب
جب دیسی بھائی ملنے ہمیں آنے مانگتا

جاہل پہننے مانگتا پاجامہ لوگ کو
ہم برجس اور سوٹ کو سلوانے مانگتا

سر پہ نہیں لپیٹتا لمبا سا کپڑا ہم
ہم ہیٹ ایک گھاس کا بنوانے مانگتا

پیٹا ہے دودھ یہ ماؤں کا یہ بیوقوف لوگ
ہم دودھ گھر کا بچہ کو پلوانے مانگتا

ایک جگہ یہ مقطع ہے

ویل ہاف صاحب لڈیا کھوب یہ گجل
سب لیڈی لوگ باجے پہ یہ گانے مانگتا

حرف کاف

کافر محمد طاہر نام تھا اصفہان کے رہنے والے تھے۔ نہایت علم دوست اور نیک طینت تھے مگر ظرافت اور ہزل کا طبیعت پر اسقدر غلبہ تھا۔ کہ بعض بعض کفر کے کلمے بھی ان کی زبان سے اسی ظرافت میں نکل جایا کرتے تھے۔ اسیوجہ سے لوگ ان کو حاجی کافر کے نام سے یاد کرتے تھے۔ نمونہ ظرافت

نوشتم نامۂ سویت نہانی — کہ غیر از سار بانش کس نہ داند
میانِ من و تو رمزی است پنہاں — کسے داند کہ اشتر میچراند

کافر ٹپکہ۔ میر علی نقی نام تھا۔ قوم سے سید اور نہایت صحیح النسب تھے۔ سپاہی پیشہ تھے زمرۂ ملازمین میں دربار محمد شاہی میں عمر بسر کرتے تھے۔ جب شعر کہتے تو ہزل اور ظرافت کی چاشنی ضرور دیتے۔ اور جب سناتے تو کہتے کہ جناب شعر نہیں ہے ٹپکہ ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کا تخلص ٹپکہ مشہور ہو گیا تھا۔ میر صاحب کے دلی دوست تھے۔ عجیب خوش مذاق تھے پہلے جب فارسی شعر کہتے تھے تو تسکین تخلص فرماتے تھے۔ پھر اسکو چھوڑ کر جنوں کرنے لگے اس کے بعد جاوید خاں خواجہ سرا کی سرکار کے نمک خوار ہوے تو کافر تخلص اختیار کیا۔ ایک روز میر صاحب کے پاس بیٹھے ہوے تھے میر صاحب کہنے لگے کہ تم فارسی اور ہندی تو کہہ چکے اب مزا تو یہ ہے کہ عربی کہا کرو اور کافر کو چھوڑ کر ملعون تخلص رکھو۔ یہ سنکر

بہت ہنسنے ایک رباعی بطور نمونہ کلام درج کرتا ہوں۔

کیا پھرتی ہے میکدہ میں مٹکی مٹکی — زاہد عابد سے دور پھٹکی پھٹکی
قاضی کا نہ ڈر نہ محتسب کا کافر — یہ دختر رز بھی جس سے اٹکی اٹکی

کافر نام جلال الدین تھا ناصر الدین غزنوی کے بیٹے تھے۔ ایک زبردست ظریف اور ہزل دوست تھے۔ اشعار میں بھی وہی رنگ ہوتا تھا۔ ایک شخص جو نہایت کنجوس تھا اُس کی ہجو میں یہ شعر کہے تھے۔

پدرش گر بنانش دست برد — پسرش گر بخوانش در نگرد
بہ برد زود دستہائے پدر — بکند چست چشمہائے پسر

کالے صاحب نامی ضلع شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے نظیر اکبر آبادی کو کلام دکھایا تھا۔ کم اوقات غریب آدمی تھے مگر ظرافت کے پتلے تھے۔ ظریفانہ غزلیں نظمیں بہت سی کہی تھیں مگر چونکہ زمانہ نے قدر نہ کی وہ سب ضائع ہو گئیں کچھ شعر جو ایک دوست کے حافظہ میں محفوظ تھے مجھ تک بھی پہونچ گئے۔

میں کہا پاس تو آ میرے تو اے ماہ جبیں — تو کہوں حال دل اپنے کا میں اے لعبت چیں
لیکے دل تو نے نہ دیکھا یہ مرا حال حزیں — ہنسکے کہنے لگی دل تو نے دیا کس کے تئیں

میں کہا کھا تو قسم کہنے لگی چل جھوٹے
میں کہا چل مرے گھر کہنے لگی کتنی دور — میں کہا چار قدم کہنے لگی چل جھوٹے

میں کہا رو دیا بہت ہوں کوئی شاہد لا — میں کہا چشم ہے نم کہنے لگی چل جھوٹے

جی میں مرے بیٹھے بیٹھے آیا — چل یار کے گھر کسی بہانے
زنار پہن کے قشقہ کھینچا — لے ہاتھ میں پوتھی کوئی جانے
کاشی سے ابھی نئے ہیں آئے — جو کہئے کسی سے سو وہ جانے
القصہ میں اس گلی میں جا کر — آواز بدل لگا لگانے
پنڈت ہوں شگن بچاتا ہوں — اشلوک کے یاد ہیں فسانے
یا پاس کھڑا نہ ہونے دیتا — یا آپ لگا مجھے بلانے
تب ہاتھ میں ہاتھ لیکے بندہ — سچ جھوٹ اُسے لگا بتانے
روٹھا ہے جو یار وہ تمھارا — تم جاؤ اگر اُسے منانے
وہ آئے اگر تمھارے گھر پر — دولت سے لگے اُسکے ساتھ آنے
پرکھا مری بات کو وہ چالاک — معشوق تو ہوتے ہیں سیانے
کہنے لگا پھر وہ مجھسے ہنسکر — بھیجا ہے تجھے آج بے حیانے
کھسکا دبے پاؤں پھر تو بندہ — جی مفت بچا لیا خدا نے
پہچانتا گر وہ مجھکو قاتل — تو آج لگی تھی جان ٹھکانے
یہ پیچ کی باتیں من سے کالے — کیوں لہر میں آئے ہو دوانے

ظرافت کے ساتھ ساتھ فحش گوئی کا بھی چسکا تھا مگر وہ ایسی نہیں ہیں کہ ان کو پڑھا جائے اور اس سے تنغص کی بجائے تفریح ہو لہذا نظر انداز کرتا ہوں۔

کٹر۔ عرف محمود۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ ایک غزل نمونہ کلام کے لئے لکھی جاتی ہے اور نہ نام معلوم ہے نہ کسی تفصیلی حال سے اطلاع ہے۔

ساقیا تجھکو قسم ہے کالئے استاد کی — ایک کبھی سے غبر لے اس دل ناشاد کی

کالی بوتل سے پلا دے جلد اک جام شراب
کیوں خبر لینا بخوبی ہے مجھے حساد کی

گڈیاں پیچھے لگی ہیں قفل ہے آگے پڑا
پائجامہ کی وضع تھی نئی ایجاد کی

اسقدر کافی نصیحت ہے یہ کٹر کی سنو
چھوڑ دینا اب روش اس بغض بے بنیاد کی

کٹ کٹار۔ غازی پور کے رہنے والے تھے اور ظرافت کا رنگ نہایت بہترین کہتے تھے مگر افسوس کہ کسی طرح کلام دستیاب نہ ہو سکا۔ مکرمی شاہ نذیر صاحب ہاشمی نے وعدہ بھی فرمایا۔ مدتوں منتظر بھی رکھا۔ مگر وہ وعدہ وعدہ ہی رہا تا اینکہ آج مجھے تذکرہ میں صرف ان کے نام پر قناعت کرنا پڑی۔

کشنیز۔ بدایوں کے رہنے والے اور میر کشنیز کے نام موسوم ہیں۔ مگر دراصل واقعہ یہ ہے کہ اس نام سے ایک فرضی دیوان طبع کرایا گیا ہے۔ اس کے مصنف غالباً ایک اور صاحب ہیں جنھیں میں جانتا ہوں مگر چونکہ کسی مصلحت سے انھوں نے دیوان کو اپنے نام سے مدوّن نہیں کیا۔ اس لئے میں اُن کو ظاہر کرنا نہیں چاہتا۔ بہر حال انتخاب دیوان یہ ہے۔

تیری قدرت ہی سے پانی بھی ہوا دو ٹکڑے
پشت پر نیل کے موسیٰ نے جو سونٹا مارا

ہنہناتا ہوا بھاگے گا زبس طائر روح
موت کا جب ملک الموت نے کوڑا مارا

توڑ دی پشت عدو میں نے پکڑ کر گردن
کہہ کے یا قادر و قیوم جو گھونسا مارا

بال گر جائیں گے اڑ جائیگی طبلی کشنیز
ملک الموت نے جب چاند پہ جوتا مارا

ہم نے محفل سے تری غیر کو ٹلتے دیکھا
یعنی شیطان کو جنت سے نکلتے دیکھا

اب خدا جانے وہ کھٹمل تھے کہ دل کے ٹکڑے
جوتیوں سے انھیں کچھ تم نے مسلتے دیکھا

وعدۂ وصل کبھی یار کا پورا نہوا
روز گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے دیکھا

غیرت لالٹین رشک چراغ
یار کیا خوش جمال ہے میرا

میں نے بوسہ لیا تو روئے کیوں
تم بھی چومو یہ گال ہے میرا

ان کو میں نے چھوا تو بولا غیر
اے میاں اے یہ مال ہے میرا

اُن کو لڑوا دیا رقیبوں سے
اک یہ ادنیٰ کمال ہے میرا

سب خمیری چپاتیاں میری
پر یہ اک شیر مال ہے میرا

دیکھو پردیس کو وہ یہ کہتے ہیں
منھ کا تھوکا اگال ہے میرا

ایک دن کا ذکر ہے یہ ایک دن کا ماجرا
اک رقیب وسیہ نے مجھسے آکر یہ کہا

کون سامنے کیا ہے جرم جسکی وجہ سے
وہ پئے آزار ہے دنیا کا ہر چھوٹا بڑا

کوئی بتلاتا ہے مجھکو بدخصال و بدمعاش
کوئی بتلاتا ہے الو کوئی کہتا ہے گدھا

کوئی بتلاتا ہے غنڈا کوئی کہتا ہے ذلیل
کوئی بتلاتا ہے شہدا اور کوئی چرکٹا

کسکو کیا میں نے کہا ہے کب ہوا کسکے خلاف
کسکا میں نے کیا بگاڑا ہے لیا کسکا ہے کیا

میں یہ بولا ہیں تو سب اچھائیاں تم میں مگر
بات اتنی ہے کہ ہو سو.... کے.....

کچھ خبر بھی ہے تجھے او مست خواب
غیر بوسے لے رہا ہے بے حساب

یہ حرمزدگی تو اُن کی دیکھئے
خط طغرا میں لکھا خط کا جواب

کبھی نخرے کی چڑھائی ہے کبھی غمزہ کی
وصل کی رات ہے یا فتح تمہاری کی رات

لیں بلائیں کبھی سرکی تو کبھی قدموں کی
لیلۃ الوصل بنی روبلیات کی رات

جا کے تھانے میں رقیبوں نے لکھائی ہے رپٹ
کہ ستاتا ہی ہمیں یار بہت ہے نٹ کھٹ

اپنے چہرہ سے اٹھایا جونہی اُسنے گھونگھٹ
بھتنیاں لینے لگیں سر کی بلائیں چٹ چٹ

جل رہے ہیں طپش عشق سے لاکھوں عاشق
یہ گلی ہے تری ظالم کہ کوئی ہے مرگھٹ

رہ الفت کی خرابی سے میں بچتا کیونکر
کھا کے ٹھوکر جونہی سنبھلا تو گیا پاؤں پھٹ

کسقدر حضرت کشنیز بھی ہیں شوخ مزاج
نام معشوق کا رکھا ہے میاں پرجاپٹ

ستیاناس ہو رقیبوں کا
ہیں یہی اس لڑائی کا باعث

ہے وہی قفل اور وہی کنجی
پھر نہ کھلنے کا کیا ہوا باعث

جوتے پڑتے ہیں کیوں تڑاق تڑاق
کوئی موجب سبب خطا باعث

کہتے ہیں کیا یار نے دنیا سے سفر آج
بے پر کی اڑائی ہے رقیبوں نے خبر آج

دینا ہی جواب انکی دریدہ دہنی کا
کرنا ہے حسینوں کو مجھے شہر بدر آج

جوتی ہے نہ ٹوپی ہے نہ کپڑا ہے بدن پر
لی حضرت کشنیز کی لونڈوں نے خبر آج

کیوں چڑھے آتے ہو تم خرس بیاباں کی طرح
بات کرنا ہی کرو دور سے انساں کی طرح

آپ کا خرچ چلے غیر سے رشوت اینٹھوں
بیٹھنے دیجئے دروازے پہ درباں کی طرح

ڈورے ڈالے ہیں رقیبوں نے مٹھائی دیکر
پیچ در پیچ ہیں وہ سنبل پیچاں کی طرح

سنکے اشعار وہ کشنیز کے فرماتے ہیں
کھیت میں نظم کے ہل جوتا ہی دہقاں کی طرح

قابو میں طبیعت رہے یہ ہو نہیں سکتا
جب ایک ہی خانہ میں رہیں مادہ و نر بند

گھیرے ہوئے بیٹھے ہیں نکیرین لحد میں
جاؤں تو کہاں جاؤں ادھر بند ادھر بند

کہتے ہیں شبِ وصل وہ شرمیلی ادا سے
لا دو مجھے پنجاب سے ریشم کا کمر بند

قیمت بتا رہے ہیں وہ بوسے کی دس ٹکے
کیا کیا ہے اُن کو اپنے خریدار پر گھمنڈ
کشنیز ہمکو اپنی ٹھٹیا پہ ناز ہے
اس شہسوار کو جو ہے رہوار پر گھمنڈ

پھنسے بیطرح آکے وہ میرے گھر
نہ بچنے کا موقع نہ جائے مفر
اسی دھن میں رہتے ہیں شام و سحر
کہ چڑھ جائے ہتے کوئی سیمبر
گئے میر کشنیز جب اُن کے گھر
مٹھائی کے بدلے کھلائی مٹر
پٹا میرے دھوکے میں کل شب رقیب
بلا بوزنہ کی طویلے کے سر
حسینوں کے بوسے ٹکے سیر ہیں
اسی پر وہ کرتے ہیں اپنی گزر
مزے سے گزرتی ہے قلاش کی
نہ چوروں کا کھٹکا نہ رہزن کا ڈر
مزا تیرے بوسے میں آلو کا ہے
نہ کچھ اسمیں گڑ ہے نہ اسمیں شکر
طلاق انڈین لیڈیوں کو دیا
کہ اک میم کشنیز ڈالی ہے گھر

ملا ہے قسمت سے خوب جوڑا بٹیر تیری مرا کبوتر
نیا تعلق نیا ہے رشتا بٹیر تیری مرا کبوتر
ابھی تو نام خدا ہیں کمسن ابھی ہیں شرم و حجاب کے دن
مگر کہانتک کرینگے پردا بٹیر تیری مرا کبوتر
یہ اُسکی پیاری وہ اسکا پیارا یہ اسکی عاشق وہ اسکا شیدا
وہ آن مجنوں یہ شان لیلیٰ بٹیر تیری مرا کبوتر

اُسکے گانے کی سنتے ہی آواز
بزم میں سب لگے بجانے ساز
کبھی اوپر ہیں ہم کبھی نیچے
خوب ہیں دہر کے نشیب و فراز
تھام کر رہ گیا میں دل اپنا
نظر آیا جو وہ بت طناز

یعنی اندر سبھا کے ناٹک کے — باب اول کا ہو گیا آغاز
ہم نے دل نذر کر دیا فوراً — اُسنے جب کاٹنے کو مانگی پیاز
اسی بندوق ایک نالی سے — میر کشنیز مار لائے قاز

کل جسنے جوتیوں سے حجامت بنائی تھی — پھر لیچلا ہے دل اسی بیباں شکن کے پاس
دو بیبیوں میں ہے مری دولت بٹی ہوئی — کچھ اس دلہن کے پاس ہے کچھ اس دلہن کے پاس
کشنیز اسکی بے دہنی پر نہ جا یہو — گز بھر کی اک زبان ہے اُس بے دہن کے پاس

شہر میں کہنے لگے سب مجھے مسٹر کشنیز — دی تھی اسپیچ جو کل ہال میں مینے پر جوش

ان کو اگر ملال ہے میرے وصال کا — تربت پہ میری ڈھول بجانے سے کیا غرض
ساقی نہیں کلال نہیں پیر مغ نہیں — ان کو شراب وصل پلانے سے کیا غرض
کچھ لام لام زیر سمجھتے ہو تم مجھے — آخر مرا مذاق اڑانے سے کیا غرض
وہ چاہتے ہیں گانٹھ کا پورا نظر کا پٹ — اندھے سے کام ہے انھیں کانے سے کیا غرض

دشمن و دوست میں کچھ فرق سمجھتے ہی نہیں — انکی نظر میں تو سب ایک ہے کھائی خندق
بزم میں دیکھا جو کشنیز کو بیٹھے تو کہا — کیسا بندر کی طرح بیٹھا ہے الو احمق

مڑ دیئے ہاتھ دشمن نے یہانتک — کہ چکنا چور کر دیں چوڑیاں تک
رقیبوں نے کیا پت جھاڑ انکو — چرا کر بیچ آئے پاندان تک

وہ یہ کہتے ہیں ترے گھر میں چلوں گا تیرے سنگ
اور مرے گھر نہ چٹائی نہ تپائی نہ پلنگ

دونوں رخساروں پر جم آئے بال
ہو گیا ختم اُن کا حسن و جمال

رکھ کے موٹا سا دوش پر ڈنڈا
میر کشنیز چلدیئے سسرال

یار کی گالیاں دو رنگی ہیں
بعض میٹھی ہیں بعض کھٹی ہیں

کہیں فقروں میں آنیوالی ہیں
وہ بھی شیطان کی بھتیجی ہیں

ہے بڑھاپے میں شوق حوروں کا
شیخ جی کیا ہیں شیخ چلی ہیں

اللہ اللہ ایسی نافہمی
جیسے ہم دودھ میں کی مکھی ہیں

نہ مرغی ہے نہ مرغا ہی نہ بچا ہے نہ انڈا ہے
تمہارے پاس ہے ہی کیا فقط ڈھانچا ہی ڈھانچا ہے

نہ لیٹو کھڑے رہ کے گھٹنے مریجاں
کہ اُدھڑی ہوئی ہے سیانی تمہاری

ذرا سر کشنیز پگڑی سنبھالو
کہ اب سر پہ جوتا پڑا چاہتا ہے

وصل کی رات انھیں چین سے سونے نہ دیا
جب ذرا آنکھ لگی ناک میں بتی کر دی

وصل کی رات بھی شوخی سے وہ باز آئے
پیتے پیتے کشنیز کی چٹنی کر دی

جب چلے دنیا سے دامن جھاڑ کر
شیخ کی داڑھی اوپچ کر رہ گئی

عشق میں صورت ترے کشنیز کی
گھٹتے گھٹتے مثل بندر رہ گئی

خون عفت کا ہوا شیشۂ عصمت ٹوٹا — آپ نے غیر سے ملنے کا نتیجا دیکھا
چوما چاٹی ہی اگر رہتی تو چنداں غم تھا — رنج اسکا ہے انھیں دشمن نے لکھا کر دیا
جام وصال کے عوض پوست اعطا کیا — موت کا تھا مقدمہ ڈگری ہوئی بجا کر

کمترین — ان کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ میر حسن اور میر تقی میر دونوں نے اپنے اپنے تذکرہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ مگر نام نہ انھوں نے لکھا نہ انھوں نے۔ میر حسن نے لکھا ہے کہ ایک شخص نوکری پیشہ نواب عماد الملک کی سرکار میں ملازم تھا۔ اور اپنی استعداد کی موافق شعر خوب کہتا تھا۔ میر تقی میر لکھتے ہیں کہ ہزل کی طرف اُسکے مزاج کا میلان بہت زیادہ تھا۔ کمترین نے ایک شہر آشوب بھی لکھا ہے جس کے یہ چند شعر تذکرہ میر تقی میں درج ہیں۔

نو خصم گن کر مشلچن نے کئے — تو بھی نہیں رہتی دوشاخہ بن دیئے
پلائیں مفت نصرانی کو تاڑی — اگاڑی اصطبل کے جا بچھاڑی
یہ متصدی نہیں ملتے اگر بھانڈ و نسے راتوں میں — تو کیوں پیسے کماتے ہیں یہ نقلیں کر براتوں میں
دیکھو پکوان والی کی مزاخیں — خصم کے روبرو دیتی ہی شاخیں
تم بادشاہ پسند ہو ہم کمترین پیارے — کے بیر ہمکو دوگے نازک بدن پیارے

کمن — ایک بھنگیڑن کا تخلص یا نام ہے جو بازار بھر تیور میں بھنگ گھونٹتی تھی اور شب و روز مست رہتی تھی قدرت کی فیاضی نے طبیعت موزوں عطا کر دی تھی جو کچھ کہتی تھی خوب کہتی تھی۔ ایک شعر اس کا ملتا ہے۔

اے بوا میں نہوئی حضرت شبیر کے ساتھ — زہر دیدیتی موے شمر کو بس کھیر کے ساتھ

کوثر سید محمد حسین نام ہے لکھنؤ وطن ہے۔ ابتدائے عمر سے شعر و شاعری کا شوق دامنگیر رہا۔ اول اول کچھ غزلیں منشی بالکرشن صاحب قمر لکھنوی تلمیذ امیر مرحوم کو دکھائیں۔ اس کے بعد راقم الحروف سے مشورہ سخن کرتے رہے اور اب تک جب کوئی غزل کہتے ہیں تو سنا دیتے ہیں۔ اوائل میں نہایت خوش طبع رنگیں مزاج تھے۔ ظرافت سے طبیعت کو ایک خاص قسم کا لگاؤ تھا۔ اسی لئے ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔ عطاری کی دوکان کرتے تھے۔ جہاں شہر کے اچھے اچھے نامی گرامی شعراء کا مجمع رہتا تھا۔ ہر وقت شعر گوئی اور شعر خوانی ہی کا مشغلہ تھا۔ بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ اور خود بھی ماہوار مشاعرے کیا کرتے تھے۔ اردو ادب سے خاص دلچسپی تھی۔ اگرچہ علم کی تحصیل بہت معمولی تھی مگر اساتذہ فن کی صحبت نے ضروریات شعر سے باخبر کر دیا تھا۔ ایک دیوان رنگ قدیم میں کہہ کر جمع کر لیا تھا۔ مگر افسوس کہ عین شباب کے عالم میں مصیبت کا پہاڑ پھٹ پڑا۔ جس نے تمام لذتوں سے محروم کر دیا۔ کچھ امراض پیدا ہوئے۔ اسی میں آشوب چشم ہوا بینائی نے جواب دیدیا۔ اور تمام عیش و سرور پر پانی پھر گیا۔ کوئی حکیم و ڈاکٹر باقی نہ رہا کہ علاج نہ کیا ہو۔ مگر بالاتفاق سب نے جواب دیدیا کہ مرض لاعلاج ہے اب گوشۂ انزوا میں پڑے ہوئے اللہ اللہ کرتے ہیں۔ اور زندگی گزار رہے ہیں۔ ترتیب تذکرہ کے وقت یہ شعر دیئے تھے جو درج کرتا ہوں۔ روز شام کو میرے پاس آتے ہیں اور تھوڑی دیر غم تراشی کر کے چلے جاتے ہیں۔ عمر تقریباً ۳۲-۳۳ سال ہو گی۔

تمہاری فارغ البالی کا کیا کہنا ہے اے بھائی
بنے پھرتے ہو چھیلا سے نہ پوچھیں ہیں اڑتی ہے

الٰہی کس طرح نکلے گی آخر وصل کی حسرت
وہاں نازک فطرت ہے اور یہاں اک آنکھ کا ٹکا ہے

ہمارا اور تیرا ساتھ کیا ہوگا بھلا واعظ
تیرے قدحے میں زمزم ہے مرے کلہڑ میں تاڑی ہے

ہوس سے آج خالی کوئی پیر انہیں ملتا
وہ کیلا ڈھونڈتا ہے اب جسے کھیر انہیں ملتا
لبوں سے ان بتوں کے ایکدن لذت نہیں پاتا
وہ مکھی ہوں جسے بازار میں شیر انہیں ملتا

چلاتے ہیں ستم کے تیر سب پر حکمراں ہوکر
خدائی فوجداری کر رہے ہیں وہ جواں ہوکر
پھر رہی ہے تری شمشیر جفا اے قاتل
اک جہاں میں ملک الموت کی اماں ہوکر
طائر دل نے بہت رنگ دکھائے انکو
کبھی الو کبھی مرغا کبھی ٹیاں ہوکر
نقد دل ہار دیا ہم نے جوئے خانے میں
پھر گئی آنکھ فسوں ساز کی ٹیاں ہوکر

اللہ نے بیرحم کے ڈالا مجھے بس میں
دم کاٹ کے صیاد نے رکھا قفس میں
تیغ ستم کا کوٹ سے لیسنس لیجئے
چالان ہوگا ورنہ کسی روز آپ کا
رہتا ہے اسکی دم میں کوئی خط بندھا ہوا
اڑتا ہے جب کبوتر پاموز آپ کا
دنیا نہائی چشمہ فیض کرم میں آہ
میں ہی نہیں شرف اندوز آپ کا

کودن ۔ عبدالعلیم نام تھا سنہ میں جب راقم الحروف فتحگڈھ مکٹیسر میں رہتا تھا تو ان سے ملاقات ہوتی تھی ایک صوفی درویش منش آدمی تھے اساتذہ سلف کے ہزاروں ظریفانہ اور عاشقانہ شعر یاد تھے۔ شعر و شاعری سے اتنا شغف تھا کہ میں نے جب کبھی ان کو دیکھا شعر ہی پڑھتے ہوئے دیکھا۔ خود بھی شعر کہتے تھے مگر مزاج میں شوخی اتنی تھی کہ ہزل کا رنگ اختیار کرنا پڑا تھا۔ کچھ شعر یاد ہیں درج کرتا ہوں۔

جب سے ہوئے قلندر اور چاند بھی گھٹائی
جس خوبرو نے دیکھا اُسنے چت چھائی

یہ لیلی اور شیریں دونوں ہیں بہنیں بہنیں
فرہاد اور مجنوں دونوں ہیں بھائی بھائی

کل بزم میں کچھ آنے کی اسطرح دکھائی
جب ہمکو چین آیا جب جا کے کھیر کھائی

چھاج مانگے ہے مصور بھینس ابھی بھائی نہیں
اس لئے تصویر جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

سب ہجر میں تمہارے نالے ہیں عاشقوں کے
بلی کی میاؤں میاؤں کوؤں کی قاؤں قاؤں

گڑ میں ملا کے مجھکو وہ زہر دے رہے ہیں
لے دوستاں بتاؤ میں کھاؤں یا نہ کھاؤں

کھونٹا ۔ مجھے ان کا نام اور پتہ معلوم نہیں۔ مگر مرزا واجد حسین صاحب یاس نے اُن کے ایک دو شعر سنائے اور بتایا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ یا ہیں۔ بہر حال میں نے سخت کوشش کی کہ اور کلام ملے یا نہ ملے کم سے کم ان کا پتہ ہی معلوم ہو جائے۔ مگر ناکام رہا۔ بلکہ معلوم ہوا تو یہ معلوم ہوا کہ یہ میرٹھ کے رہنے والے ہی نہ تھے۔ بہر حال یہ تخلص ہے اور یہ اُن کے کلام کا نمونہ ہے۔

ہائے تجھ بن چارپائی بھی ہے چپ
آج وہ آواز چرخ چوں نہیں

ہم نہ کہتے تھے کہ ہرگز ان قیبوں سے نہ مل
لے کمانے کھانے کا بھی ٹھیکرا جاتا رہا

حرف گاف فارسی

گرم ۔ مظفر علی خاں نام تھا رام پور کے رہنے والے تھے صاحب تذکرہ گلستان سخن نے ان کو ظریف لکھا ہے ۔ ایک شعر بھی ظرافت کے رنگ کا نمونہ ہی ممکن ہے کہ اور کلام بھی اس رنگ کا ہو ۔

حال عاشق کبھی پوچھے نہ ملائے چشم آنکھیں کیا چرنے گئیں ہیں تری اے آہو چشم

گمنام ۔ شیخ احسان علی نام تھا ہاپوڑ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے شیخ صاحب مرحوم عمر بھر ایک ممتاز عہدہ سرکاری پر متعین رہے جب پنشن لیکر آئے تو ہاپوڑ میں منشی ابن علی مرحوم کے دم سے شعر و شاعری کا چرچا تھا ۔ اور انھیں کی مساعی جمیلہ سے شعر و سخن کا بازار گرم تھا ۔ مقامی شعراء کے علاوہ میرٹھ اور دوسری (دوسری) جگہوں سے بھی شعرا آتے اور یہاں کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے ۔ شیخ صاحب بھی بعض بعض صحبتوں میں شریک ہوتے اور للچائی ہوئی نظروں سے شاعروں کو دیکھتے تا اینکہ ایک دن جاڑے کی شدت سے سورج بھی افق مشرق میں کانپ رہا تھا ۔ شیخ صاحب ایک لوئی اوڑھے ہوئے منشی ابن علی مرحوم کے مکان پر پہونچے اور سب سے پہلے آغاز کلام اسی جملہ سے کیا کہ بھئی رفیق میں تو سمجھتا تھا کہ شاعری بھی ایک دشوار اور مشکل الحصول فن ہے مگر آج تو یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں رفیق مرحوم نے کہا کہ چچا بھلا آپ کی قابلیت کے سامنے شاعری کیا چیز ہے کیا آپ نے

بھی آج کچھ نظم فرمالیا۔ رفیق مرحوم نے یہ چلتے اسوبے سے کہے کہ شہر کے شعراء میں ایک
کہنہ مشق شصت سالہ سخنگو کا اور اضافہ ہوا۔ چنانچہ شیخ صاحب نے کہا کہ لو ہاتھ
کنگن کو آرسی کیا۔ فوراً اپنی رات کی کہی ہوئی غزل سنا دی جس کا ایک مصرع مشرق
اور ایک مغرب کی خبر لا رہا تھا۔ ایک مصرع ایک فٹ کا تھا تو ایک ایک انچ کا۔
سراپا ناموزوں۔ رفیق مرحوم نے ہنسی کو ضبط کیا دل میں خوش ہوئے کہ ایک
سامان تفریح ہاتھ آیا۔ داد دی۔ اور ایسی داد دی کہ شیخ صاحب بھی خوش ہو گئے
پھر کیا تھا دو پہر تک قصبہ بھر میں شہرت ہو گئی۔ دنیا غزل سننے کے لئے چلی آ رہی ہے
اور شیخ صاحب کو داد اور مبارکباد دے رہی ہے شیخ صاحب ہیں کہ اس افتخار
پر پھولے نہیں سماتے۔ سلام کے لئے ہاتھ تک نہیں اٹھاتے۔ کہتے ہیں تو یہی
کہتے ہیں کہ ہم تو سمجھے تھے شاعری بڑی مشکل چیز ہے۔ مگر لاحول ولا۔ واللہ
کچھ بھی نہیں آخر کار فکر ہوئی کہ آپ کا تخلص کیا رکھا جائے عجیب و غریب
شاعر کے لئے انوکھے انوکھے تخلص بھی تجویز کئے گئے۔ مگر خرابیاں بھی نکلتی رہیں
اور مسترد ہوتے رہے۔ آخر (گمنام) کی قسمت میں یہ شرف لکھا ہوا تھا کہ اس
پیر کہن سال کہنہ مشق کا تخلص قرار پائے۔ اب کیا تھا غزلوں کا تانتا بندھ گیا
اور یکے ہی رد و دیگرے ہی آید کی مصداق بالکل صادق آ گئی۔ احباب کے
مجمع میں تجویز ہوئی کہ (چچا) کا کلام ضائع نہ ہونے پائے چنانچہ کلام کے جمع
کرنے کی تاکید اکید عمل میں آئی۔ گمنام صاحب جو (چچا) کے بزرگ خطاب سے
شہر بھر کے مخاطب تھے ہاپڑ کے بڑے بڑے مشاعروں میں شریک ہوتے رہے۔
راقم الحروف بھی جب ہاپوڑ جاتا اور بدنصیبی سے ملاقات ہو جاتی تو اس روز
پہروں کلام سننا پڑتا۔ ہاپڑ کے عظیم الشان مشاعرے کا زمانہ آیا اور چچا صاحب
نے بھی تیاریاں کیں چنانچہ عین مشاعرے میں انجان شاعر آپ کی شاندار سفید داڑھی

کو دیکھکر خدا جانے اپنے دل میں کیا کیا کہہ رہے تھے کہ آپ نے غزل پڑھنی شروع کی
اب تو مشاعرے کی رنگت ہی بدل گئی۔ مہذب لوگوں نے کسی نہ کسی طرح قہقہے کو روکا
اور ہمہ تن داد دینے میں مشغول ہو گئے۔ اور جن سے ہنسی ضبط نہ ہوئی انھوں نے
ظریفانہ داد دینے میں دل کی بھڑاس نکالی۔ چونکہ لوگ اکثر خاموش تھے مجمع احباب
کا منگار۔ آپ ہاتھ میں رومال لئے دونوں ہاتھوں سے دور دور یہ سلام لیتے ہوئے
چلے جا رہے تھے چار پانچ سال کا عرصہ ہوا کہ انتقال کیا۔ اور صحیح گمنام ہو گئے
آپ کے کلام کی ظرافت یہی ہے کہ اس کے مصرعوں کو دیکھئے اور اس کی
ناہمواری سے لطف اٹھائیے اور برابر والی الابل کیف خلافت پڑھتے جائیے
نمونہ کلام میں وہ غزل لکھی جاتی ہے جو ہاپوڑ کے سنہ ۱۵ یا ۱۴ - کے عظیم الشان
مشاعرے میں پڑھی گئی تھی۔

اے زیب تاج خلافت تمھارے نور سے سر پہ عرش محلل ہو گیا
اسم اعظم دافع رنج و محن شرک و بدعت کا قائل ہو گیا
ازل سے دل ہمارا رخ انور پہ مفتون و مائل ہو گیا
اس مضغۂ گوشت کو کواکب پہ رتبۂ فوق الفوق حاصل ہو گیا
صفحۂ مردمک چشم مضموں رخسار کی منزل ہو گیا
داغ جبیں سائی جانبازاں کا اکلیل مکلل ہو گیا
ہمنے نقد جان و مال وقف منظر کر دیا افلاس کامل ہو گیا
لطف و کرم سے مرتبہ الفقر فخری کا خوب حاصل ہو گیا

ہماری تپ مفارقت کے معالجہ کو یہ نسخہ مکمل ہو گیا
رخ پر نور کی طباشیر جبیں کا تل دانہ ہیل مندل ہو گیا
تنگدستی سے ہمارا لحاظ بنظر خلافت مستبدل ہو گیا
اے رحمت عالم اب تو مکافات زشتی عمل ہو گیا
حاصل ہو لیاقت نعت کی دبیر چرخ کو غیر ممکن ہے
یہ فخر ازل سے گمنام ناک خیال کو حاصل ہو گیا

Date.....
ALIGARH.
MUSLIM UNIVERSITY

حرف لام

لا اعلم ۔ اس گوشۂ گمنامی میں رہنے کے باوجود بھی آپ اتنے مشہور معروف ہیں کہ ہر شخص آپ کو جانتا پہچانتا ہے اور دل سے آپ کے کمالات کا معترف ہے آپ کے چند شعر درج کرتا ہوں۔ سب سے پہلے ایک واکھوسٹ (واسوخت) سنئے جو پورب کے گنوار اور دیہاتیوں کی زباں میں کسی نے کہا ہے اور اس عمدگی سے کہا ہے کہ جواب نہیں ہے افسوس کہ باوجود تلاش بھی یہ پتہ نہ چل سکا کہ اس کے لکھنے والے کون صاحب ہیں۔

کاکی کہو لالا کے کار کہت چیت رہے — گاؤں ماں جائے کے کنکوت کھیت رہے
آپ پیٹھ ہم اسامین کا سدا دیت رہے — اپنے مہتوں سے بخر بھیٹ بھی لے لیت رہے
کاہے جرجائے کر بیج اپ نہ تما کو ہوئے کے
نیہہ کی جھونجھ ماں ہم بیٹھے ہیں الو ہوئے کے

جو کہی تم تے وہی ست گجو دھر جا نیو — ہمکا منئی نہ کھیو منئی کا ماجھ جانیو
تمکا نائب کیا آپن تم اپن گھر جا نیو — اس کھیو کام نہ اب آپ کا لو کر جانیو
کھرچ کی اور سے تنگی نہ دیہو تم انکا
تمکا سونپت ہے رکھیو چین سے ٹھکرائن کا

جیو تو بیاکل ہے بہت کاکی اب اپنی کتھا — پیت تو ہوت ہمارو گ ہے بس منئی کا
کھیمہ پر پرواماں جھوٹن تے سنا صاحب کا — کھوب بالن ماں ملا تیل کا جلیجمن اپنجا

دھر کے موڑے پہ چمکدار پیتر یا نکسن
جیسے تنجات ہے پھن کا ڑھ کے کریا نکسن

کالھ دوئی کوس پہ ان کا جو سنا سب سے مکام — جیو ماں آوا کہ کرن جائے صاحب کا سلام
چڑھ کے گھوڑے پر بٹے ٹھاٹھ سے تھا من جو لگام — گھوڑ کس ہینگ بھرس کا کہی تم نے کا نام

پاؤں دھر دین رکابن میں جو تھیلا ایسے
ہم چلے جات رہے راہ میں چھیلا ایسے

ایک بگیا ماں پڑی پال رہی کس بورت — بیٹھی اوماں رہی اک کامنی سندر مورت
ناب اب کا کہی بس رام دہے اس بھل صورت — ہم جو دیکھا تو رہی دورتے ہم کا گھورت

دھر کے کس بیچ دہس ہمرا کر بچن جیسے
میکوا کا ہے یہی ہے ناکہت ہن جیسے

پھر کہا ماں تاب ہی گھوڑ سے کودن جھم سے — من ماں یہ سوچ بھوا کیسے ملن جا جم سے
ہائے دیدی کہا اور بھوئیں ماں گرن بس دہم سے — ہوئے گئیں گست گجب بوڑ گوا جیو گم سے

میکوا حال یہ دیکھس تو بہت گھبراوا
بولا دوڑے کوئی ٹھاکر کو ہے مرچھا آوا

ہمری چھاتی ماں لگی سانس چلے جب گھر گھر — دوڑے گھر اج مہا پال بھون بلبھدر
گور مینچس کو وَ اور کو وَ سنگھاوا انتر — اور کو وَ یہ کس چیت ماں آو ٹھاکر

ہم مدا کو وَ جتن سے نہ جگائے جاگن
گر پڑا وا جو بہت پیٹ تلائے بھاگن

ہم تلائے جوگئن جب تو وہ چنچل بدکھاوَ — میکوا تے یہ کہس کا ہے رے باری ات آوَ
پال ہتے کھینچ کے پلنگا تنی باہر تو بچھاوَ — تو ہرے ٹھاکر کا تو ہم بوجھ گئن سب پھیناوَ

یہی پلنگا پہ جب اہیں تو بٹھائے باہر کا

اُن کے پھینین کا مجا کھوب چکھے با اُن کا

ہم تلاے سے پھرن باگ ماں پلکا پاوا — تب تو اوی چھیل چھلی کا تنک بلاوا
پاس بیٹھال کے اور نسے یہ ہم کہلاوا — تم تو بگیا ماں ہوا کھوب کرت ہو کھاوا
ہم کہا اُنسے کہن آنکھ سے لگی نہ کرو
میکو اکا ہے کہن ہنسکے دِ لگی نہ کرو

دوس تو بیت گوا ہمکا ہوئین باتن بات — جب گئے سورج اتھا اور تنک آئی رات
ہم کہا اُن تے کہ ہتو ہن اب گھر کا جات — بولی رہ چلنے کی کچھ ہوت نہیں ہے ملیکات
اس نہ تم نہکی نہک کو دُکا جیو جاریکے جاؤ
جی کے اب کا کرینے جات ہو تو ماریکے جاؤ

اُن کی آنکھن سے لگے آنس بہے جب جھر جھر — پھر تو تھامے نہ تھا جیو کا مسوسا ہو ہو
ہم کہا رو رو نہ جیو اپنا رہت ہے پھر پھر — ہاتھ چھاتی پہ رکھو آپ نے نکست جھر جھر
ہو سکت اب تو ہے اِتنے سے جاؤ سب کیسے
بن کیے تیرے بھلا گوڑا اٹھاوے سب کیسے

پھر تو بس ریجھ گئین بیٹھ ماں مکا مارن — اُٹھ کے پلکا سی گئین پال ماں دنیا بارن
ہانک کے ہمسے انگوچھے کا بچھونا جھارن — اور اسو مَن کی مہا کلا، ایسے ہم پر ڈارن
ہم کہا اُن تے کبھو کام نہ ایسا دیکھیو
کھرچ آپن نہ کبھو ساتھ ہے سیدھا دیکھیو

بولے تم روج ہمیاں کلہے کا آوا کریو — اور پھر روج نہ تم آئے کے کلہا کریو
ہمتو جانت ہیں کبھو منھ نہ دکھاوا کریو — بیٹھو بس تم یہی بکواس نچاوا کریو
میکو اپنے تئے جائے کے چوکا دیدے
دیدی کھٹیا ترے چیرا ہیں تو اوکا دیدے

میکو اپھیر کے منھ ہمری تریچھ دیکھنے لاگ — ہم کہا ہمری یہ مرجات ہی ساری بھاگ
چولھ آپن تو الگ ہاری کے اور لاے کے آگ — جا کر رہیا میں جو کا نڈل کا لے بھوبھر لے ساگ

ہم چھپت انکا کوئی باتن کی نکلیپھو نہ ہوے
ان کی دیدی سے نہ ڈر دیدی کوئی چینپھو نہ ہوے

سانجھ تو ہوے گئی اب جاے کے کریں اشنان — آگے نٹنا ہے یہی ہم کا بنت ہیں اوسان
آج کرمن ماں تو پوری کی لکھت ہیں بھگوان — سیر آٹھ ایک لہن کا ڈھولے تھیلا سے پسان

ہم اور تو دی منئی بھوکے ہوئے جیسے
پن پیاؤ کے لئے اتنی رکم ہوے جیسے

بانٹ پھر ساتھ کے منہین کا دیا ہم چھٹا — اور کہا گاؤں ماں تم جاے کے سینکو بھونرا
گھوڑ کا پیر تے باگ ماں بندھولے دیہا — آپ کو ئیاں گپئین جاے کے نہاوا دھووا

بستر پر جو پھرے کھوب لگا وا بیرا
ہم اور اوی دونوں جنے بیٹھ کے کھاوا بیرا

میکو اتنے میں چوکا سے کہس ہمسے پکار — آئے بھوجن کرو بٹھا کر ہے رسوئیں تیار
ہمتو چوکا ماں گئے اور دیہا پچھین کا اتار — گوڑ کا دھوے کے پھر بیٹھ گئے پلتھی مار

میکو اپرس دہس ساگ پوری جھٹ سے
ایک گھنٹے میں تو سر میٹ گئیں سب سٹ سے

پھر تو چوکا سے بھئن جھاڑ کے چوتر باہر — پیٹ پر پھیر کے ہاتھن کا ڈکارن ارار
پال ماں جا کے اڑاین تنی سٹ سٹ ازیر — گوڑ ھو پھیلا کے پھر پوڑھ رہن پلکا پر

اوی کہن آے کے لیٹیٹ جو بنے سوے رہی
تر چلو ٹھوڑ کر دہم بھی تنی سوی رہی

ٹھوڑ پائن تو گرے لاگ کے پھر سوے رہن — پھر تو اس سوئین کہ دونوں نہ جگاے جاگن

اوی مدا ہوت بھرے جو ذرا چیت بھئن — ٹینٹ ماں ہمری روپیا ہے لوٹن لاگن

ہم کہا کا کریہو بولیں جو پیتن پیتم
گوٹ لہنگا میں گرنٹے کی لگاتن پیتم

دس روپیہ رہیں بس ٹینٹ میں ہم کھو دیا — اور کہا لو پران آج سیاد لہنگا

پھر کہا اُن تے کہ ایہو جو بلیبا تم کا — بولیں ہم کا جنین یہ حال تو جانے دیدیا

سُن کے یو آنس تو آنکھن ماں تک بھر آئے
ہم مدا گھوڑے پہ اسوار بھئے گھر آئے

متفرقات لاعلم

دختر کو تو ال ظالم ہے — بیگنا ہوں کہ ٹانگ دیتی ہے

انگوٹھی تو یوں مفت پائی نہوگی — سناروں کو جب تک کھائی نہوگی

کنجڑن کی ایک چھوکری میں اسکو دیکھ چکا — وہ اسکو دیکھ بولی سر کی اتار لونگی

مالن کی تھی وہ بیٹی بیچتی تھی ساگ میتھی — سویا تھا پاس اُسکے جو چاہتی سو لیتی

دھوبن کی دوستی میں دل گھاٹ گھاٹ ہے — لہنگے کو جانتا ہوں کہ جمنا کا پاٹ ہے

دم دیکے دم کو لے لیا اسلام کو دیکھئے — دو آنہ پیسے دیکھئے اور ہمکو دیکھئے

وَہ ہجر میں تمھارے یہ پھٹ گیا کلیجہ — مَ مَ مدتیں گزر گئیں یہ پہ پاس تم نہ آئے

سَ سَ سر دکے پہ پہ پیڑ پر قَ قَ قمریاں قَ قَ قوں کریں
پہ پہ پادشہ کے مزار پر رَ رَ رنڈیاں رَ رَ روں کریں

یہ میری چیز ہے کیوں دل تمہیں نہیں دیتا — تمھارے باپ کی ہے جان بتلا دیجئے

یہ دختر رز حرامزادی مردار — مینا بازار کی ہے رہنے والی

ایک گھونسہ ایک مکا ایک جوتہ ایک لات — فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

اے مجھے میاں وصف تیری موٹی کمر کا — ہاتھی کی کمر پر قلم لٹھ سے لکھا ہے

مجھے دیکھو کہ میں بھی آدمی ہوں — جوانی کیا تمہیں پر پھٹ پڑی ہے

سمجھا کہ سر پر رکھ کے مرا چاک لیچلے — دوڑا کمہار شیخ کی دستار دیکھکر

چاندنی رات صنم چاند نرالا نکلا — رنڈیاں مر گئیں بھڑوا کا دوالا نکلا

شنیدم شیخ جی در ضعف پیری — بہت سی کھا گئے روٹی خمیری

صدائے گوز آمد چوں نفیری — بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری

کہ از بوئے دلا دیزِ تو مستم

تری الفت میں تو ہم نے لٹایا خاندان اپنا — تری الفت سے باز آئے اٹھالے پاندان اپنا

دختر درزن کا سینا دیکھکر — جی میں آتا ہے کہ ململ دیجئے

اب تو اے درزن ہمارے جامہ کو تیار کر — کام ہے مجھکو شتابی آذرا سینے لگ

دھوبن کی چھوکری نے کس گھاٹ جا اتارا — جب سے کہ کی ہے کندی تڑپے ہے دل ہمارا

لڑکی کمہار کی نے مشکا کے چشم وابرو — دل چاک کر دیا ہے پھرتا ہوں لوٹا لوٹا

گرڑن کی چھوکری سے میں نے کہا نہ بکری — کمری کیا محبت یہ کس نے بھیڑ ماری

جب سے دیکھا دختر تیلن کا تل — تل پہ تل خون جگر پینا ہوا

ت ت تم تو سنگدل ہو صبر کیسے آئے — ح ح چاہ میں تمہاری ڈڈ ڈبتا ہے یہ دل

دونوں رخسار عنایت کریں ایک ایک بوسہ — اب مرے واسطے سرکار سے چندہ بڑھائے

سو بوسے گر دیئے ہیں تو دس اور دیجئے — تسبیح میں ضرور ہیں دانے شمار کے

دھوبن کا کے بوسہ لیجے رخ خشک مکا کا — چندہ وصول ہوتا ہے صاحب دباؤ سے

سمجھکر طالب بوسہ بگڑ کر بولے دربان سے — یہ کیوں آتا ہے کہدو کیا یہاں خیرات بٹتی ہے

خال کو چوم کے بوسہ گل عارض کا لیا — میں حبش سے جو چلا جانب لندن نکلا

جو پہلے بوسۂ پستان یار لیتے ہیں
وہ دودھ پہ کی ملائی اتار لیتے ہیں

جب سے کہ انکی جالی کی محرم پسند ہے
سونے کی چڑیا چاندی کے پنجرے میں بند ہے

بند محرم کے کھلے ہیں اُس بت مغرور کے
اڑ گئی سونے کی چڑیا رکھ کے انڈے نور کے

قدرت خدا کی دیکھئے پستانِ یار میں
پیوند فالسے کا لگا ہے انار میں

چھوا سینہ تو بولے مسکرا کر
کہ پانچوں انگلیاں ہیں اب تو گھی میں

جوبن ترا بنا رہے انگیا میں اسطرح
جسطرح اپنی جھونپڑے کے اندر بیا ہے

رخ انور پہ اُن کے ہے عیاں خال
یہ بیڑھے دودھ میں مکھی پڑی ہے

نہ گھبراؤ اجی مرغ سحر سے
چراغوں میں ابھی بتی پڑی ہے

نہ کیوں ہو کم سنوں کی شربت دیدار میں لذت
مزا دیتا ہے جب پانی تلک بھی کوسے برتن میں

ہے شب وصل بولو آہستہ
چارپائی بھی کان رکھتی ہے

مدت کے بعد پائی ہے ہمنے شب وصال
رد چار سو برس تو الٰہی سحر نہ ہو

یاد آتی ہے جو ہر کسی متوالی کی
گو مسلماں ہوں کہہ دیتا ہوں اُسے کالی کی

تم کو لازم ہے پکڑو اب میرا
ہاتھ میں ہاتھ با محبت و پیار

خوب کر دایا اب تو مت کر دا
مجھکو رسوا یہ کوچہ و بازار

حکم ہووے تو آج ماروں میں
کھینچ کر پیٹ میں عدو کے کٹار

ہے یہی آرزو کہ ہم بھی لگیں
تیرے قدموں سے مثل رنگ حنا

خوب پکڑا حضور نے سر بزم
غیر کا ہاتھ مجھکو سمجھا کر

کیوں جھجکتے ہو جب میں ڈالتا ہوں
ہاتھ گردن میں پیار سے آکر

جی میں آتا ہے کہ رکھوں آپکے
عطر کا پھاہا لگا کر کان میں

ہولی خالی نہ جانے پائے بھائی
منھ کا ہے یہ حال جم رہی ہے کائی

ساقی کو یاد کر رہے ہیں سب رند — بل آنے پہ دیدیتے ہیں پائی پائی

بڑی بھنسار ہولی کی جو بھیا ہمرے سن پائن — بلوا بھیجے کے نوا کے ہاتھن ہمکا بلوائن
بڑی خاطر سے دست ہمرا پکڑ کے لیگئے بھیتر — بچھونا وہ رسوئیاں والے کے کمرہ میں بچھوائن
گلوری دان چاندی کا کھن بھگوا سے لے آو — رساوری پان بھی منگوا کے بھوجی سے لگوائن
کچوری پوری ۔ بڑی دال موٹھ اور برفی تیکونے — وہ بھوجی لوک ناتھن سے وہیں چکوائے منگوائن
گزک چٹنی اچار ادرک بھی رکھن بھوجی پتا پر — پڑ کیا اور پیٹ یا گھر میں اپنے خوب پکوائن
غرض ہم کہہ سکت ناہیں بڑی خاطر بھئی ہمری — ہمیں تو پیٹ بھر کے خوب اچھا کھانا کھلوائن
بدل لہنگا دوپٹہ بھوجی گاوں ہاری بلوائن — ہمارے قرب ماں بٹھلائے کے گانا خوب سنوائن
عبیر اور بکا سب کھا رہا بھر بھر کے تھریا میں — ملن بھی ہمرے گلو اماں اور اپنو خوب ملوائن
منگائس دارو مہوا کی بہت عمدہ سی اک بوتل — بڑے ہی شوق سے بھر بھر کے کلہڑ خوب پلوائن

دہت ترے عشق کے آزار کی ایسی تیسی — کون جھنجھٹ میں پھنسے یار کی ایسی تیسی
جو کہ غیرو نپہ مرے اسکی محبت کیسی — ایسے بیہودہ دل زار کی ایسی تیسی
گھورنے کے لئے اچھے ہیں دکھانے کو عسل — یار کی نرگس بیمار کی ایسی تیسی
سوکھی روٹی پہ قناعت ہے مجھے ایجانی — تم بغل میں ہو تو زردار کی ایسی تیسی
بات کرتے ہی وہ چندیا چپت دیتا ہے — ایسے معشوق بداطوار کی ایسی تیسی

ہوا اتنا میں لاغر لیٹے لیٹے مجھکو موت آئی — اٹھانے کو جو لوگ آئے ملا مردہ نہ بستر پر
لاغر ہوں میں اتنا کہ نگلیا سے جو چیونٹی — اٹکے نہ گلے میں یہ تن زار بھی میرا

. . . . . .

جب میں کہتا ہوں کہ گیوی کس ٹیر — ہنسکے فرماتا ہے یومی ٹیک ہیر
غریبوں پہ مت ظلم کر اے ڈیر — میں قربان جاؤں اگر کم ہیر
بتائیں تمہیں لالہ صاحب کہاں ہیں — یک و نیم میں بیٹھے پیوت ہیں عنچا
خسن کے سبب بند طاد سنی شد — کہ آنگن میں بہوت ہیں پانی کے ریلا
رسوئن میں کپت ہیں کھانے بذیق — بکرین کے قلیا مچھرین کے شوربا
للن کے ذرا بخت عالن تو دیکھو — خسر فوت شد اور حسر یا بقا یا

لاابالی مرزا لاابالی کے تخلص سے اودھ پنچ سابق میں واقعات حاضرہ پر ظریفانہ شعر لکھتے تھے نہایت مشاق معلوم ہوتے ہیں ہر رنگ کے شعر آپ کے یہاں ملتے ہیں۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۴ء کے ستمبر میں بارش زیادہ ہوئی اور ایک طوفانی سی صورت پیدا ہو گئی تو آپ نے ایک بڑا مسدس لکھا جس کے چند بند لکھتا ہوں۔

دریا اکھی ابر سے کیونکر پھسل پڑا — کیوں ابر بھی نہ اسکی برابر پھسل پڑا
بجلی گری ہے یا کوئی جوہر پھسل پڑا — اس شوخ ستمبر کا جو جوہر پھسل پڑا
سنہ چار کی کمر سے ستمبر پھسل پڑا

سڑکوں پہ دیکھئے تو گدھا کہیں پھنسا — چنگھاڑتا ہے اونٹ کہیں پر پڑا پڑا
گھوڑے کا دم ہے ناک میں تنا نہیں ذرا — ہاتھی بھی فیل خانے کے اندر ہی گرا
چوہا بھی اپنے بل سے نکل کر پھسل پڑا

گرگھچکلی کواڑ سے نکلی پھسل پڑی — بلی کہیں جو آڑ سے نکلی پھسل پڑی
ہرنی کہیں پہاڑ سے نکلی پھسل پڑی — چیونٹی بھی جب دراڑ سے نکلی پھسل پڑی
لنگور گر پڑا کہیں بندر پھسل پڑا

سب سن سنا کے کیچ میں مرغا اڑ رہا — ٹڈی زمیں پہ آ رہی ٹڈا پھسل پڑا

پڑی تو لت پتا گئی پڑا لڑکھڑا ہا　　چلائی چیل پانی میں کوا لڑکھڑا ہا
چھتری پہ بیٹھے بیٹھے کبوتر پھسل پڑا

تیزی میں ڈاکیہ کوئی چٹ پٹ سے آرہا　　صاحب بھی آتے جاتے میں کٹ پٹ سے آرہا
الجھا جو لاہا پان میں اوجھٹ سے آرہا　　کوئی تو پت گرا کوئی کروٹ سے آرہا
بابو کہیں ڈھلک پڑا مسٹر پھسل پڑا

کل ہم شریک ہونے گئے اک برات میں　　پھسلن مذاق کرنے لگی بات بات میں
سمدھن لڑھک پڑی سمدھی کے ساتھ میں　　سالے سلیج کی گتھوسی گئی لات لات میں
دولہا و دلھن کو لیکے سراسر پھسل پڑا

پلٹن پھر ایک باجہ بجانے میں آرہی　　بھانڈوں کی صف بھی باتیں بنانے میں آرہی
یہاں ڈومنی جو راگ سنانے میں آرہی　　کسبی وہاں وہ بھاؤ بتانے میں آرہی
باہر کوئی گرا کوئی اندر پھسل پڑا

کل شب جو بزم عیش میں دور شراب تھا　　ساقی تھا ماہتاب قدح آفتاب تھا
بدمستیوں میں جوشش شوق شباب تھا　　پامال تھی حیا نہ خیال حجاب تھا
اسپر گرا جو غیر وہ مجھپر پھسل پڑا

پہلے تو بڑھکے ساقی پرفین نے ٹانگ لی　　بھاگا جو اوبدا کے تو پٹن نے ٹانگ لی
کیا رند میگسار کی چتون نے ٹانگ لی　　پھر ہوش اور حواس کی اُن بن نے ٹانگ لی
کل شیخ میکدے میں مکرر پھسل پڑا

شبرات کے متعلق اک بڑی نظم ہے اس کے بعض بند سنیئے۔

کیا شور ہے جہان میں کیسا ہجوم ہے　　چل پھر کس روش کی یہ کیسی دھوم ہے
حلوا پراٹھا پکا ہوا بالعموم ہے　　جاری ہر اک سمت ادائے رسوم ہے
اس کھل بلی میں پڑھتے ہیں اطفال ہر گھڑی

آئی شب برات بھوساس سے لڑی

پھرتے ہیں لڑکے آج مچھندر بنے ہوئے — کرتب عجب دکھاتے ہیں بندر بنے ہوئے
نعرے لگا رہے ہیں قلندر بنے ہوئے — دریا میں آگ کے ہیں سمندر بنے ہوئے
چڑھکر سناتی باد ہوائی ہے یہ نڑی
آئی شب برات بھوساس سے لڑی

شوخی ہے چیرہ دستی شرارت کا راج ہے — زوروں پہ دل لگی ہے حماقت کا راج ہے
پاتا نہیں مزاج جہالت کا راج ہے — آفت کا راج ہے یہ لیاقت کا راج ہے
غوغا یہ کر رہی ہے چھچھوندر پڑی پڑی
آئی شب برات بھوساس سے لڑی

"مذہب کا سفر در وطن" ایک نظم ہے جو نہایت ہی خوب لکھی ہے۔

شور و غوغا کیا ہے یہ مذہب گیا مذہب گیا — کیوں گیا کیونکر کس جا گیا اور کب گیا
گر گیا لندن کو تو وہ مدن تہذیب ہے — سمجھو یوں برج شرف میں دین کا کوکب گیا
جا رہے جدے کو مرکب ہیں ہزاروں کیا حج — اکا دکا گر کوئی یورپ کو بھی مرکب گیا
ساغر مے نقد کوثر لیڈیاں ہیں نقد حور — کھل گئی جنت کی کھڑکی اب سے گر مل لب گیا
ہم نہیں ہندو کہ جائے کھانے پینے سے دھرم — جانے دو گر چھوت سے دین سری ذہب گیا
کیک کا ٹکڑا کوئی اترا گر ہے پیٹ میں — ہے یہ ارشاد زباں اعلیٰ گیا اعذب گیا
کوٹ پتلوں سے لفافہ ستر پوشی مدعا — یہ کہا کس نے لفافہ سے بدل مطلب گیا
آئی گر تہذیب ہم میں کچھ خوش آمد خوب شد — گر تعصب مل دیا اولی گیا انسب گیا
بڑھ گیا ہے جوش قومی ہے ترقی کی دلیل — یہ بھی اچھا جوش ہے گو جوش مذہب گیا
گرچہ ہاتھوں نہیں وہ لمبی لمبی تسبیحیاں — دل سے بھی گرچہ خیال فرض و واجب گیا
داڑھیاں منڈتی ہیں تو اسمیں بھی ہے اک فائدہ — شاہدوں کے قلب سے اندیشۂ عقرب گیا

ہر جگہ کاغذ کا استعمال ہے بے پیش و پس
تھا کڈھب ڈھیلوں کا ڈھب اچھا ہوا ڈھب ہو گیا

اب کہئے تو کیا بنیں یہ باسی سید
موجود ہیں نت نئی نواسی سید
کیوں شیخ مغل پٹھان جھنجھیں صاحب
حجام ہوں میر اور مراسی سید
کیا خوش ہو کوئی شریف مہتر مسٹر
پھرتے ہوں جہاں میں جب اکھتر سید
مسٹر نہ بنے گا اُن سے بہتر کوئی
صاحب ہیں چار اور مہتر سید

کہتے ہیں کہ کالے ہیں بڑے ہی بے شرم
یہ بات تو سچی ہے عجب ناک بھی ہے
ہوتے ہیں بڑوں کے بھی مقابل چھوٹے
اس میں تو حیا کھلی ہے اور پاک بھی ہے
رشیا پہ منھ آنے میں اسکو کیا لاج
جاپان کو جو شرم ہو کہیں خاک بھی ہے
کٹ جائیگی ناک کیا جو ہوگی بھی شکست
منھ پر تو ذرا دیکھئے کوئی ناک بھی ہے
جاپان کی روس سے یہی ہے تشبیہ
نمرود کے پشہ کا قدم ناک میں ہے
گر ناک بھی ہوتی تو قیامت ہوتی
منھ پر جو نہیں ناک تو دم ناک میں ہے

لاثانی۔ اودھ پنچ سابق کے ایک بے مثل ظرافت نگار ہیں حالات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئے۔

ایک چڑیا وہ یوں اڑے پھر سے
بال صیاد کٹ گئے دھر سے
سانحے تار و بود شوخی کو
ہزل گوئی کے خوشنما تر سے
وہ خفا ہیں تو کیوں مناؤں میں
میری جوتی سے جوتی کے کھر سے
بلبلیں باغ میں چہک اٹھیں
میرے نالوں کے دلنشیں سُر سے
مر گیا ہائے رے دل بسمل
لوگ آ آ کے دیتے ہیں پُرسے

بزم رندان میں حضرت واعظ — کیا ہی بیٹھے ہیں دیکھئے اُٹھے
لاکھ پٹی پڑھائے غیر انھیں — ہم لگا لائیں گے کسی گر سے
واہ رے ہم کہ جائیں بارش میں — وہ چلے آئیں پانچ گھر سے

ایک تو ہم مزاج کے کھرے — اُسپہ غصہ مرے پہ سو دُرّے
ایسا سمجھیں کہ تم بھی یاد کرو — روز پیتے تو ہو بہت غرّے
دعویٰ پارسائی اور یہ منھ — واہ شاباش مرحبا ہُرّے
کیا انوکھی غزل لکھی لافر — شاعری میں بھی لگ گئے کھرے

سمجھ میں نہ آئے کسی بیل کی — سناتا ہوں وہ نظم میں ذیل کی
مری شاعری کی بڑی دھوم ہے — نہ سمجھے جو کوئی نرا بوم ہے
پڑا ہے جہاں میں مرا غلغلہ — نہ مانے جو الّو کی دم فاختہ
ندارد جہاں ہم چو من دیگرے — بفہم اشتریم و بہ دانش خرے
سنانِ الف را چو شر در کشم — تلا را بہ دوزم مٹر بر کشم
بگیرم چو در جنگ یک گرز داو — گریزاں شود مولوی کھانڈے الو
بگلزار معنی چو من بلبلم — چرا پس نہ صد بلبلہ بلبلم
مرے بلبلانے میں یہ بات ہے — کہیں بات ہے اور کہیں لات ہے

نہ چھوڑا کھانسنے میں شیخ جی نے قند لب کا — یہ حال لب بھی پارہ ہے ریالسوس ہی گویا
کر خاصی ہے فٹ بھر کی تو منھ بھی ہے وہ ڈیڑھ انچی — مگر ہاں شاعروں کو یہ تو نامحسوس ہیں گویا
دوائیں ان کی بیاعجاز ہیں اکسیر ہیں بالکل — اطبا اشتہاری سب جالینوس ہیں گویا

زباں جو کچھ بھی کہتی ہے یہ دانش کو سناتے ہیں
کھڑے دونوں طرف کانوں کے دو جاسوس ہیں گویا

یہ لو یادش بخیر آ ہی گئے وہ حضرت لافر
یہی بے ننگ تو غارت گر ناموس ہیں گویا

پھل لگے قامت دلدار میں قہ قہ قہ
معدن لعل لب یار میں قہ قہ قہ

بلبلیں کرتی ہیں کیا باغ میں چہ چہ چہ
خندۂ کبک ہے کہسار میں قہ قہ قہ

کلیاں کھلتی ہیں تیرے ہاتھ سے کھل کھل کھل
پھول ہنستے ہیں تیرے ہاتھ میں قہ قہ قہ

ہائے وہ شوخ حسینوں کی شرارت باہم
ہی ہی ہی ہی ہی میں قہ دو چار میں قہ قہ قہ

بھولکر بھی جو دل زار ذرا ہنس دیتا
گونجتی گنبد دوار میں قہ قہ قہ

شوق میخوشی میں رندوں کی وہ ہاہا ہوہو
بطے کی بھی وہ ہر بار میں قہ قہ قہ

قہقہے ساقی و ساغر سے صراحی کے کہیں
قلقل و مینا و میخوار میں قہ قہ قہ

قمریاں ڈھونڈھتی ہیں سرو کو کو لب جو
پا بگل قید وہ گلزار میں قہ قہ قہ

فرط اندوہ میں بیتاب پڑی لوٹتی ہے
کسنے چن دی ہے یہ دیوار میں قہ قہ قہ

لپٹتے پیچ یہ مضحک ہیں الٰہی توبہ
باندھی ہے شیخ نے دستار میں قہ قہ قہ

گدگدا دیتا ہے وہ رہ کے میضر استار
دوڑ جاتی ہے جو ہر تار میں قہ قہ قہ

کھیلتی کیسی مگر شوخ لبوں پر ہے ہنسی
کیا ہی وہ غنچہ گلزار میں قہ قہ قہ

حرف میم

ماجد۔ ان کی ایک غزل نظر پڑی جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی شخص گو ہیں۔ اسی غزل میں سے میں سے صاف صاف اشعار نقل کرتا ہوں۔ جو الفاظ غیر مہذب ہیں اون پر نقطہ دیدیئے جائیں گے۔

لطف دیتا ہے مرا وصل میں شادی ہونا — اور اس شوخ کا رہ رہ کے پشیماں ہونا
لطف تو جب ہے کہ ہوں دونوں بہم وصل کی شب — چاہیئے تمکو مرے ساتھ مری جاں ہونا
صاف بتلاتا ہے کس بھی ہیں ناداں کبھی ہیں — آنکھ ... کی درازی سے پشیماں ہونا
خوف ہے ان کو کہ ڈاکہ نہ پڑے صحرا میں — چاہیئے ... کے پھاٹک پہ نگہباں ہونا
وصل کہتے ہیں کسے سن لو اسے غور کے ساتھ — کسی ... کا کسی ... میں مہماں ہونا
غیر نے سے شب وصل اکڑنا کیا تھا — ایسے موقع پہ ضروری ہے سڑے خاں ہونا
کہہ دے ماجد یہ غزل ایسی کوئی تب میں جاؤں — ورنہ ممکن نہیں ماجد سا سخنداں ہونا

مبین۔ حافظ قطب الدین دہلوی کے صاحبزادہ تھے جن کی شوخی کلام بعض اوقات میں ان کے کلام کو حد ظرافت میں لے آتی تھی۔ نہایت نیک نفس خوش مزاج آدمی تھے تذکرہ گلستان سخن کی ترتیب کے وقت زندہ اور بخیریت تھے۔ نمونہ کلام بہت کم ہے زیادہ کلام اس رنگ کا دستیاب نہیں ہوا۔

نزع کے وقت جو وہ شوخ شمائل آیا — ملک الموت کو بھی غش مرے شامل آیا

ہے شیشۂ دل ٹکڑے ہر رند قدح کش کا　　میخانہ میں ماتم ہے ماہِ رمضاں آیا

مجرد — محمد پناہ نام تھا۔ دہلی کا رہنے والا نہایت خوش فکر خوش مزاج تھا۔ فکر مضمون عالی تھی مگر کچھ طبیعت کا اقتضا اور کچھ لوگوں کا تقاضہ دونوں مل کر ہزل کہنے پر مجبور کرتے تھے عموماً مقطع ظرافت کے رنگ میں ہوتے تھے۔ اور کبھی کبھی پوری غزل اسی رنگ میں کہہ جاتا تھا۔ اور اسپر طرہ یہ کہ مشاعرہ میں پڑھتے ہوئے کبھی نہ جھجکتا تھا۔ خود کو ذرا بھی ہنسی نہ آتی اوروں کو ہنساتے ہنساتے لٹا دیتا تھا نمونتاً ایک مقطع ملاحظہ ہو۔

اس چاند میں فلک کا مجرد سے گھر پٹا　　اس ماہ سے نکاح کی جو رسم و راہ کی

محسن غالباً محمد محسن نام ہے خان پور ریاست بھاولپور پنجاب کے رہنے والے ہیں عرصہ تک بہ سلسلۂ ملازمت لکھنؤ میں مقیم رہے اب ریٹائر ہو کر عرصہ سے اپنے مالوف میں مقیم ہیں ریختی گوئی میں ایک حد تک مہارت پیدا کی ہے۔ ایک دیوان چھپوایا ہے۔ جس کے دیباچہ میں جان صاحب سے مقابلہ کلام بھی کیا ہے۔ اور اس بات پر فخر کیا ہے کہ جان صاحب کے مقابلہ میں ہمارے کلام میں ایسے غیر مہذب الفاظ نہیں آئے ہیں جن کو دیکھکر کوئی متین سے متین طبیعت بھی نفرت کرے ہمارے نزدیک مصنف کا یہ دعویٰ صحیح ہو یا نہ ہو۔ مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ ابھی تک یہ ریختی کی اس حد پر نہیں پہونچے جہاں جان صاحب یا اُن کے معاصر پہونچ چکے تھے۔ ان کے دیوان کو اُن اساتذہ کے مقابلہ پر لانا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ محسن اور منتقاد دونوں تخلص سے متخلص ہیں انتخاب دیوان یہ ہے۔

ہوتا بسم اللہ سے آغاز ہے دیوان کا
راز سربستہ ہے یا جی وہ در قرآن کا

ہے یاد بندی کو بھی وہ لسکا پھر لگا پھر ڈھکا بھٹکا
نہیں نگوڑے کا کچھ بھی کسکا ہو کوئی دشمن ہزار اپنا

بگاڑ دنگی میں بھی حال گھر کا وہ ڈالیں مجھ پر بال گھر کا
کھلا کے رنڈی کو مال گھر کا نکالیں مجھ پر بخار اپنا

ہے ساس کا ہیکو سوت ہے وہ ہماری ہر طرح خوش ہے وہ
نہیں ہوئی ہوتی فوت ہے وہ بگاڑا دشمن نے یار اپنا

کھیل سمجھا ہے سفر بھر واندم آباد کا
حوصلہ دیکھو تو گوئیاں اس دل ناشاد کا

کبھی کے گھر سے لگا کر بیٹھے ہو پان تم
واہ کیا کہنا ہے مرزا آپکی اس یاد کا

نند کی چالونپہ جلکر آگئی میں چال میں
تھا سبب بیگم یوا یہ رنج کی بنیاد کا

بات تو شیریں کی رکھ لی تھی ہزاروں نیں لوا
گو بلا سے پھٹ گیا سر بھی میاں فرہاد کا

بیٹھنے پائے نہ تھے چوتڑ اٹھا لے چلیے
خاک نکلے حوصلہ شوق دل ناشاد کا

جوے کی لت بھی لگا دی مرے نواب کو اوئی
زندہ در گور ہو باجی مو دشمن انکا

پچھلے ساون میں تو تھے سوت کے گھر میں دولھا
دیکھئے اب کے کہاں ہو یوا ساون انکا

دولھا بھائی پہ موئی ہو گئی ہو عاشق
گو ندھتی ہار میں کیوں نام ہے مالن انکا

پھر گیا طبلہ بجانے آج گوہر جان کا
کیسا ننگا ہے نگوڑا باپ چندر بھان کا

ہونے ڈھول خالی شیخ جی تم
خوب ہم نے بجا بجا دیکھا

گھر وندے یوں تو بہت دیکھ ڈالے بیگم نے
مزا ملا نہ مگر شیخ جی کے گھر کا سا

نگوڑی وصل کی شب بھی ہوا نہ چین نصیب
لگا رہا یوا کھٹکا موی سحر کا سا

روٹی ممکن نہیں بھرتے سے تو کپڑا کیسا
چھوڑو دیگڑے کو اری روز کا جھگڑا کیسا

کالا منہ نوج ہو ایسا کسی بندی کو نصیب
داڑھی منڈا موا لگتا ہے بھجنگا کیسا

شوق سے آئیں وہ جب چاہیں تکلف کیا ہے
دولھا بھائی سے مجھے اے یوا پردا کیسا

کسبیوں کی سی نہیں وضع تو ہے باجی
اری پاجامہ کی گوٹ میں لچکا کیسا

جس سرزمیں پہ جائے ہے آسماں نصیب
گوئیاں ری ایک سا ہے یہاں اور وہاں نصیب

دیگی وہی کبوتری انڈے میاں کے گھر
ہو جس لنڈوری کو کہیں آشیاں نصیب

خام ہے یہ اُدھیڑ بن گیساں
چھوٹتی ہے میاں سے کبھی کب

آج داروغہ کی کل ڈپٹی کی
رہتی گوہر کو ہے بیگار بہت

لگائی جو بوسہ کی مرزا نے رٹ
کہا باجی نے دت موئے دور ہٹ

انواسی ہے کوری نہیں گوری نہیں رنڈی
اسپر بھی ہے سرکار کی منظور نظر آج

در بدر بھیک ہی مانگے گا بوا میرے بعد
یاد رکھنا یہ مری بات بوا میرے بعد

سایہ مرزا کا پڑ گیا جو کہیں
ہو گئیں دیکھتے ہی اماں سُرخ

جیتے جی شرم نہ محسن کو جب آئی گوئیاں
خاک آئے گی نگوڑی کو حیا میرے بعد

کیوں نہیں کہتے صاف مطلب کی
میری چڑیں نگوڑے پیار کے لاڈ

ایک دو تین اوئی بوا حد ہے
کسطرح اٹھیں چار چار کے لاڈ

اب نہ جائینگے چھنا لوں کی گلی میں مرزا
تسمیں کھاتے ہیں بوا رکھتے ہیں قرآں سر پہ

یہ رسیلا یہ رنگیلا یہ سجیلا ہو کر
پھلکی والی پہ موا مرتا ہے مرزا ہو کر

روٹی کپڑے کو بھی اب بیگم بوا محتاج ہے
آگئی تھی چال میں ڈپٹی کلکٹر دیکھ کر

کرے گا خاک موا بیوفا وہ لحاظ کا لحاظ
نہ بوڑھی اماں کی ہو جسکو التجا کا لحاظ

رنڈی نگوڑی کی فقط گھات کا لحاظ
دن کا لحاظ ہے نہ انھیں رات کا لحاظ

مانا کہ ہم نے سوت کو کروا دیا حقیر
یہ تو بتاؤ کس نے یہ جھگڑا کیا شروع

ایک کو نوکر رکھا یا ایک کو چھڑوا دیا
ہیں مصاحب اُن کے کٹنے منہ لگے مردار چھیں

ہے رنگیلی تر ابوڑھا میاں لنڈی کی عطا
پہلے منھ کا خمیدہ موا کھوسٹ عاشق

چمن میں جا کے رنڈیوں کو پلاؤ گے یوں شراب کب تک
کباب کھا کھا کے سوت کے تم کرو گے ہمکو کباب کب تک

اجی وہ بالا نہ لاؤ گے تم یہ ٹالا کب تک بتاؤ گے تم
کبھی تو کمرے پہ آؤ گے تم کرو گے ہمکو کباب کب تک

موالیوں میں یہ خبر ہے ہیں پاؤں پٹی پیچھے سر ہے
نہ روٹی کپڑا نہ گھر ہے نہ در ہے پھر نہیں در خواب تک

پھر میرے سامنے وہی چھل بل کی بات ہے
رہ تو سہی لگاؤں تجھے بانکپن میں آگ

ہوئی بیخود شرابی یاد آیا
اری لینا بوا گوہر چلا دل

نہ جھوٹ بولیں گے چار میں ہم ہیں دونوں کیتا ہزار میں ہم
ہیں برق طبلے ستار میں ہم ہیں آندھی پانی ریاب میں ہم

پچیسیں کھا کھا کے بوا چور ہوئے بیٹھے ہیں
آج وہ سوت سے مفرور ہوئے بیٹھے ہیں

بوا منڈلانی بھی کیا خوب ہے حقہ نہ چھوا
موتی بیگم کو تو چانڈو بھی پلا لیتے ہیں

رنڈی کے چھوڑنے کو جو کہتی ہو چھیڑ کر
دیتے ہیں گالیاں تجھے ہنسکر جواب میں

ساون میں سوت کو نہ اگر دیں بوا طلاق
پہونچاؤں میں ہاں یہ نگوڑی جہاں کی ہیں

دن کو ٹرایا ہوا مجھسے ہارا رات کو
ڈھونڈتا پھرتا تھا تنکے کا سہارا رات کو

بھیجا سالن گھی کا بگھرا چوری چوری انھیں
دیکھ بھٹیاری نے پھر نخرہ بگھارا رات کو

چھوڑ کر زلف دو تاریخ پہ بوا میں سو گئی
وہ بجایا ہی کئے اپنا دوتارا رات کو

رکھا جب مرزا نے ساغر گوہر کے ہاتھ پر
پی گئی لیکر موئی سارے کا سارا رات کو

پھر دانت آج شیخ سے لگوا کے آئیے نہ
دیکھو تو گالوں کو بوا منگوا کے آئینہ

کوشش کرو کہ مرزا سے بیگم کا ہو ملاپ
گوئیاں ملانا پھر زوروں کا ثواب ہے

دم الجھتا ہے بوا سینے کی باتوں سے مرا
مجھکو تو سوئی نگوڑی نہیں چبھو آتی ہے

زیت پہ آکے بھڑوے نے ماری جو ایک لات
سو سو قدم پہ جا پڑے تختے مزار کے

میرے ہی سامنے موئی کسبی سے دل لگی
بس بس نکل چکے مرے ارماں جیا ہے

مجھے بیوہ بھڑوا مارتا ہے
بڑا بیدرد میرا مردوا ہے

دل اسکی تیغ ابرو پر فدا ہے — وہ گورا لونڈا جو کپتان کا ہے
نہ مارو شیخ کو بے موت باجی — نگوڑا آپ ہی وہ مر رہا ہے
نہ نکلے گھر میں ڈولی کے بھی پیچھے — بڑا نواب کا سالا بنا ہے
ننگی نگوڑی باتیں بھی اور سب کے سامنے — کچھ تو حجاب پیارے میاں درمیاں سے ہے
ساتھ لونڈے لئے پھرتے ہو یہ صحبت کیا ہے — لت نہیں ہے تو میاں ان کی یہ گت کیا ہے
بوا رو دیں مجھے جب لیچلے وہ — بری ہوتی نگوڑی ماشا ہے
بناتا ہے مو اول لیکے باتیں — بڑا محسن نگوڑا مسخرا ہے

محشر - عبد اللہ خاں نام - رام پور کے رہنے والے تھے ریختی کہنے اور اسکو پڑھنے میں کمال حاصل تھا - ریختی میں خانم جان تخلص کرتے تھے - میں نے اصل تخلص ہی میں لکھنا مناسب سمجھا - مولوی عبد الغفور صاحب نساخ نے ان کے متعلق لکھا ہے کہ ان میں ایک بڑا عیب ہے کہ اوروں کے شعر اپنے نام سے پڑھتے ہیں - مگر افسوس کہ کوئی شعر ان کا نہیں ملا -

کہیں تم چوچلے میں بھید کچھ اُنسے نہ کہدینا — مری اچھی بوا یہ مردوے مطلب کے ہوتے ہیں

مشتاق اشتیاق احمد نام ہے - سلون ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں - گل باغ مراد مادۂ تاریخ پیدائش سے آپ کے والد حافظ سردار احمد ایک نامی وکیل تھے - مرنے کے بعد کافی جائداد چھوڑی جو تخمیناً ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ منافع کی ہے - اسی سے نہایت خوشحالی کے ساتھ بسر اوقات کرتے ہیں - اور محض اسی جائداد کی وجہ سے اس قصبہ میں قیام ہے - ورنہ آپ کا آبائی وطن نارہ ضلع الہ آباد ہے - فارسی عربی کے علاوہ انگریزی کی تعلیم ایف اے تک

حاصل کی۔ ۱۸۹۰ء سے شعر کہنا شروع کیا۔ جناب شیر مچھلی شہری سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ آپ کی تصانیف بھی بہت سی ہیں جن میں سے بعض نہایت قابل قدر ہیں۔ دو دیوان عاشقانہ۔ ایک نعتیہ۔ دو مثنویاں ایک تاریخ سلون۔ افتخار الکلام دیوان قصائد قابل ذکر ہیں نعتیہ کلام میں اکبر کا رنگ پسند فرماتے ہیں اور انھیں کا تتبع کرتے ہیں۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

ہو چکی اندر سبھا اب ہے کسانوں کی سبھا
کیا زمیندار دنکی قسمت میں الٰہی ہے لکھا

دکھلایا جس ترک موالات نے مجھے
لیڈر بنایا میری حوالات نے مجھے

ان جلاہوں کے لئے اسکیم گاندھی چل گئی
لیڈر سرکار میں بیٹھے بٹھلے چل گئی

امن ہو رخصت اگر قانون شکنی کو نہیں
اینٹ سے اینٹیں بجیں غائب جو چمنی کو نہیں

آپ کے دل میں اگر وقعت ہے میری رائے کی
کیجیے سوراج کے خاطر حفاظت گائے کی

تباہ ہی جسکی نہ ہو یہ بحر وہ سوراج ہے
ہند میں جو شے نہیں ملتی وہی سوراج ہے

ق

جس زمانہ میں مقید ہو گئے تھے موتی لال
اک محب خاص کو میں نے جو پایا دردمند

میں نے انسے کہدیا یہ رنج سب بیکار ہے
خود خدا رکھتا ہے اندر سیپ کے موتی کو بند

ایک نے پوچھا کہ اب ہے ہند میں کیا چیز مہمل
کس میں شوکت آجکل ہے کس میں حاصل شان ہے

بے تکلف یہ دیا اس شخص کو میں نے جواب
آجکل لیڈر کا بننا بہت آسان ہے

مائل بہ ترحم جو ہوئے ہند پہ گاندھی
سوراج کے لینے پہ کمر آپنے باندھی

سوہے کے شجر جڑ سے اکھڑ کر گرے لاکھوں
جب سال گذشتہ چلی ترمیم کی آندھی

مفید ان کو کوئی تعویذ گنڈا کیوں نہیں ہوتا
بڑی حیرت ہے ہمکو ان کے ٹرکا کیوں نہیں ہوتا

نہ بولینگے کبھی مرغان اسلامی یہ کڑکڑ کیوں
بتاؤ پند پھر شدھی کا دریا کیوں نہیں ہوتا

ملتی ہے گر عالی چھٹی ہم وہاں جاتے نہیں
ہے حجامت یا نہانا منحصر اتوار پر

مال میں پٹواری صاحب ہوتے ہیں اصل الاصول
ہے پولس میں کام سب موقوف چوکیدار پر

باپ کی ساری کمائی ہوگی نذر بوٹ سوٹ — بھوت کالج میں چڑھا فیشن کا بخار پر

مولوی صاحب نے اپنا الٹی میٹم دیدیا — اٹھتے ہی لڑتے مسلمانوں نے بھی دم دیدیا

پاس کرنے اب لگی ہیں عورتیں بیرسٹری — نہ سے مادہ کی عدالت میں جنگ زرگری

اب تک یہ خواب دیکھتی ہیں ہم رول کا — دشوار بیٹھنا ہے مگر اس کی چول کا

راز کھدر ہی میں کچھ سوراج کا مستور ہے — پر مرے نزدیک تو دلی ابھی تک دور ہے

مرا سینہ بھی پالیٹکس کا اسوقت مخزن ہے — ادائیں اسمیں بسمارک کی ہیں اور شان لنن ہے

ٹھہرو ہوٹل میں چھوڑو فکر سرا سے — کبھو قہوہ پیو کبھی تم چاے

یہ ترقی لارڈ کرزن کی بدولت ہوگئی — موچھ کس گنتی میں ہے داڑھی بھی رخصت ہوگئی

آنکھوں کی روشنی کا یہاں بگڑا کھیل ہے — آن کو پسند پر بھی مٹی کا تیل ہے

عورتوں سے ہند میں اب پردہ کیجئے — خوب ہو آن کو کھلے بندوں پھرایا کیجئے

آپکے ہاتھوں ترقی جو نہ حاصل ہو سکی — اب تو دے عورتوں کی اسکو پورا کیجئے

آپ اور ہم سے باتیں ہیں عدو کا دخل کیا — کودتا ہے کیوں کرایہ کا یہ ٹٹو بیچ میں

ساتھ غیروں کے ہیں لو ہانی دیپٹی ٹیوٹی آج — ساتھ کوں کے اڑے جسطرح مٹھو بیچ میں

ٹوٹ گئے گھوڑے تو ٹوٹا تسمہ موچی کا جناب — بیخطا ہے پس گیا بیچارہ بدہو بیچ میں

یوں عدو ننگا دھڑنگا بزم میں ہے بیحیا — مجمع ناگر میں بیٹھے جیسے سادھو بیچ میں

اک طرف انگلش زباں ہے اک طرف ہے ناگری — پس رہی ہے بے سبب بیچاری اردو بیچ میں

نہ سمجھیں آپ مجھکو میں حجی کا اب سیسر ہوں — حقیقت ہے میں بھی حاجی بجا کہنے کا نوکر ہوں

ترکوں نے بیشک کیا ہے یہ کمال — دیا اسلام سے پردہ نکال

ترجمہ خطبوں کا کرکے اسکو رخصت کیجئے — نہ سے عربی زباں بھی حج کرنے کو چلی

مجنوں — شاہ مجنوں کے عرف یا لقب سے مشہور تھے۔ یعنی ناتھ جو محمد شاہ کے

دیوان کے نواسے تھے خود یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ زندگی نہایت عسرت اور شوریدگی میں گزرتی تھی ننگے پاؤں ننگے سر پھرا کرتے تھے۔ شعر گوئی کا شوق تھا۔ اول اول میں حسرت تخلص کرتے تھے پھر جانی تخلص کیا۔ اور اس کے بعد میر انشاء اللہ خاں کی صحبت میں رہنے لگے اور مجنوں تخلص اختیار کیا۔ اپنے آپ کو میر تقی میر کا شاگرد بتاتے تھے۔ مگر بقول میر حسن کہ خر عیسیٰ اگر بمکہ رود نمونہ کلام یہ ہے۔

پھر اب یہ چوچلا ہے کل دوں قرار ٹھہرا — کہتا ہے مجھسے چل بے تو کب کا یار ٹھہرا
بوسے کے بدلے گالی دے بیٹھا مجھکو چٹ سے — تو اپنے منہ سے آپی بے اعتبار ٹھہرا

مجید۔ یعنی منشی عبدالمجید صاحب مجید۔ ناگپور کی مشہور و معروف دی ماڈرن تھیٹریکل کمپنی کے چیف ایکٹر ہیں۔ ایک غزل ریختی کی ملی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفنن طبع کے طور پر کبھی کبھی اس رنگ کی طرف بھی توجہ کرتے ہیں۔

سوسن تجھے ملنے کو بھی لچا ہی ملا شوخ — کیا تجھکو بنائے گا نگوڑا وہ مو اشوخ
آپا مری لونڈی کو بھی کرتا تھا اشارے — کل وہ انھیں باتوں کی بدولت تو پٹا شوخ
ان دونوں میں رہتی ہے ہمیشہ سے لڑائی — کچھ منجھلی بوا شوخ ہیں کچھ چھوٹی بوا شوخ
یہ کس نے بتائی ہے تجھے چھوروں کی ملاقات — بھاتا نہیں اک آنکھ بھی مجھکو تو بوا شوخ
بل سارے نکالوں گی میں نکلے کیطرح سے — پاپوش سے ماروں گی جو ہلتے وہ چڑھا شوخ
ہر ایک سے یوں آنکھ لڑا لیتی ہے نرگس — ہے ہے نہیں آتی ہے ذرا تجھکو حیا شوخ
الفت جو مجید آئے تو تو بات نہ کرنا — وہ ایک ہی چلتا ہوا لچا ہے مو اشوخ

محب منشی برج بھوکن لال نام ہے قصبہ دریا آباد ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے ہیں منشی نوبت رائے لکھنوی مرحوم کے شاگرد ہیں۔ ابتدا سے شعر و شاعری کا

کا شوق تھا۔ مگر طبیعت کا رجحان زیادہ تر ظرافت کی طرف تھا۔ منشی نوبت رائے صاحب کے انتقال کے بعد آپ ہی اپنے کلام پر نظر ثانی فرماتے رہے اور ۲۷ سنہ میں اپنا دیوان بھی شائع کیا۔ آپ اکبر مرحوم کے رنگ میں شعر کہتے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اکبر کا رنگ دراصل ایسا تھا کہ اسکا اتباع دشوار تھا۔ مگر افتاد طبیعت سے مجبور تھے۔ اسی طرف متوجہ رہے۔ محب صاحب نہایت نیک نفس اور خلیق زندہ دل آدمی ہیں۔ اور کلام میں تاحد مقدور شوخی وغیرہ کو مدنظر رکھتے ہیں۔ خود ہی فرمایا کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں اکبر نے یہ رنگ حسن کے ساتھ کہا اور ہندوؤں میں میں نے۔ ان کا یہ جملہ یقینی قرین صداقت ہے ایک مرتبہ راقم الحروف سے بھی ملاقات ہوئی تھی۔ اور خود جناب موصوف نے اپنا دیوان مرحمت فرمایا تھا۔ عرصہ سے آلام و مصیبت اور طرح طرح کے عوارض میں مبتلا رہتے ہیں اب مرض برص بھی شروع ہو گیا ہے عمر تقریباً ۵۰ برس ہو گی۔ دیوان کے علاوہ تاریخ دریا آباد بھی آپ کے نتائج افکار سے ہے یہ کتاب نہایت خوب لکھی ہے۔ دیوان کا انتخاب حاضر ہے ملاحظہ ہو۔

کہتا ہے شوق ہمسے ہوائی جہاز کا — بیکار ہے خیال نشیب و فراز کا

ہو گیا سہل سفر ریل کے باعث اے خضر — رہبر شوق ہے اب عشق میں انجن اپنا
ہم غریبوں کے مقدر میں نہیں عیش لکھی — اے محب تمکو مبارک رہے فیشن اپنا

ان سے باتیں کیں تصور میں تو یہ ہمپر کھلا — کشور الفت میں ٹیلی فون کا دفتر کھلا

شہر مفلس کی چندیا کا ہے اب بچنا محال — ہو گیا ہے شوق بی صاحب کو لیڈی ہیپ کا
کوئی نٹ کہتا ہے ان کو کوئی بندر اے محب — شغل جب سے ہو گیا جمناسٹک اور جمپ کا

تصور ہے مسوں کے مصحف رخسار زیبا کا
کسے ہے یاد قرآں کی کسے ہے شوق گیتا کا

نہیں ذوق عبادت شوق ہے راحت کے ساماں کا
خدا سے پھر گیا ہوں آجکل بندہ ہوں شیطاں کا

شگفتہ حاضری موقوف ہے ٹائپ کے حرفوں پر
کوئی شائق نہیں گلزار و نستعلیق و ریحاں کا

مسوں کے لب میں بھی لطف حیات جاودانی ہے
خضر ہوٹل میں بھی بہتا ہے چشمہ آب حیواں کا

کیا صفائی مغربی مسہل سے آنتوں کی ہوئی
منہ پہ رونق آگئی گو پیٹ خالی ہو گیا

پارکوں میں گھوم لو کھا لو ڈبل روٹی محب
آخرش اک روز دنیا سے سفر ہو جائیگا

چلو جلسوں میں موٹر پر اڑو چندے دیے جاؤ
بغیر اس کے محب پبلک میں شہرا ہو نہیں سکتا

پسی جاتی ہے اب اولاد آدم غم کی چکی میں
بڑھا ہے پیٹ کا نرخ اور گھٹا ہے نرخ گندم کا

نوٹ سے بڑھکر نہیں دولت کوئی اس عہد میں
مل گیا جس کو یہ کاغذ کیمیا گر ہو گیا

گھلا یا اسقدر اس شوخ کی بے اعتنائی نے
کہ اب ہمسے وفاداری کا کھٹکا ہو نہیں سکتا

زباں کا اپنی دعوی ہر کس و ناکس کو ہے بھائی
نہیں پابند کوئی لکھنؤ اور دلی کا

دیکھکر بعث لبسرلی کو
طفل دل کیا ہی کھل کھلا اٹھا

وہ طمانچہ پڑا اگر انی کا
دل غریبوں کا تلملا اٹھا

بل کیا پیش کمپنی نے جب
اے محب شیخ بلبلا اٹھا

خوب ہے اب تو بلندی پہ ستارا اُن کا
چرخ پر اُڑ کے پہونچتا ہے غبارا اُن کا

تیغ اصلاح سے کاٹیں جو گلا مذہب کا
میرے آگے نہ کرو ذکر خدا را اُن کا

طور پر حضرت موسی نے تجلی دیکھی
ہمکو لندن میں میسر ہے نظارا اُن کا

بابو صاحب ہیں مست ہوٹل میں
کون پرساں ہے بھائی دیبی کا

کیا خبر کیک کونسی ہے بلا — ہم سے پوچھو مزا جلیبی کا

اب اور کوٹ کا زمانہ ہے — نام صاحب نہ لو رزائی کا
ڈاٹتی ہیں حسین لیڈی پمپ — کون خواہاں ہو زیرپائی کا

ہر شے ہے گراں جنس شرافت کے علاوہ — بازار میں سستا کوئی سودا نہیں ملتا
ہنری کے تو شاگرد نظر آتے ہیں لاکھوں — ڈھونڈے سے کوئی دیاس کا چیلا نہیں ملتا

جامہ زیبی ہے وضع مغرب میں — کیوں نہ ہو ہمکو شوق چسٹر کا
کون پرساں بیاض نظم کا ہو — یہ زمانہ تو ہے رجسٹر کا

لاحول سے نفرت ہوئی اور مے سے ہوا شوق — اب آپ سے ناخوش کبھی شیطان نہ ہوگا
کر دیا بدحواس چندوں نے — دھیان کسکو ہے وان اور پن کا
کیا اعتبار زندگی مستعار کا — چھ سیر جبکہ بکتا ہے آٹا جوار کا
آسماں پر دماغ ہے اپنا — سر پہ جب سے ہے مغربی کنٹوپ

ملک و دولت کا کیا مس کو خدا نے لفٹنٹ — اور ہمیں بنک مصیبت کا بنایا ایجنٹ
پے شہرت یہی کافی ہے نہیں مال سے بحث — ایک تختے پہ یہ لکھدیجئے جنرل مرچنٹ
قرض لے لے کے مزے عیش اڑائی ہے محب — آج ہوا آپکو قرقی کا مبارک وارنٹ

تیز کیا ہم سست دل ہوں اہل جرمن کیطرح — بھائی چھکڑا چل نہیں سکتا ہے انجن کیطرح

اب اسی میں سرخروئی آبرو دار و نکی ہے
بس انھیں کے رنگ میں مل جائیں پانی کیطرح

چھوٹی ٹائم پیس کا ہے دائرہ اُن کی کمر
ناچ میں جو لوچ کھاتی ہے کمانی کیطرح

یار من مشفق من یہ نہیں القاب پسند
ہے فقط مائی ڈیر آج کل احباب پسند

کھپ گئی ہے مری آنکھوں میں ولایت کی زری
خفتہ بختوں کو بنارس کی ہے کمخواب پسند

چائے کے آگے پان ہے کیا چیز
چندے کے آگے دان ہے کیا چیز

گولڈا سمتھ کی دیکھئے لائف
اس کے آگے پٹران ہے کیا چیز

عیش چاہو خوشامدی بنجاؤ
زر کے لالچ میں آن ہے کیا چیز

سیکھو انگلش فرنچ لیٹن اب
بھائی دیسی زبان ہے کیا چیز

کمیٹی و چندہ کی کوشش مبارک
یہ نزلہ مبارک یہ پیچش مبارک

ہوا شغل شیخ و برہمن میں باہم
یہ مضموں مبارک یہ بندش مبارک

ہر اک کی شان میں کہتے ہیں آپ ایسے ہیں ویسے ہیں
کوئی کاش اُن سے یہ پوچھے کہ حضرت آپ کیسے ہیں

تھیٹر میں وہ ہنستے ہیں تو اسٹیج میں روتے ہیں
جزاک اللہ قومی درد الفت اسکو کہتے ہیں

نہ چھیڑیے بحث واعظ آجکل کے تیز طبعوں سے
کہ وہ ہیں اونٹ کمسر پٹ کے یہ پولو کے گھوڑے ہیں

مدت سے مر گئے ہیں نئی روشنی پہ ہم
ابتک جلا نہ لیمپ ہمارے مزار میں

اس مفلسی و قحط کے قربان جائیے
گیہوں کے بدلے ملتا ہے لطف اچار میں

دل ہے وہی جو آئے رسولوں کی جھپیٹ میں
دولت وہی جو سے بنے اور جائے پیٹ میں

وہی پہونچیں گے اب تو منزل تک — جو کہ انجن کو رہنما سمجھے
بے ریل دو قدم نہیں چل سکتے آپ سے — ہم لوگ اب تو کھینچتے ہیں انجن کی بھاپ سے
بجا اسکول کا گھنٹا جو ٹن سے — تو اچھن آگئی ڈولی میں زن سے
نہ کام آیا مرے پر مغربی بوٹ — بدن ڈھانکا گیا آخر کفن سے
مزار اپنا بنے گا پارک میں اب — ہمیں کیا کام ہے باغ عدن سے
ترقی پر ہے اب چندے کا آماس — مریضِ قوم کے دم پر بنی ہے
اور اسپر مفلسی کی سخت گلٹی — کہ جس سے رگ شرافت کی تنی ہے
نام ہوتا ہے زمانہ میں محب وہی طرح — چندہ دینے سے اور اخبار میں چھپ جانے سے
کیوں بُرا مانیں جو وہ کہتے ہیں ہمکو ڈیم فول — یہ تو معشوقانہ شوخی ہے کوئی گالی نہیں
تا کجا قدر سخن بی شاعری کے پیٹ سے — اور ہوتے ہیں تولد اب سخنور سیکڑوں
مدار کار جہاں اب سکنڈ پر ہے — گیا وہ وقت گھڑی اور پل سے کام نہیں
وہ وزن کھو کے بھائی ہم ڈھول ہو گئے ہیں — پہلے تھے ٹھوس لیکن اب پول ہو گئے ہیں
دل احباب کو چسکا پڑا ہے نوجداری کا — مزا ملتا ہے اب گھر سے زیادہ جیلخانے میں
بھلا اُن لڑکیوں کے حسن کیرکٹر کا کیا کہنا — جنھیں مس صاحبہ اسکول میں تعلیم دیتی ہیں
تھیٹر کے نرالے سین اعلیٰ سینری دیکھو — نہ جاؤ بھول کر ہرگز جہاں پر رام لیلا ہو
مبارک ہو محب یہ آتش شوق — گھر اپنا خوب پھونکو اور تاپو
تقریر پر عمل جو نہیں خود تو چپ رہو — مینڈک کی طرح شور مچانے سے فائدہ
کیوں رتھ کا ذکر عاشق انجن سے کیجئے — بھینسے کے آگے بین بجانے سے فائدہ
قیس کو دیوانگی میں تھا سگ لیلیٰ عزیز — عشق مس میں ہمکو پیارا آج اک گلڈاک ہے
نئی ملت کا زاہد ہوں مزے جنت کے حاصل ہیں — کہ سوڈا اور لیمنڈ کم نہیں کچھ آب کوثر سے
پے نامہ بری اب پوسٹ آفس ہمکو کافی ہے — نہ قاصد کی تمنا ہے نہ مطلب ہے کبوتر سے

بڑھکے خیرات سے ہے قوم کی خدمتیں تو آپ
بھیک دینے سے تو چندے کا سوال اچھا ہے

مال آغاؤں سے وعدے پر خوشی سے لیجئے
جب تقاضا ہو تو کہدیجئے کنالش کیجئے

تعلیم مغربی سے بھی پھولے پھلے نہ ہم
بولے گئے جو بیچ وہ قسمت سے سڑ گئے

کھاتے نہیں پڈنگ کسی کے دباؤ سے
مجبور شیخ ہوگئے دم کے لگاؤ سے

گر نوٹ پاس ہو تو ملے ساحل مراد
اب بیڑا پار ہوتا ہے کاغذ کی ناؤ سے

حقیقت یہ ہے کہ محب دریابادی کا کلام سراسر اکبر مرحوم کا تتبع ہے۔ مگر افسوس کہ ان کے کلام میں وہ اثر اور زندہ دلی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں طنزیات کا ایسا بے محل استعمال ہوا ہے کہ وہ واقعہ معدوم ہوتے ہیں۔ اور جب طنزیات سے وہ نواہی کا کام نکالنا چاہتے ہیں اُن سے اوامر مفہوم ہوتے ہیں۔ ان کے کلام میں قطعات۔ رباعیات۔ مثنوی وغیرہ بھی ہیں مگر ہم اسیقدر کافی سمجھتے ہیں اور اضافہ کلام کا یہ تذکرہ متحمل نہیں ہو سکتا۔

م۔ ح۔ یعنی ماسٹر باسط صاحب۔ آپ بسوان ضلع سیتاپور کے رہنے والے ہیں اور دو موجودہ کے ایک نہایت خوش گو خوش مذاق شاعر ہیں۔ غزل خصوصاً نہایت عمدہ اور زبان کی حدود میں کہتے ہیں جس سے صحیح صحیح رنگ تغزل کا لطف آتا ہے۔ دوسرے لوگوں کی طرح آپ اسمیں فلسفہ اور تصوف کے مذاق کو شامل نہیں کرتے۔ جگر بسوانی سے اصلاح لیتے ہیں۔ مگر اسکا کیا علاج ہے کہ جناب جگر سے یہ خود اچھا کہتے ہیں راقم الحروف جناب باسط صاحب سے بھی بخوبی واقف ہے۔ اور کبھی کبھی جناب جگر صاحب کی غزلیں بھی سنیں میرے نزدیک دو جدا جدا راستوں کے چلنے والے ہیں۔ اور ایک کا دوسرے سے کوئی تناسب نہیں۔ باسط صاحب نہایت خوب کہتے ہیں اُن کی طبیعت میں

رنگینی - بیان میں آمد - بندش میں چستی برجستگی ہے اور اس کے برعکس جناب جگر کے یہاں خشکی - تقشف - پھیکاپن - بیمزگی - بہرصورت باسط نے ایسے اوستاد کی تربیت سے فائدہ اٹھایا اور خود نہایت عمدہ کہنے لگے - ذلک فضل اللہ الخ - آپ کبھی کبھی تفنن طبع کے لئے ظرافت کے اشعار بھی کہتے ہیں اور ظرافت میں ایک ہمہ گیری کی صورت پیدا کرتے ہیں - مگر افسوس ہے کہ باسط جس قدر رنگ عاشقانہ کو نہایت خوبی سے کہتے ہیں اوسی طرح ظرافت میں کامیاب نہیں ہیں - اسکی وجہ یہ ہے کہ دراصل وہ ایک متین اور مہذب آدمی ہیں - ظرافت کو ان کی طبیعت سے کوئی خاص نسبت نہیں ہے - ماسٹر باسط کسی اسکول میں اردو ٹیچر ہیں - شاعری کے بیحد شائق ہیں اکثر رسالوں میں غزلیں طبع ہوتی رہتی ہیں - آپکی عمر اسوقت تخمیناً ۳۵ - ۳۶ سال کی ہوگی - نمونہ کلام یہ ہے -

حضرت دل جو کسی حسن کے حوالے ہوتے
جتنے گورے ہیں مقرر مرے سالے ہوتے

وہ بت تیغ نگہ سے سکڑوں کو مار آتا ہے
نہ تحقیقات ہوتی ہو نہ تھانہ دار آتا ہے

کہاں جائیگا آڑ کر اے پریرو اپنے عاشق سے
تری ٹم ٹم کے پیچھے میرا موٹر کار آتا ہے

خفا ہیں اگر ایدل وہ بے تقصیر ہو جاتے
اکڑ کر بندہ درگاہ بھی شہتیر ہو جاتے

عدو کمبخت کو سودا ہے کچھ ایسا جدائی کا
لئے سر پر پھرا کرتا ہے ڈھانچا چارپائی کا

مرغ دل دام میں گیسو کے پھنسا لیتا ہے
تجھکو دلدار کہیں ہم کہ چڑیمار کہیں

کیا فرق ہے بتا دو مسٹر میں مولوی میں
وہ شاخ ہیں قلم کی ٹہنی ہیں یہ پرانے

جو دیکھیگا کوئی یوں بانکپن سے
پکڑ کر کھینچ ہی لونگا فٹن سے

کھینچتا تصویر کیونکر دیکھکر رخسار حال
ہاتھ کانپا مر گئی نانی وہیں بہزاد کی

رنگ لائیں نہ غضب غیر کی چکنی باتیں
تم تنبولی اسے سمجھے تھے وہ تیلی نکلا

بہ تنگ آمدم چوں شب ہجر ایدل
طپاں سوے او چوں مچھر یا سیلم

نشستم بہ محفل بہ دور نخستیں
کھسکتے کھسکتے بہ گور یار رسیدم

ہاتھ آیا ہے ستمگر تو بڑے گھات کے بعد
سب بتا دوں گا میں تجھکو مگر اک بات کے بعد

بوسۂ چشم طلب میں نے کیا رو رو کر
ہنسکے فرمایا کہ منظور ہے برسات کے بعد

بتوں کے عشق کا مجھکو پڑا ہے آجکل چسکا
حرم سے مجھکو جانے دو نہیں میں شیخ کے بس کا

ہم اپنی جان سے لے بت بھتیجا بیزار بیٹھے ہیں
بھری برسات میں آکر پس دیوار بیٹھے ہیں

پلٹ کر بے ستوں سے یہ کہا دانے نے شیریں سے
سنا کچھ اور لے بیٹا وہ تیشہ مار بیٹھے ہیں

چمٹے منھ جرا اپنا سنو لیا آرزو دارم
تجھے جی کھول کر لینا جگیا آرزو دارم

لپٹ کر مرے سینہ سے تجھے سوگند اشور کی
تری میں توڑ کر دو دو دل پسلیا آرزو دارم

زنخداں سیب ہے عناب لب ہیں
بہت میٹھے ہو تم تو خوردنی ہو

کمر سے تمکا لپٹا رہتا ہے
رقیب روسیہ کی کرد ہنی ہو

بہت بگڑے بہت تنکے بہت اینٹھے بہت ایرے
تماشا یو سر محفل میں اُن کا چھیڑ کر دیدم

لٹا لو پاس تم ہمکا تمھیں سوگند اشور کی
نہیں تو اینٹھ کر جائے ہے سر کا مرجائت

لے بیٹھے بیٹھے تپیت کا سوجھی ہی کی جھی
بڑا کرتا ہیں یو ہوی گو آزار مرجائت

تمری الفت ماں بھلا کون واند ہوے بے
گھر ماں بیٹھا رہے جو شخص سیانا ہوے بے

پان دشمن نہیں لیتا ہے آ دیتے کیوں ہو
منھ پھٹا ہوی ہے کوئی جیبا ماں دانا ہوتی ہے

مخلوق ۔ تذکرۂ خوش معرکہ میں جو پٹنہ لائبریری میں محفوظ اور موجود ہے ان کا نام میر احسان علی لکھتا ہے مخلوق نواب تقی خاں ترقی کے یہاں قصہ گوئی کے خدمت پر مامور تھے ۔ میر خلیق کے چھوٹے بھائی یعنے میر انیس کے چچا تھے ۔ صرف دو شعر تذکرۂ انیس مصنفہ مرزا فدا علی خنجر لکھنوی سے دستیاب ہوئے ۔ جو رنجیتی میں ہیں اسی سے گمان ہوتا ہے کہ مخلوق کا رنگ یہی تھا ۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس لئے کہ اس زمانہ کے بڑے بڑے لوگ بھی اس قسم کے شعر کہنے سے باک نہ کرتے تھے ۔

اے دو داد کیجو اب ہو گا بڑا شر پیدا — لو ناخی نے کیا اور نیا مگر پیدا
مردوں کو ترس رنڈیوں پر کیوں نہیں آتا — میں مر گئی کمبخت اثر کیوں نہیں ہوتا

مذاق ۔ مرزا غضنفر حسین نام ہے جونپور کے رہنے والے ہیں ۔ پچاس برس کی عمر کے آدمی ہیں ایک وقت میں مذاق اور ظرافت کے اشعار لکھنے کا بڑا شوق تھا ۔ اور صفدر مرزا پوری کو اپنا کلام دکھاتے تھے معاصرین سے چوٹیں چلا کرتی تھیں ۔ مگر اب عرصہ سے شاید بالکل اس رنگ کو ترک کر دیا ۔ چنانچہ خود ایک خط میں لکھتے ہیں ۔ مجھکو تو اب شعر و شاعری سے چنداں شوق نہیں ہے ۔ بہر حال جو کچھ اشعار یاد ہیں وہ لکھتا ہوں مرزا صاحب نے اپنا مختصر حال بھی تحریر کیا ہے ۔ جس میں خاندانی حالات زیادہ تر ہیں شاعری کے واقعات سے کچھ علاقہ نہیں اسیواسطے ان کو قلم انداز کرتا ہوں ۔ صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ آپ کے مورث اعلی مرزا منوچہر بیگ غازی خاں ایران سے بطلب شہنشاہ اکبر دہلی میں آکر سکونت پذیر ہوئے تھے ۔ بعد چندے منعم خان خاناں کے ہمراہ جونپور آکر رہے اور صوبہ جونپور کے گورنر یعنے

ناظم مقرر ہوئے۔ بہت سے مواضعات معافی میں پائے اور محمد شاہ رنگیلے کے عہد تک اسی طرح معافی میں رہے۔ مگر اب رفتہ رفتہ تمام علاقہ نکل گیا کچھ جائداد برائے نام باقی ہے۔ ان کے خاندان میں سوائے مرزا صاحب یا ان کے والد کے کسی نے ملازمت نہیں کی اور دربار داری کے جھگڑوں سے آزاد رہے اب انتخاب کلام ملاحظہ ہو۔

آتشناک کے ہوئے یوں زخم بدن پیدا — رات کو چرخ سے جسطرح ہوں اختر پیدا
عیش باغ ان کا ہے کرتے ہیں مزے یہ کیا کیا — خوش نصیب ایسے بھی ہونگے کہیں بندر پیدا
شان اللہ کی ہے اسمیں اجارہ کس کا — بیضہ زاغ سے ہوتے ہیں کبوتر پیدا
جھومنے لگتا ہے ہر شیخ و برہمن سنکر — تانیں سارنگی سے ہوتی ہیں جو ہر پیدا

یہ ذوق عشق تو دیکھو کہ قیس کے سر پر — ہمیشہ ناقۂ لیلےٰ سوار رہتا ہے
چلے ہیں وہ سوئے گنگا اتار کے دن ہیں — اٹھائے بار نزاکت کہار رہتا ہے
شب وصال وہ ضد کر کے ہمسے کیا لینگے — یہاں معاملہ اکثر ادھار رہتا ہے
ہمارا بوٹ بہت ہی شکستہ خاطر ہے — گلی میں آپ کی کوئی چمار رہتا ہے

یہ رنڈیاں نہیں ہیں گاڑوں کی خانہ ہیں — انہیں کے واسطے یار و شراب ہم بھی ہیں

مزمل شاہ مزمل کے نام سے مشہور تھے ایک آزاد مزاج وارستہ حال فقیر تھے حافظ قرآن اور علوم ضروریہ سے آگاہ تھے۔ شاہ آبرو کے معاصر تھے۔ نہایت عمدہ شعر کہتے تھے۔ اقتضائے زمانہ اور تفنن طبع کے لئے کبھی کبھی ظریفانہ شعر بھی ان کے قلم سے نکل جاتے تھے۔ اس رنگ میں

ایک شعر دستیاب ہوا جو لکھتا ہوں۔

اے مزمل ناز کا گھوڑا اکڑا — شوخ بولا چل بے چل آگے سے چل

مست — مست خاں نام تھا قوم افغان سے تھے کبھی کبھی شعر بھی کہا کرتے تھے جسمیں اکثر ظرافت ملی جلی ہوتی تھی ایک شعر اسی انداز کا ملا ہے درج تذکرہ کرتا ہوں۔

نہ وہ بانکوں میں گنا جائے نہ پٹھا ہو جو یوں — خانہ جنگی تمہیں رہتی ہے سدا مست کے ساتھ

مسٹر۔ سید ضیاء علی نام ہے بدایوں کے رہنے ہیں جناب قمر بدایونی کے شاگردوں میں ہیں۔ تحفہ ظریف میں آپ کا کلام چھپا ہے اسی سے چند اشعار منتخب کر کے نقل کرتا ہوں۔

رات یہ اندھیر کیا بزم بت پرفن میں تھا — غیر تو دلاں میں تھے اور میں آنگن میں تھا
ٹھان لی تھی میں نے میں بھی جیلخانے جاؤنگا — جب سنا میں نے کہ وہ بت خانہ دشمن میں تھا
آج اسکی صوبہ داری کا معما کھل گیا — روٹی کپڑے پر ملازم وہ کسی پلٹن میں تھا
سالٹ انسپکٹر کی دعوت توبہ توبہ الاماں — ایک مٹھی بھر نمک اک طشتری سالن میں تھا
کھا گئے یہ کہہ کے دیگی دیوری لیگ کی — وہ مٹن میں نہ تھا جو ذائقہ کھرچن میں تھا
ایک سی داڑھی تھی اور ایک ہی مونچھیں تو پھر — ظاہرا کیا فرق مولا بخش و رگھنندن میں تھا

یار تھا لیکن ذریعہ رسم کا حاصل نہ تھا — سائیکل اللہ نے دی تھی مگر پیڈل نہ تھا
کون سی ایسی برائی تھی جو دشمن میں نہ تھی — لُر نہ تھا چوکھٹ نہ تھا بودم نہ تھا یا لنج تھا
گارڈ صاحب نے برک میں رکھ کے چلتا کر دیا — یہ نہ سمجھے آدمی تھا میں کوئی بنڈل نہ تھا

کالی مرغی دیکھی ٹھاٹر میں تو مجنوں نے کہا — مجھکو دھوکا ہوگیا لیلی نہ تھی محمل نہ تھا
باپ ماں نے پاؤں میں شادی کی بیڑی ڈالدی — ورنہ جورو کی قسم کھاتا ہوں میرا دل نہ تھا
ٹھاٹ سے چلتے وہ میرے ساتھ بزم غیر میں — نعل جوتے کا لگا دیتے اگر میڈل نہ تھا
داغ دل کی روشنی دیکھی تو فرمانے لگے — گیس کا ہنڈا تھا مسٹر یہ تمہارا دل نہ تھا

مسٹر نے اپنے کسی دوست کے لئے سہرہ بھی لکھا ہے جس کے بعض بعض شعر بہت خوب ہیں۔

شیخ صاحب نے جو باندھا ہے مکرر سہرا — ایک گز چھوڑ ہے دو گز کی برابر سہرا
تجربہ کار کو امداد کی حاجت کیا ہے — کہدو نوشاہ سے خود باندھ لے اٹھکر سہرا
کون کہتا ہے گیا وقت نہیں آتا ہے — پھر بندھا لوٹ کے نوشاہ کے سر پر سہرا
عمر کو دیکھ کے نوشہ کا ادب کرتا ہے — بے سبب پاؤں پکڑتا نہیں جھک کر سہرا
کہدو مالن سے کہ تھامے رہے لڑیاں مسٹر — رہ نہ جائے کہیں داڑھی میں الجھکر سہرا

مصحفی شیخ غلام ہمدانی نام تھا۔ امروہہ کے رہنے والے تھے۔ مگر عمر کا بیشتر حصہ لکھنؤ اور دلی میں صرف ہوا۔ شاعرانہ کمال اور علم و فضل میں معاصرین حتی کہ میر اور سودا سے ہرگز کم نہ تھے۔ بلکہ اگر بعض باتوں میں ان کو ان کے مشہور معاصرین پر ترجیح دیجائے تو قباحت نہیں ہے۔ تمام اصناف سخن پر قادر تھے۔ نہایت ذکی قوی الحافظہ زود گو تھے یہاں تک کہ بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ غزلیں کہہ کہہ فروخت کرتے تھے۔ اور یہ دستور تھا کہ جہاں کوئی مشاعرہ ہوتا یہ بہت سے شعر اسی زمین میں کہہ کر رکھ لیا کرتے اور پھر گاہکوں کے ہاتھ حسب حیثیت شعر فروخت کر دیتے۔ دو تذکرے اردو و فارسی شعرا کے۔ اور چھ دیوان اردو ایک دیوان فارسی ان سے یادگار ہیں۔

مصحفی نے ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دلی کا رخ کیا اور وہیں علوم رسمیہ اور ضروری کی تکمیل۔ مشاعروں اور شعر و سخن کے جلسوں میں شرکت کرتے رہے مگر جب دلی کے عروج کا زمانہ روبہ زوال ہوا اور اہل کمال ایک ایک کرکے اسکے در و دیوار کو الوداع کہتے ہوئے ادھر اُدھر چلدیئے۔ تو مصحفی کا بھی جی اکھڑ گیا اور لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں آکر چند روز نہایت عسرت اور پریشان حالی میں گزارے آخر کار مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں ملازم ہوگئے اور کچھ درماہہ بھی مقرر ہوگیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ لکھنؤ میں ان کی شاعری کا سکہ جما اور دوسرے باکمالوں کے ساتھ لوگوں کی زبانوں پر ان کا نام بھی آنے لگا۔ پھر تو وہ مشہور ہوا کہ نامی معاصرین ان پر رشک کرنے لگے۔ حسد اور نفاق کی آگ لوگوں کے دلوں میں بھڑک اٹھی۔ چنانچہ جہاں تک معلوم ہو سکا واقعہ یہ ہے کہ مصحفی کبھی کبھی ظرافت کے اشعار کہتے تھے مگر ہجو کے ناپاک اور گندے مضامین سے اپنی زبان اور بیان کو آلودہ کرنا نہ چاہتے تھے۔ لیکن زمانہ کے مشہور زمانہ ساز شاعر انشا کی بیجا شوخیوں۔ اور بد رنگیوں نے ان کو بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا۔ اور وہ کچھ کھلا کر چھوڑا جس سے آج ان کو بھی ایک ہجو گو کا مشاق شاعر ماننا پڑتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا مرزا سلیمان شکوہ کی غزلیں ہمیشہ مصحفی بنایا کرتے تھے۔ اتنے میں وہ زمانہ آیا کہ انشا بھی لکھنؤ پہونچے انشا کو سب جانتے ہیں کہ وہ صرف شاعر ہی نہ تھے زمانہ سازی اور بہروپ میں بھی اپنا جواب نہ رکھتے تھے حسب ضرورت نقالی کرنے میں بھی ان کو کوئی عار نہ تھا۔ رنگیلے۔ دنیا بھر کے جلسوں میں شریک ہونے والے تھے شاید وہ مرزا سلیمان شکوہ کی محفل میں بھی آن کا گزر ہوا۔ کون نہیں جانتا کہ عیش و مسرت کے جذبات اس کلام سے اور بھی ابھرتے ہیں جس میں رنگینی۔ شہد پنا فراخش۔ رذالت کی چاشنی ہو۔ انشا کے یہاں اسکی کیا کمی تھی انھوں نے مرزا

سلیمان شکوہ کو وقت بیوقت اپنی سریلی آواز میں اُسی لب ولہجہ کے ساتھ مختلف قسم کی شاعری کے انداز دکھائے۔ کچھ وجاہت ظاہری۔ کچھ انشا کی خوبصورتی کچھ نواب کی مصاحبت کی عزت کچھ بذلہ سنجی۔ ظرافت ذہنی۔ کچھ مزاج شناسی وغیرہ یہی چیز تھی جنھوں نے شاہزادۂ مذکور کو ان کی طرف زیادہ متوجہ کردیا غریب۔ ثقہ متین۔ مہذب۔ جذبات حزن و انقباض ادا کرنے والے عسیر الحال تنگدستی فقر و فاقہ میں بسر کرنے والے۔ متین اور مہذب سنجیدہ بزرگوں کی آنکھیں دیکھنے والے بڈھے مصحفی کے یہاں یہ چیزیں اول تو تھیں کہاں اور اگر تھیں تو متانت علم۔ شرافت کے تودے کے نیچے دبی پڑی تھیں۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا تھا ــــ سلیمان شکوہ یا تو ان سے پھر گئے یا پھرے نہیں تو انشا کی چکنی چپڑی خوشامدانہ باتوں کی طرف زیادہ مائل ہوگئے۔ کچھ تنخواہ بھی کم کردی۔ جسپر غریب بڈھے نے جلکر یہ شعر کہے۔

چالیس برس کا ہی چالیس ہی کے لائق — تھا مرد معمر کہیں دس بیس کے لائق
اے وائے کہ پچیس سے اب پانچ ہیں اپنے — ہم بھی تھے کہیں دو نہیں پچیس کے لائق
استاد کا کرتے ہیں امیر اب کے مقرر — ہوتا ہے جو در ماہہ کہ تنخواہ نہیں کے لائق

اسی واقعہ کے بعد سے انشا اور مصحفی میں ایک رنجش کی بنا پڑ گئی۔ مگر ابھی یہ رنجش دلوں سے زبانوں تک نہ آئی تھی اتنے میں ایک تازہ واقعہ یہ ہوا۔ کہ انھوں نے ایک غزل کہی۔

زہرہ کی جو آئی کف ماروت میں انگلی — کی رشک نے جا دیدہ ہاروت میں انگلی

اسی غزل میں بعض بعض شعر ایسے تھے جنپر سید انشا کو اچھے خاصے تمسخر کا موقع ملگیا۔ اور بڈھے کو خوب بنایا گیا۔ مثلاً ان کا مقطع تھا

تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ — تھی اسکی دھری چشم پہ تابوت میں انگلی

انشاء نے اسکو یوں بنا دیا۔

تھا مصحفی کا ناجو چھپانے کو پس از مرگ
رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ پاؤں میں انگلی

پھر کیا تھا۔ بات کا بتنگڑ بن گیا ہجوؤں کا لنڈ ورا اتنا کھچا کہ توبہ ہی توبہ۔ مگر ان سب کو نہ ہمارے تذکرہ کے لئے کوئی بڑا علاقہ ہے اور نہ لکھنا چاہتے ہیں دوسرے تذکروں میں موجود ہیں وہیں سے دیکھ لیجئے۔ میں کچھ ظریفانہ رنگ کے شعر لکھتا ہوں۔

دیکھا نہ میں نے ہند میں جب کر پشاوری
لئے برنج اے مصحفی رج اپنی پشاور گئی

کیوں نہ دل نظارگی کا جائے لوٹ
لکھنؤ میں حسن کی بندھی ہے لوٹ

آزاد نے لکھا ہے کہ ایک سقنی کو دیکھکر شیخ صاحب کی شوخی طبع کے مصحفی میں پانی بھر آیا ہے۔ اس غزل کے چند ظریفانہ شعر ملاحظہ فرمائیے۔

پانی بھرے ہے یار وہاں قرمزی دوشالا
لنگی کی سج دکھا کر سقنی نے مار ڈالا

کاندھے پہ مشک لیکر جب قد کو خم کرے ہے
کافر کا نشہ حسن ہو جائے ہے دوبالا

دریائے خوں میں کیونکر ہم تیم قد نہ ڈوبیں
لنگی کے رنگ سے جب وہاں تا کمر ہو لالا

ناچی ہو تری عالم لاہوت میں انگلی
حایک کی گرفتار ہو جوں سوت میں انگلی

اس کے در پر میں گیا سو انگ بنا کے تو کہا
چل بے چل دور ہو کیا لیکے قبضی آیا

سرگرم سیر گلشن کیا خاک ہوں کہ اپنا
نزلہ سے سو رہا ہے آپ ہی دماغ ٹھنڈا

چینے عاشق نہ کیوں اسکے مولے
کہ چشم شوخ اسکی ہے مولا

جزاک اللہ بنایا تو نے صیاد
قفس میں از پے بلبل ہنڈولا

انشا کی مخذ زوریاں اور ستم ظریفیاں جب حد سے بڑھ گئیں تو انھوں نے یہ رجز کہکر انشا کو چڑایا انشا نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور خوب جواب دیا۔

دانش پہ گھمنڈ اپنی جو کرتا ہے یہ شدت — وہ شخص ہے واللہ کہ مجنوں مرے آگے
میں گوز سمجھتا ہوں سدا اسکی صدا کو — گر بول اٹھے ادہی کی چوں چوں مرے آگے
قدرت ہے خدا کی کہ ہوئے آج وہ شاعر — طفلی میں جو کل کرتے تھے غاں غوں مرے آگے
موسی کا عصا مصحفی ہے خامہ مرا بھی — گو خصم بنے اسود افیوں مرے آگے

مصحفی کا ظریفانہ کلام اگر تمام دواوین سے انتخاب کیا جاے تو کافی تعداد میں نکل سکتا ہے مگر مشتے نمونہ از خروارے سمجھکر چھوڑتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ ان کے کلیات کا ملنا بھی بہت دشوار ہے۔ مصحفی نے ایک طویل عمر پاکر ۱۲۴۰ھ میں بمقام لکھنو وفات پائی۔

م۔ع اودھ پنچ کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جب کانگڑہ میں زلزلہ سے نقصانات ہوے تو آپ کے عجیب وغریب خیالات کو اس طرح جنبش ہوئی۔ ملاحظہ فرمائیے۔

کیا نہیں اس فتنۂ محشر کی ٹھوکر زلزلہ — پوچھ لینا اب کے جو آے مکرر زلزلہ
اے ستمگر تو دکھا دے انکو چلکر زلزلہ — جو سمجھتے ہی نہیں آتا ہی کیونکر زلزلہ
اے عجب جاپان روس مصر لندن چھوڑکر — ہند ہی میں کیوں رہا کرتا ہی اکثر زلزلہ
آمد آمد پھر کسی پر کاٹہ آفت کی ہے — پھر جہاں میں آنے والا ہی مقرر زلزلہ
ایک میں کیا ساری دنیا کا مقولہ ہی یہی — دو قدم رہتا ہے پیچھے آنے سے ہٹکر زلزلہ
اے بت کافر تری چالوں سے اکثر ہند میں — آتا جاتا ہی برابر زلزلہ پر زلزلہ
مضطرب دل تھم گئے دلدار لنگڑے ہوگئے — اب جہاں میں آئیگا کیا خاک پتھر زلزلہ

چپکے چپکے آسکے پیچھے ہائے بھولا شام کا
صبح کو آیا کہیں راتیں گنوا کر زلزلہ

ہاں بہ تقریب سیاحت صوبۂ پنجاب میں
آجکل آیا ہے شملہ سے اتر کر زلزلہ

کعبۂ دل ڈھ گیا اصنام ٹھنڈے ہو گئے
اللہ اللہ اب کرے گوشہ میں چھپکر زلزلہ

پاؤں پڑنے والا ہے اک حشر رفتار کا
فتنۂ محشر سے ہے دو ہاتھ بڑھکر زلزلہ

معروف نواب الٰہی بخش خاں نام تھا فخر الدولہ نواب احمد بخش خاں بہادر والی کے چھوٹے بھائی تھے دہلی میں رہتے تھے۔ چونکہ اوائل عمر سے درویشوں اور اولیاء اللہ سے ملنے کا زیادہ شوق رہا اسوجہ سے آخر میں دنیا کو ترک کر کے طاعت و عبادت میں زیادہ مشغول و مصروف رہتے تھے شعر و شاعری سے اوائل عمر سے شوق تھا۔ نہایت مشاق قادر الکلام تھے۔ آزاد نے آبحیات میں انھیں ذوق کا شاگرد لکھدیا ہے مگر یہ اتہام ہے ذوق سے ان کی مشق ہرگز کم نہ تھی بلکہ قابلیت علمی میں وہ ان سے زیادہ تھے ابتدا میں شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے آخر میں وہ بھی ترک ہو گئی تھی۔ ان کی تصنیف سے دو دیوان ہیں جو طبع نہیں ہوئے اور نہ امید ہے کہ آئندہ چھپ سکیں گے معروف نے ۱۲۴۲ھ میں دنیائے فانی کو خیرباد کہکر سفر آخرت اختیار کیا

معروف مرحوم کوئی ظریف شاعر نہ تھے بلکہ برعکس اس کے اپنے وقار خاندانی اور اپنی صوفیانہ روش کی وجہ سے وہ ایسی باتوں سے قریب قریب اجتناب کرتے تھے۔ مگر اس تذکرہ میں ان کا نام نامی صرف اسوجہ سے لایا گیا کہ انھوں نے دیوانوں کے علاوہ ایک چھوٹا سا دیوان ایک سو ایک اشعار کا تسبیح زمرد کے نام سے ترتیب دیا ہے۔ جس میں التزام کیا ہے کہ تمام اشعار میں معشوق کی سبزہ رنگی کی تعریف کیجائے۔ اور اس صنعت خاص کو یہانتک

مرغوب سمجھا ہے کہ اپنی زندگی میں اپنے تمام احباب سے فرمایش کردی تھی کہ اگر کوئی محاورہ وغیرہ سبزی کا ملے تو ہمکو ضرور بتانا۔ اس میں اس قدر انہماک تھا کہ شاہ محمدی پاس کے ایک شاگرد بھورے خاں متخلص بہ آشفتہ نے کوئی شعر کہا جس میں ہری چگ (جو ایک جانور ہوتا ہے) کا لفظ آیا۔ نواب صاحب نے بھی اتفاق سے وہ شعر سنا چونکہ اسوقت تک ان کے یہاں یہ لفظ نہ آیا تھا لہذا سو روپیہ دیکر یہ لفظ خرید لیا اور مرزوں کیا جو آگے چلکر لکھا جائے گا چونکہ ہم اس سے پہلے آبنوس کے اشعار لکھ چکے ہیں جنھوں نے یہ التزام کیا ہے کہ کوئی شعر سیاہی سے خالی نہ ہو۔ اسواسطے یہ بھی ضروری سمجھا کہ تسبیح زمرد کے اشعار بھی نقل کئے جائیں۔ گو آبنوس کے یہاں ظرافت بھی شامل ہے اور اُن کے یہاں یہ کچھ بھی نہیں مگر صرف اس قسم کے اشعار بھی تفریح طبع کا سامان ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ صنعت جس کا شاعری میں التزام کیا جائے اور تشدد کے ساتھ اسپر قائم رہا جائے وہ خود بخود ایک قسم کی ندرت کے ساتھ ظرافت خیز ہو جاتی ہے۔

کسے تھا سبزہ رنگ اکدم بھر وہ سراپنے جیتے کا — نشانی گر ترا ہوتا نہ چھلا سبز مینے کا

بسکہ سبزہ رنگ ہی قاتل مرا — نت ہرا رہتا ہے زخم دل مرا

کون یہ لیکے ہاتھ میں سبز کماں آگیا — ابر سے سبزہ رنگ کا پھر مجھے دھیان آگیا

سبزہ رنگوں کی جو میں الفت میں آزار ہوا — خلط صفرا یاں تلک بگڑا کہ زنگاری ہوا

حرف سبز اب تیرے منھ سے ہی نکلتا بیڈھب — سبزہ رنگ آج ہی تو زہر اگلتا بیڈھب

سبزہ رنگ آگے بڑھا تو جو مرے ساتھ ہے بات — کیا کہوں آڑ گئے طوطے مرے ہاتھ کے ات

قتل کی کچھ میرے سبزہ رنگ کر تدبیر آج — دل مرا چاہے ہی سیر سبزۂ شمشیر آج

سبزہ رنگوں کے فریبوں میں دل آیا بطرح — عشق نے پھر سبز باغ اسکو دکھایا بطرح

جبکہ طفلی میں اماموں کا بنایا تھا فقیر
تھا اسی دن سے دعا گو سبزہ رنگوں کا فقیر

ولامت دوڑ تو ان سبزہ رنگوں کی صفائی پر
پھسل جاتا ہے اکثر آدمی کا پانوں کائی پہ

سبزہ رنگوں کی صفائی پر ہیں یوں خنسار سبز
دل میں جوں صوفی صافی دل کے ہوا نور سبز

کائی ملدو تم مجھے آگے خدا شافی ہے بس
دل جلوں کو سبزہ رنگوں کے یہی کافی ہے بس

دھیان میں یوں ہوں سبزہ رنگ کے غرق
جوں نشے میں ہو کوئی بھنگ کے غرق

تری سبزہ رنگ ایسی صورت ہے صاف
زمرد کی گویا کہ مورت ہے صاف

سبزہ رنگو نہ اپنا ہو کہیں جی مائل
اس برس رنگ ہے نوروز کا سبزی مائل

کیوں غش نہ سبزہ رنگ پہ دل سے مدام ہوں
میں حضرت امام حسن کا غلام ہوں

آج یہاں کل وہاں گذرے یوں ہی جگ میں
کھوے ہے ہر سبزہ رنگ اس سے ہری جگ میں

اے سبزہ رنگ ہاتھ سے لے میرے پان تو
یہ برگ سبز تحفۂ درویش جان تو

یہ حالت غم میں ہے ان سبز رنگوں کے مرے جی کی
چمن میں زہر لگتی ہے مجھے آواز طوطی کی

سبزہ رنگوں سے محبت ہے مجھے دن رات کی
چاہتا ہوں ہر جگہ سرسبزی اپنی بات کی

اس بڑھاپے میں بھی کم ہوں گے لہری ہمسے
سبزہ رنگوں سے چھنا کرتی ہے گہری ہمسے

یارب سبزہ رنگوں سے اب دل میں غم بھر آیا ہے
کیجیو خیر اس سبزی کی یہ سبز قدم پھر آیا ہے

نور طراوت آنکھوں میں ہے دائم چھاتی ٹھنڈی ہے
یاد میں سبزہ رنگوں کے دل کیا ہے سبزی منڈی ہے

مقصود۔ مقصود بیگ نام تھا لکھنؤ کے رہنے والے اوباش مزاج شخص تھے ہزل گوئی میں مشاق تھے۔ چنانچہ نواب مصطفےٰ خاں صاحب تذکرہ گلشن بیخار میں لکھتے ہیں "از سوقیان لکھنؤ است۔ خرافاتش نہ سزاے انست کہ دریں اوراق مذکور گردد۔ اما چوں نوشتہ اند نوشتہ شد" ان کا صرف ایک شعر تذکروں میں ملتا ہے۔

بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہیں کیوں مشفق ہیں
بوسہ وہ سنتے ہے کہ دونوں کو مزا ملتا ہے

مقروض شاعر اودھ پنچ سابق کے ایک مضمون نگار نے اسی نام سے ایک تاریخ داغ لکھی ہے جو بجنسہ درج کیجاتی ہے۔ افسوس ہے کہ ان کا نام و مقام کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ داغ کی ہجو کا سلسلہ تاریخوں کی صورت میں مدت تک اودھ پنچ میں قائم رہا تھا اسی میں سے ایک یہ ہے۔

کہتے ہیں لوگ داغ کی صورت — ایسی تھی جیسے زاغ کی صورت
نام گلزار داغ ہے جس کا — ہے وہ اک اجڑے باغ کی صورت
تم کہیں دو بھی شربت دینار — ہوں سراپا ایاغ کی صورت
ہائے بیمغز ناریل کی طرح — سر بسر ہے دماغ کی صورت
اٹھ گئے ہائے داغ دنیا سے — غم سے کیا ہو فراغ کی صورت
داغ کے غم سے بزم ہستی میں — جل رہا ہوں چراغ کی صورت
چشم بد دور واہ کیا کہنا — میں نے دیکھی ہے داغ کی صورت

منیر۔ سعادت یار خاں رنگین کے شاگرد تھے آفتاب خاں نام تھا دہلی کے رہنے والے تھے ایک شعر ان کا تذکروں میں ملتا ہے چونکہ بیاض سلسلۃ الظرفا میں بھی یہی شعر درج ہے اسواسطے صرف اسی شعر پر اکتفا کرتا ہوں اسی ایک شعر سے ایک ضعیف سا احتمال ہوتا ہے کہ یہ ظرافت کے شعر بھی کہتے تھے۔

جی چاہتا ہے زلف کا تیری بیاں کریں — شانے کے دانت توڑ کے اپنی زباں کریں

منظور۔ منشی اسداللہ نام تھا۔ چنچڑہ جو ہگلی کے متصل ایک قصبہ ہے وہیں رہتے تھے منشی علی جان کے عرف سے معروف تھے۔ مولوی عبدالغفور نساخ کو اپنا کلام دکھاتے تھے۔ ریختی گوئی میں نہایت مشاق تھے۔ اور اس میں دگانا

تخلص کرتے تھے چونکہ اصل میں یہی تخلص تھا ۔ لہذا حرف میم میں اس کا ذکر کیا گیا۔

سو بہانے تھے گر آتے تو ہزاروں ڈھب تھے — لاکھ صورت سے اجی بات بنائی ہوتی
کل اُسنے جو محفل میں کہا میں نے کہ غافل — جینے کے ترے غم سے مجھے پڑ گئے لالے
سنتے ہی لگے کہنے وہ مخور سبھوں سے — لو اور سنو یہ بھی ہوئے چاہنے والے

رات کو اک نگوڑے نٹ کھٹ نے — صحن میں پا کے بے حجاب مجھے
مچھیاں لیں گلے سے لپٹا کے — پھر لیا ڈالوں میں داب مجھے
منتیں کیں ہزاروں قسمیں دیں — کر کے چھوڑا مگر خراب مجھے

موج ۔ خدا بخش ایک مشہور گویا تھا جو اکبر آباد کا رہنے والا تھا ۔ مگر بیشتر حصہ عمر دہلی میں گزارتا تھا آخر میں لکھنؤ چلا آیا تھا ۔ اور یہیں انتقال کیا ۔ اسکو ظریف لکھا ہے ۔ مگر اس کا کوئی شعر جو رنگ ظرافت میں واقعی ہو مل نہ سکا لہذا ایک شعر جو تذکروں میں درج ہے اور اس میں ایک ہلکا سا ظرافت کا رنگ ہے درج کیا جاتا ہے ۔

لاکھوں کٹوا دئے سر آن میں ہنستے ہنستے — اے مری جان کوئی تو تو تماشا نکلا

مولانائی ۔ ادیاق تخلص سے متعلق تھے اور کبھی رے اور کبھی ہمدان میں رہتے تھے ۔ اپنے اشعار پر بڑا ناز تھا ۔ مطائبات کہنے کا بڑا شوق تھا ۔ چنانچہ ایک قطعہ تذکرہ آتشکدہ سے نقل کرتا ہوں ۔

دی بہ حمام از پے غسل جماع — گشت ز ہر طالع میمون من
کیسہ مالے یاسمین چون بلور — بہر مالش گشت پیرامون من

چوں مرا بر رو فگند از اشتیاق | جملہ شہوت گشت در تن خونمن
طرفہ ... بر سر ... م نہاد | کاش بودے ... او در ... من

مہتر۔ عبدالسمیع نام تھا۔ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ نہایت خوش تقریر نیک مزاج۔ بلند حوصلہ آدمی تھے۔ جس زمانہ میں تحصیل علوم فارسی وغیرہ سے فراغت پائی اور انگریزی کی طرف توجہ کی تو شاعری کا بھی شوق دامنگیر ہوا چنانچہ خود بیان کیا کرتے تھے کہ متعدد غزلیں کہیں۔ مگر دیکھا کہ کہنے والوں نے اتنا کچھ کہہ دیا ہے۔ کہ اسی رنگ میں شعر کہنا نہ صرف فضول ہے بلکہ متقدمین کا منہ چڑانا ہے اسی خیال کو پیش نظر رکھکر کچھ دنوں کے لئے شعر کہنا چھوڑ دیا ہے۔ مگر جذبات کا ابھار اور فطری ذوق دب کر نہ رہا۔ اس طرف سے توجہ کم ہوتے ہی ظرافت کی طرف بہ نکلی۔ چرکین کا رنگ پسند آیا۔ اور اسی میں کہنا شروع کر دیا۔ مگر صرف تفنن طبع کے طریق پر اس مشغلہ کو جاری رکھا۔ نہ کبھی اپنے کلام کو جمع کیا اور نہ کہیں چھپوایا۔ چند روز کے بعد یہ بھی نہ رہا پھر برسوں شعر کی نوبت نہ آتی تھی ۲۶ء میں ایک روز مسجد سے نماز پڑھکر نکل رہے تھے کہ ایک شخص نے چاقو مار دیا اور اسی میں فوراً جاں بحق ہوئے۔ ایک مرتبہ میں نے اصرار کیا تھا تو یہ شعر سنائے تھے۔ جو ابتک حافظہ میں محفوظ ہیں۔

مہتر تمہاری جھاڑو سے افسوس آجتک | سبزہ ہے رخ پہ یار کے اور صاف بھی نہیں
مہتر یہ چاہتے ہیں کہ مرنے کے بعد بھی | بیت الخلا کے پاس ہمارا مزار ہو
ہمکو اسے مہتر پسند آتا ہے بس وہ چھوکرا | جو لئے پھرتا ہے اپنے ساتھ پنجہ لوکرا

مہری۔ ہروی الاصل تھی شاہرخ مرزا گورگان کے زمانہ میں گوہر شاہ بیگم کی خواصوں میں منسلک تھی۔ نہایت عقیل اور حسین و جمیل تھی۔ مطائبات

لکھنے کا بھی کافی شوق تھا - اور اپنے شوہر خواجہ عبدالعزیز کے ساتھ جو درباری اطباء کے زمرے میں ملازم تھے نہایت مذاق اور تمسخر کیا کرتی تھی - چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ خواجۂ مذکور آرہے تھے اور مہری اپنی بیگم کی مصاحبت میں بالاخانہ پر بیٹھی تھی بیگم نے خواجہ صاحب کو آتے دیکھکر اور خواصوں سے کہا کہ خواجہ کو جلد بلا لاؤ - چنانچہ خواصوں نے خواجہ سے جاکر کہا کہ جلد جلد چلئے بیگم صاحبہ یاد فرماتی ہیں - حکیم صاحب نے حالت اضطراب میں جو جلد جلد چلنے کی کوشش کی - تو گر پڑے - بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ خواجہ نے بیگم کے انبساط طبع کی وجہ سے دانستہ ضعف کا بہانہ کیا اور پیرانہ سالی کی حرکتیں کرنا شروع کیں بیگم بہت ہنسی اور مہری سے فرمائش کی کہ اس حالت کو نظم کرکے عرض کرے - مہری نے حسب الحکم یہ اشعار کہے -

مرا با تو سر یاری نماندہ است　　دل مہر و وفاداری نماندہ است
ترا از ضعف پیری قوت دور　　چنانکہ پائے برداری نماندہ است

بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ مہری کو سلطان شاہرخ مرزا کے بھائی سے بڑی محبت تھی اور اس محبت پر لوگ ناجائز تعلق کا گمان رکھتے تھے - یہ قصہ ایسا مشہور ہوا کہ خواجہ عبدالعزیز کو بھی خبر ہو گئی - اور شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی چنانچہ شوہر کی استدعا پر بادشاہ نے مہری کو قید کر دیا - مہری نے اسی حالت قید میں یہ رباعی کہی

شہ کندہ نہاد سر و سیمیں تن را　　زیں واقعہ شیون است مرد و زن را
افسوس کہ از کندہ نخواہد فرسود　　پائے کہ دو شاخہ بود صد گردن را

ایک روز شوہر نے اپنے یہاں کی عیش و عشرت پر توجہ دلائی اور اس کے ساتھ ہی مہری سے اسکی بیوفائیوں کی شکایت کی - مہری نے برجستہ یہ رباعی کہکر خواجہ صاحب کو سنائی -

در خانۂ تو آنچہ مرا شاید نیست　　بندے ز دل رمیدہ بکشاید نیست
گوئی ہمہ چیز دارم از مال و منال　　آرے ہمہ ہست آنچہ میباید نیست

اسیطرح ایک مرتبہ میاں بیوی میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ بڈھے شوہر کی زبان میں زور آگیا تھا جو چاہتا تھا کہتا تھا۔ مہری پہلے تو سب باتیں خاموشی کے ساتھ سنتی رہی مگر جب غصہ ضبط کی حدوں سے باہر ہوگیا تو یہ رباعی کہکر سنائی۔

شوئے زن نوجواں اگر پیر بود　　چوں پیر بود ہمیشہ دلگیر بود
آرے مثلی ست آنکہ گویند زناں　　در پہلوے زن تیر ہوا از پیر بود

مہستی۔ گنجہ کی رہنے والی تھی نہایت شریف النسب تھی۔ بعض لوگوں نے اسکو نیشاپوری لکھا ہے۔ تذکرہ آتشکدہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ عورتوں میں ایسی شاعرہ کوئی نہیں ہوئی۔ سلطان سنجر کے مصاحبین میں منسلک تھی۔ نہایت زود گو حاضر جواب بذلہ سنج تھی۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ جاڑے کے جاڑے میں جب برف خوب گر رہی تھی۔ در و دیوار سفید ہو رہے تھے سرد ہوا کے جھونکے چل رہے تھے۔ رات کے وقت کسی ضرورت سے بادشاہ نے مہستی کو تھوڑی دیر کے لئے باہر بھیجا۔ جب واپس آئی تو جاڑے کی وجہ سے سکڑ گئی تھی۔ بادشاہ نے مذاقاً کہا کہ اسوقت باہر کا کیا حال ہے۔ مہستی نے فی البدیہہ یہ رباعی نظم کرکے سنائی۔

شاہا فلکت اسپ سعادت زیں کرد　　وز جملۂ خسرواں ترا نخستیں کرد
تا در حرکت سمند زیں نعلت　　بر گل نہ نہد پائے زمیں سیمیں کرد

اس کا کلام عبد اللہ اوزبک کے فتنہ کے زمانہ میں خصوصاً تسخیر ہرات کے وقت ضائع ہوگیا۔ اس کے مطائبات کا نمونہ یہ ہے۔

قصاب چنانکه عادت اوست مرا — بفگند و بکشت و گفت کین خوست مرا
سر باز به خنجر می نهد بر پایم — دم میدهم تا به کند پوست مرا

قاضی چو زنش حامله شد زار گریست — گفتا ز سر کینه که این واقعه چیست
من پیرم و... من نمی جنبد هیچ — وین قحبه مریم است این بچه ز کیست

آنی لکهنو هیچ کس تو چیزے نه دهی — صد چوب مغل خوری و تیزے نه دهی
منکے که ادو روغن بزرگ گیرند — گر بر شکمت نهند تیزے نه دهی

حرف نون

ناجی - محمد شاکر نام تھا۔ بڑے حریف و ظریف تھے۔ نادر شاہی لڑائی میں زندہ تھے۔ سب تذکرہ نویس اس بات پر متفق ہیں کہ زمانہ کے دستور کے موافق یہ ظرافت اور پھکڑ کے شعر زیادہ کہتے تھے۔ میر تقی میر اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں "جوانے بود آبلہ رو۔ سپاہی پیشہ مزاجش بیشتر مائل بہ ہزل بود معاصر میاں آبرو۔ بندہ با او یک دو ملاقات کردہ بودم شعر ہزل خود میخواند۔ و مردمانرا بخندہ می آورد و خود نمی خندید۔ مگر گاہے تبسمی میکرد۔ وطنش شاہجہان آباد جواں از جہاں رفت" اسیطرح میر حسن۔ اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔ "در اوائل سلطنت محمد شاہ مردے ظریف طبع بود اکثر از لطائف و ظرائف مردماں را بخندہ می آورد و خود نمی خندید۔ مگر تبسمی میکرد" اسیطرح آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں۔ "اہل سخن نے انھیں طبقہ اول کے ارکان میں شمار کیا ہے۔ امیر خاں جو محمد شاہی دربار کے رکن اعظم تھے یہ اُن کے نعمت خانہ کے داروغہ تھے مگر تیز مزاج اور شوخ طبع بہت تھے۔ راہ چلتے سے الجھتے تھے اور جس کے گرد ہوتے تھے اُسے پیچھا چھڑانا مشکل ہوتا تھا۔ مندرجہ بالا بیانات سے اُن کی شوخ طبعی اور ظرافت مسلم ہوتی ہے۔ مگر کیسی مصیبت ہے ظرافت کے تذکرہ لکھنے والے واسطے کہ ایک شخص نے بھی ان میں سے ظرافت کا ایک شخص نقل نہیں کیا۔ مجبوراً انھیں متین اور مہذب اشعار میں سے کچھ ایسے شعر انتخاب کرنا پڑے جن پر ان کی شوخ مزاجی

کی مہریں لگی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اگرچہ وہ سراپا رنگ ظرافت میں نہیں ہیں۔ پھر بھی سب کچھ ہیں۔ گو کم ہیں مگر نمونہ کے لئے بہت ہیں۔

بے لواؤں سے نہ مل اے سو کمر مت پیچ کھا
مونڈ سر لڑکوں کو کرتے ہیں وہ اپنا بالکا

رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تلک بہلا
چلی جاتی ہے فرمائش کبھی یہ لا کبھی وہ لا

اگر ہو وہ بتِ کافر کبھی اشنان کو ننگا
بھنور میں دیکھ کر جمنا اُسے غوطے میں جا گنگا

نہ ٹوکو یار کو کہ خط رکھاتا یا منڈاتا ہے
مرے نشہ کی خاطر لطف سے سبزی بناتا ہے

جو کوئی کچھ کہے پگھل جائے
شمع رو ہے ہمارا موم کی ناک

ہمیں تو بوسہ نہ دینے کہا نہ کہہ کے دیا
جنھوں سے وعدہ کیا ہے انھیں جاتے ہیں

جان ہے جیو ڑا ہے دلبر ہے
پر یہ مشکل کہ طالب زر ہے

لب جان بخش آگے تیرے سخن
جو مسیحا کا نام لے خر ہے

جہاں دل بند ہو ناجی کا وہاں آوے خلل کرنے
رقیب لاولد ناصح گویا لڑکوں کا باوا ہے

ناز سید حسن نام ہے۔ تکیہ ضلع رائے بریلی کے رہنے والے ہیں۔ دو موجودہ کے خوشگو ظریفوں میں ہیں۔ عاشقانہ اور ظریفانہ دونوں رنگوں میں شعر شعر کہتے ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اُردو۔ انگریزی۔ اور قدرے ہندی جانتے ہیں۔ جس زمانہ میں لکھنؤ میں قیام تھا۔ راقم الحروف کو اپنا کلام دکھاتے تھے اب دو تین برس سے نہ ملاقات ہوئی نہ کوئی کیفیت معلوم ہوئی۔ ناز ایک دوست آشنا۔ نیک مزاج۔ نیک نفس آدمی ہیں۔ لکھنؤ کے اکثر مشاعروں میں ہزل اور غزل دونوں پڑھا کرتے تھے۔ اب نہ معلوم ظرافت کہتے ہیں یا نہیں۔ ان کا کلام میرے پاس موجود نہیں ہے مگر تذکرہ تبسم گل سے نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اور جو شعر یاد آئے گا وہ لکھدیا جائے گا۔

ہزاروں اور اچھی اچھی چیزیں تھیں زمانے میں
مگر اس چوٹی والے کو میرا دل پسند آیا

اسی ٹٹی کے پیچھے کھیلتے ہیں یہ شکار اکثر
جناب شیخ کو انداز ریشا کل پسند آیا

ہماری گردش قسمت لکھاتی ہے انھیں نامے
فلاں و رمل کو بھی انداز پیپر مل پسند آیا

قیمہ کرنے کے لئے یاس جو قاتل آیا
پاؤ بھر ساتھ میں لیتا ہوا فلفل آیا

فَعَلَ یفعل کی جب کہ پڑھی صرف کبیر
ساتھ مفعول کے پکڑا ہوا فاعل آیا

اب پلیڈر نہ کہو دو مجھے لیڈر کا خطاب
اتنو کھدر کا انگرکھا بھی مراسل آیا

ایک دانہ بھی ہے اس قحط میں ملنا دشوار
شکر کر شکر کہ ہونٹوں پہ ترے تل آیا

مجنوں میاں نے ڈھیلا جو مارا گھسیٹ کر
لیلیٰ اچک کے پردۂ محمل میں رہ گئی

اسے وہ قتل کر دیتا ہے جس ناداں سے ملتا ہے
نسب معشوق کا میرے ہلاکو خاں سے ملتا ہے

سوال وصل پر ان کو حیا آئی حجاب آیا
مگر میں بھی بڑا ہی مسخرا تھا ہونٹ داب آیا

حسینوں نے عجب گلچھرے مچائی بزم رندانہیں
لپک کر کھا گئے فوراً اگر کوئی کباب آیا

نزاکت کا غرور اچھا نہیں ہوتا ہے سن لیجئے
پکڑ کر ٹھونک ہی دونگا اگر مجھکو عتاب آیا

جوانی میں ہر اک صورت حسیں معلوم ہوتی ہے
دلہن بنجائیگی جسدن گدھی پر بھی شباب آیا

سوز دل سے میں چراغ بزم ساقی ہو گیا
رات بھر جلتا رہا اور صبح ٹھنڈی ہو گیا

ہوں رسالہ میں بھی اک تذکیر و تانیث کا
رات بھر مرغا رہا اور صبح مرغی ہو گیا

اس میں کمسن کے رخ پر دی جو بوسہ کی شکایت
وہ لگی کہنے کہ او دل کیا نوابی ہو گیا

کل جو گریاں کھیلیں آپنے لطف حاصل ہو گیا
وہ مری بھاوج جنے میں انکی بھابی ہو گیا

اب انھیں یہ فکر ہے اسپر کریں کیونکر ستم
اتفاقاً جوتہ کھانے کا میں عادی ہو گیا

اب اس بت کس نے ڈالی ناک میں نکیل
اونٹ ہو وہ یا کہ عاشق ہو بلاتی ہو گیا

وعلیکم کیونکر کہیں آخر بت بے پیر سے
وہ ابھی بے پیر ہے اور میرا شادی ہو گیا

اس طرح کی بہار ہے اب سوئے یار میں
کمر کھ لگی ہو جیسے کسی سبزہ زار میں

لیلی کے قافلہ میں عجب اہتمام ہے
مجنوں میاں ہیں اونٹوں کی اگلی قطار میں

مت جاؤ قافلہ کے لئے قبر غیر پر
ٹانگیں پکڑ کے کھینچ ہی لیگا مزار میں

لیلی کے ساربان کے شتر غمزے دیکھئے
مجنوں میاں کے کان بندھے ہیں مہار میں

معلوم ہو گیا سبب اضطراب بھی
وہ کودتے ہیں میرے دل بیقرار میں

دعوت کے ساتھ ہی مری انسلٹ بھی ہو گئی
بینگن کے چھلکے ڈالے ہیں آپنے بگھار میں

بیری پہ پیر کھائے وہ ماہرو ہمارا
بندر کی نسل سے ہے وہ خوش گلو ہمارا

ملتا تو صرف تنسے شک ہینڈ مانگتا ہے
ہم ہے پھٹا کرانی کیا آبرو ہمارا

کسطرح سے عبادت اب ہو سکے گی واعظ
دیکھا آسے تو ٹوٹا فوراً وضو ہمارا

زاہد کا بھی بڑھاپا اچھا رہا پھبن میں
کچھ فرق ہی نہیں ہے داڑھی میں اور سن میں

جب چاند بج گئے تو بھاگے وہ وصل کی شب
کیا سحر تھا الٰہی ٹن ٹن ٹنا ٹن میں

دشمنی کے لئے تیار ہے بلی والا
کیوں بنایا ہمیں اللہ نے مرغی والا

کیسا ناداں ہے کمبخت سمجھتا ہی نہیں
تو مدد کو کہتا ہے اک لوٹا ہے لوٹنی والا

شب غم کی تیرگی میں یہ کہا کیا ہوں شب بھر
ڈبیا دیا سلائی فریاد رسس الٰہی

رات دن احمق بنانے میں مرے مشغول ہے
آپ ہیں پوری بلیڈی یعنی خاصے فول ہیں

کیا قلندر رہگیا میں کیا مچھندر رہگیا
یہ کچھ پہلے رکھتا تھا اب ایک بندر رہگیا

لیکے منڈی سے دیا پورا مجھے اجور کا
عاشقوں سے کام وہ لینے لگا مزدور کا

وہ بیوفا ہے مگر کتنا خاندانی ہے
کہ باپ بہشتی ہے ماں اسکی مہترانی ہے

اگرچہ اور بھی غم ہیں ہزار ہا مجھکو
شب فراق مگر سب غموں کی نانی ہے

ہر اک پلک میں ہے مضمر اک جوش شباب
کھنچی ہوئی بت سفاک کی کمانی ہے

یہ کس کے غم میں بنے سوگوار تم آخر
کہ سر کھلا ہوا ہے ساری آسمانی ہے

چڑھتے ہیں دونے ہزاروں اسکے اوپر رات دن
وہ بت بدخو مزار شیخ سعدو ہو گیا

جب سے دشمن نے پڑھائیں پٹیاں اس شوخ کو
سچ تو ہے میں تو بس اسدن سے اُلّو ہو گیا

تیرہ بختی میں ہماری داغ دل چمکے ہیں یوں
ناز جیسے اک سیہ اطلس پہ اُلّو ہو گیا

یہ ضعف کا عالم ہے کہ ہوں کہہ نہیں سکتا
مرغا ہوں مگر کوکڑوں کوں کہہ نہیں سکتا

پیرزن نے جب سنائی مرگ شیریں کی خبر
کوہ کن کی یہ خبر سنتے ہی نانی مر گئی

خیال اُن کا رہتا ہے سر پر سوار
اسی سے وہ مجھکو گدھا جانتے ہیں

سحر اٹھتے ہی آہ کرتے ہیں روز
ترے غم کو ہم ناشتا جانتے ہیں

ہے معشوق میرا جو مجھسے بڑا
اُسے لوگ میری دوا جانتے ہیں

محبت اسکو کہتے ہیں محبت ایسی ہوتی ہے
جو لوگوں کو تیرے پا جانے کی ہم کشمش سمجھتے ہیں

بلاتے بھی ہیں اور پھر بزم سے مجھکو اٹھاتے ہیں
مرے رونے کو بھی اب وہ مرے غرفش سمجھتے ہیں

اسی سے آگ لگتی ہے ہماری جان اور تن میں
تری گرمی الفت کو ہم اک آتش سمجھتے ہیں

غرض یہ ہے کہ تجھ پر ہر طرح سے جان دیتے ہیں
نہ ہم دانش سمجھتے ہیں نہ ہم کاہش سمجھتے ہیں

ملاپ میں مجھکو بند کیا جب کہ دوست نے
رغا سمجھ کے میں نے بھی شب بھر اذان دی

کی بال بال شرح ستمگر کے سامنے
مونچھیں منڈا بس اُس بت خود سر کے سامنے

پتھر بنے ہوئے ترے در پر پڑے رہے
جس بات پر اڑے تھے اُسی پر اڑے رہے

جوش جنوں میں باندھ دیے آنکھ ہاتھ پاؤں
کہنے سے رہ بندھے ہوئے شب بھر کھڑے رہے

آن کے خرام ناز نے کی شوخیاں بہت
مرے جہاں گئے تھے وہیں پر گڑے رہے

فرمائش اپنی جور و کی کرتا ہوں پھر بھی سب
گھنگرو تو لا دیے ہیں فقط اب نگڑے رہے

آزاد کیا ہے رنڈیوں نے
بوسہ کا غلام ہو گیا ہوں

پروا نہیں ہے اطلس و کمخواب کی مجھے
کیا چیز ہیں یہ میر ریا کے سامنے

لیلیٰ نے سب سہیلیوں کو حکم دیدیا
کوئی نہ کچھ کہے مری میا کے سامنے

عشرت ہے ایک مجھکو تو غم ہیں ہزار ہا
تو لے بھی کوئی چیز ہے ڈھیا کے سامنے

یوں پھر رہا ہوں اس بت کافر کے آس پاس
پھرتا ہے بچھڑا جس طرح گیا کے سامنے

تعریف کیا کروں تیرے ... کی
بیٹھا ہوا ہے گڑ میا کے سامنے

جب سے کچھ فارسی پڑھی ہے
اس روز سے تیل بیچتا ہوں
عاشق ہوں شباب پر تمھارے
اسواسطے بیل بیچتا ہوں
ہے محمل یار جو نظر میں
اونٹوں کی نکیل بیچتا ہوں

کل بلایا مجھکو اپنے محفل مولود میں
میں چرا لایا وہاں سے چند ہنڈیاں کھیر کی
بھائی نے بھی تو پیا ہے ساتھ آخر ماں کا دودھ
کیوں بہن کے واسطے ترکیب ہے ہمشیر کی
زاغ نامعقول کہتے ہیں بیٹھے اے نازدہ
جب سے مسہل میں ضرورت ہے انھیں انجیر کی

کیا بتائیں کہ ہمیں رنج ہیں کیا اے ناز
یہی کیا کم ہے کہ کل رات کو انیوں نہ ملی
مست میں رات کو بیٹھا تھا کہ وہ آپہونچے
میں نے ڈھونڈی بھی مگر مجھکو لنگوٹی نہ ملی

سر منڈا کر ہاتھ میں تسبیح لیکر رات ناز
جانب میخانہ ہم پہونچے تو پٹوا لے گئے

بدلتی ہی نہیں عادت مری محبوب بھٹیاری
وہی کدو کا سالن ہے وہی بیگن کی ترکاری

بہت بیتاب تھی دلمیں مرے طاقت جوانی کی
ملی بیت الخلا میں ایک لڑکی مہترانی کی
تری خاموشیوں نے تجھکو نظروں سے گرایا ہے
ادائیں تجھسے اچھی ہیں ابھی تک تیری نانی کی

سر میدان الفت عاشقوں کے خون پی پی کر
ٹماٹر بنگیا ہے یا چقندر..... والا
یہاں جاڑوں کے موسم میں لنگوٹی بھی نہیں ملتی
وہاں پہنے ہوئے پھرتا ہے چیٹر..... والا

جو ہم خوشی سے کسیر و سا سر منڈاتے ہیں | تو کس غضب کی وہ آکر چپت لگاتے ہیں
اُسے وہ قتل کر دیتا ہے جس نادان سے ملتا ہے | نسب معشوق کا ایسے ہلاکو خاں سے ملتا ہے

نازنین - تذکرہ نساخ میں ان کا نام علی بیگ لکھا ہے - مگر تذکرہ صابر میں ایک عورت کا تخلص ہے بیان کیا ہے اور یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ علی بیگ کا تخلص نہیں ہے چنانچہ لکھتے ہیں " غلط فہمان اداشناس کی نظر میں تخلص ہے مرزا علی بیگ نام جوان خوش اسلوب رستم تواں بزور و قوت سہراب طاقت کا - نازنینان کشور جمال اس کے حسن یوسفی پر اگر زلیخائی کا دم بھریں کچھ دور نہیں اور نازک نہالان گلشن حسن اُسکے گل رخسار کی نازکی سے اگر آپکو غنچہ برگ ریز تصور کریں تو کیا عجب ہے - اس کے خم کے آگے زور آزمایان رزمخانہ طاقت کا سر جھکتا ہے - اور اس کے نعرۂ مردانہ کے سامنے شیر صولتاں بیشۂ شجاعت کا دم بند ہوتا ہے - اور یاران اداشناس اور حریفان اداشناس جانتے ہیں کہ نازنین نام ہے اس حیلہ آفریں شعبدہ ایجاد کا ناز و انداز و غمزہ طرازی و عشوہ سازی گاہ عشاق بے قرار سے لطف کے پردہ میں جان کا خواہاں ہونا اور گاہ اغیار نامحرم کی بغل میں بے تکلف سونا الخ " بہرحال یہ دہلی کے رہنے والے تھے اور استاد ذوق کے شاگرد تھے - ریختی گوئی میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے - چنانچہ مولوی عبدالغفور نساخ نے ان کے کلام کو جان صاحب کے کلام پر ترجیح دی ہے - یہ صاحب دیوان تھے - مگر اب صرف تذکروں میں کلام ملتا ہے - دیوان ناپید ہو گیا - تذکرہ صابر کی ترتیب یعنی ۱۲۷۱ھ تک زندہ اور بخیریت دہلی میں موجود تھے - ذوق سے ان کو خاص محبت تھی - چنانچہ اُن کی وفات کا قطعہ تاریخ کہا ہے - جسکے لفظ لفظ سے عقیدت اور محبت کا چشمہ جوش مار رہا ہے -

نہیں تازنیں رنج کرتی کسی کا — گیا جب سے پارا اور حرمت ہے کھوئی
بلا سے رکھوں شاد دل کو تو اپنے — اگر میں نے کنبے کی عزت ڈبوئی
خصم جب موا لونڈیوں کو رلایا — کہ اس پردہ میں نام رکھے نہ کوئی
ولیکن مجھے کاملوں سے ہے الفت — غم و ذوق میں رات بھر میں نہ سوئی
لکھی ان کی تاریخ اور یہ ہوا غم — میاں ذوق کو میں بوا آپ روئی

اسی رنگ میں قطعات نہایت عمدہ عمدہ کہے ہیں تذکرہ قطعہ منتخب سے ایک قطعہ نقل کرتا ہوں۔

تازنیں اتنا بھی ہرجائی پتا — یہ تمھارے آگیا کیا دھیان میں
روز اک دگھڑے کی ہیں مہمانیاں — روز رہتی ہو اسی سامان میں

نمونہ کلام ریختی یہ ہے۔

ہوئی عشاق میں مشہور یوسف سا جوان کا — بوا ہم عورتوں میں تھا بڑا دیدہ لگا کا
میں اپنے سر کو دھوتی ہوں بوا اور یہ تماشا ہے — موا بیٹھا ہے کیا خوش خوش کہ دل آیا تقاضا کا

کوئی بیٹھا ہو تجھے ہے کام اپنے کام سے — اے نگوڑے آدمی تو تو جواں ہو گیا
سونا کبھی شوہر کو میسر نہیں ہوتا — عورت انھیں باتوں سے ترا گھر نہیں ہوتا
ایسا کسی قحبہ نے لبھایا تھا کہ شب بھر — لیٹا تو رہا پاس پہ کوسوں ہی نہیں تھا
میری نماز کھوئی اس مردوے نے آکر — اٹھی تھی اے دوا میں کمخت ابھی نہا کر
اے زناخی مردوا ہے بدگمان — تو نہ کر باتیں ہمارے کان میں
رات بھر ہو وہی بات اور وہی چوما چاٹی — اے دوا ایسے نہ دیدیں پڑا کا مجھے
فوارہ کی طرح سے ذرا بھی نہ تھم سکے — تم ایک بوند پانی پہ کتنا اچھل گئے
دس گھر تو چھپٹ چکے ہیں کیا تنک کر دل خصم — کس جا بٹھائے دیکھیے اب آسماں مجھے

نازک ۔ دور موجودہ کے ایک شاعر ہیں جنھیں ریختی گوئی کا بدرجہ اتم شوق ہے پرائیوٹ ایک مشاعرہ کرتے ہیں اور اسمیں مخصوص مخصوص اپنے احباب کو بلاتے ہیں جن میں خوب خوب داد ظرافت دیجاتی ہے۔ لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ اب تک نہ اس رنگ کا کوئی کہنے والا کوئی آپ کو جانتا ہے اور نہ اُن لوگوں سے کوئی واقف ہے جو اس صحبت میں شریک ہوتے ہیں وہ اُس کو یہانتک چھپاتے ہیں کہ میرے اصرار کے باوجود بھی مجھکو زیادہ کلام نہیں دیا گیا۔ اور یہ نہ اجازت دی گئی کہ آپ کا وطن اصلی آپ کی لیاقت اور آپ کا نام تذکرے میں لکھوں تخلص ہی تخلص ہے گو آپ کا قیام فی زمانہ لکھنؤ میں ہے۔ مگر لکھنؤ آپ کا وطن اصلی نہیں ہے۔ آپ ایک بہترین شاعر ہیں۔ گو رنگ ریختی میں میرے نزدیک ابھی تک پختگی پیدا نہیں ہوئی ہے مگر اسیطرح مشق جاری رہی تو جلد آپ معراج ترقی پر پہونچیں گے۔

خدا بچائے بوا مردوں کے دیدے سے — کہ تاک جھانک لگاتے ہیں یہ ندیدے سے

کو سا بچی کو تو دیدے ہی نکلوا لوں گی — سات لالوں میں یہی ایک رہا ہے بنو

چار میں بیٹھ کے کیا آنکھ اٹھائے کوئی — طاق بھر نے جو اکیلی چلی جائے کوئی

انگلیاں بھونک کے آنکھ نہیں جھپکا یا شب بھر — نوج نرگس کو بوا ساتھ سلائے کوئی

میں تو لڑتے میں بوا صاف یہ کہدیتی ہوں — منھ سے کہہ دے ہمیں یہ دنے دکھائے کوئی

میں نگوڑی کہیں آئی نہ گئی اے بنو — پھر بھی لاکھوں مجھے الزام دے جاتے ہیں

اکیلے رات کو کیوں آئے تم یہاں مرزا — جو کائیں کائیں مچانے لگی موئی بطخ

ندیدی ایسی کہیں نوج ہو کوئی چھنیا — اب انڈے دے کے بھی کھا نیگی موئی بطخ

بیٹوں والی پوتوں والی — ہاتھوں میں چھلے کانوں میں بالی

دانتوں میں مسی دانتوں پر سہرا — ماتھے پہ افشاں ہونٹوں میں لالی

میں نے سب کو سمجھا ہے — سب ہیں میری دیکھی بھالی

ناطق تخلص ہے میرے استاد مکرم مولوی سید ابو الحسن صاحب کا
وطن اصلی گلاوٹھی ضلع بلند شہر ہے۔ مگر اپنے کاروبار کے سلسلہ کی وجہ
سے ناگپور سی پی میں مقیم رہتے ہیں۔ مولانا عربی فارسی انگریزی اردو
ناگری کے منتہی فاضل ہیں اور لطف یہ کہ آپ کو تمام درسیہ کتابیں مستحضر ہیں
شاعری میں آپ استاد داغ مرحوم کے ایک مایۂ ناز شاگرد ہیں اور اسیوجہ
سے زبان پر اتنی زبردست قدرت ہے جسکا جواب نہیں۔ محاورہ بندی کا آپکو
نہایت زبردست شوق ہے۔ اور اسمیں سوائے ذوق مرحوم کے شائد کسی
شخص کو کبھی اتنی کامیابی نہیں ہوئی۔ آپ کی غزلیں زبان میں ایسی ایسی
ہیں کہ دوسری جگہ اُن کی نظیر نہیں۔ زود گوئی کے ساتھ خوشگوئی اور سخن
فہمی آپ کا خاصہ ہے۔ غزلیات کے علاوہ نیچرل نظموں میں بھی آپ کو قدرت
حاصل ہے۔ نطق ناطق آپ کی نیچرل نظموں کا مجموعہ عرصہ ہوا کہ طبع ہو چکا ہے
عرصہ سے چونکہ آپ کو سیاسی امور سے ایک گہری دلچسپی ہو گئی ہے۔ اسواسطے اب
اب مہینوں سے یہ نوبت بھی نہیں آتی کہ آپ کوئی غزل لکھیں۔ البتہ آپنے
دیوان غالب کی جو ایک شرح لکھی ہے وہ بہ تسلسل جلوۂ یار ہیں شائع ہو رہی
ہے۔ راقم الحروف سے آپ کی قرابت بھی ہے سنہ ۱۹۰۸ء میں آپ سے نیاز حاصل
ہوا اسوقت سے آپ کی خاص عنایات اُسی زار کے حال پر مبذول رہیں۔ گو
اب عرصہ سے خط و کتابت بھی متروک ہے۔ مگر بعد معنوی نہیں ہے۔ آپ ظرافت
کو مستقلاً نہیں کہتے۔ لیکن بعض مرتبہ اسکا بھی اتفاق ہوا ہے اسیوجہ سے اکثر غزلوں
غزلوں میں ظریفانہ شعر نکل جاتے ہیں جنھیں مہذب ظرافت کے دائرہ میں رکھنا
چاہیئے۔ چنانچہ ذیل میں کچھ اشعار اسی انداز کے لکھتا ہوں۔ آپ کی عمر اب
تقریباً ۴۰ سال ہوگی۔

آئے گا تو کیا گھول کے پی جائیگا دشمن — دیکھو تو ہمیں ہم بھی نہیں منھ کے نوالے
کچھ غیر کو ملجائے گا انعام وفا کا — اس شوخ نے کچھ ہمکو اڑائے ہیں دوشالے
گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے بلا طوار — دشمن نے تو کچھوے کی طرح پاؤں نکالے
پہلے تو اڑے مجھسے وہ آکر مرے بس میں — جب بس نہ چلا کچھ تو کہا صبر حوالے

رنجش بے جا نکالی جائیگی — یہ مروت کس سے پالی جائیگی
دھر لیا جائیگا واعظ چھیڑ کر — دختر رز کو تو الی جائیگی

نکل دل سے جو تو عادی نہیں ہے کوتوالی کا — خدا کے گھر میں ہے کیا کام ایسے بے نمازی کا

ہمارے میکدے میں محتسب کا ڈر نہیں واعظ — کہ پہلے ہی یہاں حصہ نکل جاتا ہے قاضی کا

دھر مس پاؤں تو دریاں بھی پڑے پاؤں دہاں — مار دوں ہاتھ اگر پاؤں کی آواز سنو

مذاق ہے یہ جفا کچھ جفا نہیں ہمدم — یونہی وہ دیکھ رہے ہیں ذرا ستا کے مجھے

ایک صاحب جو مولانا کو ہمیشہ دوستانہ نصائح کر کرکے پریشان کیا کرتے تھے اُن کے لئے ایک شعر کہا۔

یہ مقولہ ناصح مشفق پہ پھبت ہو گیا — موتنا آیا نہیں اور اونٹ بوڑھا ہو گیا

ایک مرتبہ ماوران جنگ عظیم میں ایک قطعہ لکھا تھا جسکا ایک یہ شعر ہے۔

آتی مثل صادق ہے اسوقت قسطنطنیہ پر — ساری خدائی اک طرف جورو کا بھائی اک طرف

ناگپور میں ایک صاحب تھے جو بظاہر درویش تھے باطن کو خدا جانے کہ کیا تھا

اتفاق سے مولانا سے اور ان سے کچھ سخت باتیں ہوگئیں اور بڑھتے بڑھتے انجام دشمنی تک پہونچا۔ اسپر مولانا نے یہ رباعیاں لکھیں۔

دولت کا ہمیشہ ایک دستور نہیں — جز خوبی بخت ہمکو منظور نہیں
لگتی نہیں روز ہاتھ اندھے کے بٹیر — ہر شخص جو لنگڑا ہے وہ تیمور نہیں

بدنسل کی اصل پر نظر ہے کہ نہیں — ناطق کو نسبت کی خبر ہے کہ نہیں
دشمن کی کمینہ پن پہ حیرت کیا خوب — دادی ڈھرنی تھی وہ اثر ہے کہ نہیں

خمار ہے جب خم سے بدلکر بدخو — ایماں کی مردود نہیں تجھ میں بو
بیوجہ ابوالحسن کا دشمن کیوں ہے — اولاد یزید ہے کہ ابن ملجم ہے تو

چند لوگ تھے کہ اُن درویش کی حمایت میں مولانا سے کاوش رکھنے لگے۔ مگر فوجی لوگ تھے جنگ جزئی شروع ہوئی اور اُن سب کو جنگ میں جانا پڑا۔ مولانا کو ایک موقعہ ملا یہ رباعیاں کہیں۔

جو گولی سے مارنے کو تھے ناچار — وہ توپ کے منھ میں جا پڑے آخر کار
حق کے لئے ناطق سے عداوت جنھوں نے کی — ہو جائینگے رفتہ رفتہ سارے فی النار

سچ بولنے والا آبرو کھوتا ہے — سچا جھوٹے — وتا ہے
یہ سچ ہے مگر دیکھو تو سچ پھر سچ ہے — سنا یارو جھوٹے کے منھ میں گو ہوتا ہے

نسبت — میر احمد علی نام تھا۔ نسبت تخلص فرماتے تھے۔ لکھنؤ کے مشہور و معروف رنگینی گو تھے۔ جان صاحب کے معاصر تھے۔ بلکہ جان صاحب نے اپنے

دیوان میں جا بجا ان کے کمال کا اعتراف کیا ہے۔ میں نے بھی ان کا دیوان دیکھا ہے اگرچہ لکھنویت اسمیں کافی موجود ہے رعایات لفظی کا گورکھ دھندا اسمیں اسقدر نظر آتا ہے کہ اس سے طبیعت گھبرا اٹھتی ہے۔ مگر پھر بھی جان صاحب کے کلام سے ان کا کلام نسبتاً اچھا ہے بعض جگہ حد و د اعتدال سے بڑھ جاتے ہیں اور ریختی سے گزر کر فواحش کی خبر لاتے ہیں۔ بعض جگہ کلام میں ضرورت سے زیادہ پھیکا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر مجموعی حیثیت سے ان کا کلام بہت اچھا ہے۔ افسوس ہے کہ اسوقت میرے پاس دیوان موجود نہیں ہے۔ مجبوراً دو شعر تذکرۂ نساخ سے اور باقی اپنی یاد سے لکھتا ہوں۔

اے دوگانا وہ اگلی آنکھ نہیں — مجھ سے تیری یہ پھر گئی ہے آنکھ
بل ہر اک شخص سے جو کرتی ہے — کسی بانکے سے کیا لڑی ہے آنکھ
کیوں لال... والے کا تم لیتی نام ہو — فجری فجر نہ نام لو اچھی بڑی بوا
محل میں خواجہ بدامی پنجھوٹنے پاوے — یہ حکم آیا ہے انا جناب عالی کا
پھٹے میں ہر کسی کے پاؤں تم کیوں دیتی ہو خانم — بھلا ہے شوق اے بی بی تمہیں جھگڑا چکانے کا
...کھولے کیوں پڑی پھرتی ہو کیا ماموں ہوا — دیکھو کپڑا آکے ڈھانکو کیا تمہیں ہوں ہوا
بس پڑے ہٹ اتنا بیلا پن مجھے بھاتا نہیں — ہو گیا تو اور ابھی سارا نہیں.....
شمع جلوا تو لگی ہیں... میں تیری لونڈی — جو بھلا چاہتی ہے کر مرا زیور پیدا
کہتی ہے انگلی سی گھر بار بسایا اس نے — کرتی کیوں اپنے بنے پر ہی تو بہتان بنی
چھاتیاں کھولے جو درائی چلی آتی ہو — اجی بھنوئی ہے بیٹا نہیں شرماتی ہو
نانی ماموں کہیں نہ دے وہ دیکھو پہن بھی کھائی دے ہے — مجھے چھپا دو کہ مارے ڈر کے کلیجہ میرا دھڑک رہا ہے
جاتا ہے وہ اندھیرے میں اسکے واسطے — ایسا نہ ہو میانی میں باندھی چراغ شمع
کیلے کو دیکھکر مرا جی کلبلا اٹھا — اے کاش کے نہ آتی میرا آن باغ میں

اوپر کے دل سے بنو یہ کہہ لیں نہیں نہیں
جب مردوا ملے تو یہ دیکھیں نہیں نہیں
مجھکو یہ نسبت نہیں ملتیں ہیں تیری بھاتیاں
جب نہ تب آکر جو تو ملنے لگے ہو.....

نظر۔ جناب احسن لکھنوی کے بھائی ہیں غالباً مشاعروں میں بہت کم شرکت کرتے ہیں ایک غزل دستیاب ہوئی جو درج کرتا ہوں افسوس کہ زیادہ حالات معلوم نہیں ہوئے۔

لطف آجائے تو بنوٹ سے کرون نہ جدا
سر جدا پاؤں جدا ہاتھ جدا شانہ جدا
پانی کے پینے کو رکھتا ہوں نہیں پیالہ نہ جدا
کھچڑی کھاتا ہوں میں وہ جسکا ہو شیرانہ جدا
دیکھ لو چاندی پہ ہے سونے کا پانی یہ پھرا
روشنی رکھتا ہے ملبوس شریفانہ جدا
آتی ہے جنگلی کبوتر کی غٹرغوں کی صدا
دور ہے بستی سے لے پیارے یہ ویرانہ جدا
عشق کمبخت نے دونوں کو بنایا پاگل
وہ سڑی ہو گئے میں ہو گیا دیوانہ جدا
بالٹی مے کی بھر دل پینے کو گھٹنوں گھٹنوں
ٹانک کی ٹانک ہو پیمانہ کا پیمانہ جدا
خال کو چاہتے مٹی سے بہت دور ہے
دیکھ لو رہتا ہے عناب سے بہدانہ جدا

نظیر۔ شیخ ولی محمد نام تھا۔ آگرہ میں بیرون شہر روضہ تاج گنج کے قریب رہتے تھے اور معلمی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ نہایت خلیق وضعدار زندہ دل بزرگ تھے۔ جوانی میں نہایت شوقین تھے اور شہر کے تمام میلوں ٹھیلوں اور جلسوں میں شرکت کرتے اور ان کے تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے تھے میل ملت میں نظیر نہ تھے بلکہ بے نظیر تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ صبح کو ملنے جاتے تھے تو شام ہو جاتی تھی۔ مذہب شیعہ رکھتے تھے۔ مگر اتنے بے تعصب اور نیک مزاج تھے کہ تفریق تو درکنار ہندوں سے بھی وہی ربط وضبط اور خلوص تھا۔

جو مسلمانوں سے تھا۔ اصل یہ ہے کہ ان کا مذہب حکمائے یونان کے مقولہ کی مطابق صرف درستی اخلاق اور تکمیل صفات انسانی تھا۔ ان کو شیعہ محض اسی خیال کی وجہ سے کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے دوسرے سنی شعرا کی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی تعریف نہیں کی۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کی منقبت میں غلو اور مبالغہ کیا ہے۔ مگر بقول شہباز مرحوم مصنف زندگانی بے نظیر یعنی سوانح عمری نظیر" میاں نظیر جب مر گئے تو ہندو شاگردوں نے چاہا کہ اپنے طور پر ان کی موت پر اظہار تاسف کریں۔ نظیر کے خاندان کے لوگوں نے کچھ مخالفت کرنی چاہی تو ان ہندوؤں نے کہا کہ اگر مخالفت کروگے تو گرونانک شاہ کا حال ہوگا۔ کہ نصف چادر مسلمانوں نے دفن کی تھی نصف جلائی گئی تھی۔ اس تقریر پر وارثوں نے تعرض چھوڑ دیا۔ اور ان کو اپنے طور پر نظیر مرحوم کی صلح کل کا خراج ادا کرنے دیا" جب نظیر کا انتقال ہوا کئی ہزار آدمی ہندو مسلمان جمع تھے۔ چونکہ ان کا مذہب اثنا عشری تھا بڑی دھوم سے نماز جنازہ حسب مذہب اثنا عشری پڑھائی گئی۔ مگر دو نمازیں پڑھی گئیں جسقدر ان کے شاگرد اہل سنت تھے۔ انھوں نے الگ اپنا گروہ کرکے نماز پڑھی۔ اور اوپر کی چادر ان کی پارچہ پارچہ کرکے اہل ہنود لے گئے۔ نہیں معلوم ہندو شاگردوں نے پارچے رکھے جلائے کیا کئے" روز دوشنبہ ۲۶ صفر ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۶۔ اگست ۱۸۳۰ء اور بقول بعض ۱۲۴۳ھ میں انتقال کیا۔

نظیر کے کلام میں تمام اصناف سخن یکساں طور پر پائی جاتی ہیں جن کو دیکھکر ماننا پڑتا ہے کہ وہ قادر الکلام اور جملہ اصناف بلکہ تمام رنگوں پر یکساں قدرت رکھتے تھے نہایت زود گو اور پر گو واقع ہوئے تھے بات بات پر بڑی بڑی نظمیں کہدینا ان کے نزدیک ایک معمولی بات تھی۔ اور لطف یہ کہ ہر مذہب کے موافق اور ہر مسلک کے مطابق۔ شہر کی مشہور چیزوں۔ کھانوں۔ عمارتوں۔ میلوں۔ بازیگروں۔ تماشوں وغیرہ کا ذکر دینا

کی بے حقیقتی - اور اہل جہاں کے طور و طرق کا تذکرہ - دولت - مفلسی - عیاشی - تماشبینی بھنگ - چرس - افیون - وغیرہ وغیرہ کے متعلق بڑے زبردست نظمیں اُن کے یہاں ملتی ہیں - ہندوؤں کے تہوار - دسہرے - ہولی - دیوالی - کنہیا جی کے جنم لینے کی کیفیت بھی اسی جوش و خروش سے بیان کرتے ہیں جس طرح مسلمانوں کے عید بقرعید - محرم شبرات کا ذکر کرتے ہیں - دونوں سے یکساں محبت - دونوں سے ایک سا برتاؤ - دونوں سے وہی خلوص - وہی دوستی - یا مسلمان اللہ اللہ یا برہمن رام رام پر عامل - لفظوں کی وہ افراط کہ ایک ذخار دریا موجیں مارتا دکھائی دیتا ہے - معانی کی وہ بہتات کہ شہوار موتیوں کا انبار نظر آتا ہے - بیان کی سلاست ایسی کہ کہیں رکاوٹ کا نام نہیں - بندش کی وہ چستی کہ کڑی سے کڑی ملی چلی جاتی ہے - تصویر کشی اور محاکات کا یہ عالم کہ جب تاج گنج کے روضہ کی تعریف ہم پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں اس کے ایک ایک نقش و نگار ایک ایک جالی کو دیکھ لیتی ہیں جب ریچھ والے کی تعریف نظر آتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک قلندر کان چھدوائے سر پر بڑا سا پگڑ باندھے ہاتھ میں موٹا سا سونٹا لئے - ریچھ کے بچے کی نکیل پکڑے اسکو نچا رہا ہے اور اپنے سونٹے سے اسکو سدا رہا ہے - دنیا کی بے بقائی اور عالم کی بے ثباتی کے اشعار سامنے آتے ہیں تو دل کو یقین آجاتا ہے - کہ روپیہ پیسہ دہن دولت - مال و اسباب سب ہیچ - ہم - اور ہماری خواہشات لایعنی - ہماری بود و بے بود - ہماری ہستی عین فنا ہے - دیوالی کی تعریف پڑھتے ہیں تو ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں کہ در و دیوار پر چراغاں ہے - مٹھائی کی دوکانیں سجی ہوئی ہیں - مٹی کے کھلونے بیچنے والوں کی دوکانوں کی دو طرفہ قطاریں لگی ہوئی ہیں - بھڑبھونجے کھیلیں بیچ رہے ہیں - دنیا کی رسم و رواج کے پابند رومالوں میں کھیلیں باندھ باندھ کر لیجا رہے ہیں - جواری اپنے اپنے اکھاڑوں میں اترے ہوئے ہیں - چھ نو آٹھ

کے داؤں کی آوازیں بلند ہوئیں۔ شوقین مزاج گھوم رہے بازار کی رونق کا لطف اٹھا رہے ہیں۔ بعض بڈھے اپنے بچوں کی انگلی پکڑے دکان دکان دکھاتے پھر رہے ہیں۔ تماشائیوں کا ہجوم ہے۔ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی غرضکہ اسی طرح ہر ایک نظم میں جزئیات سے بحث کرنا نظیر کا خاص حصہ ہے۔

گو بعض نقادوں کی رائے سراسر نظیر کے خلاف ہے۔ مگر یہ ایک صریح ظلم ہے حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین نے نظیر سے بہتر کوئی شاعر پیدا نہیں کیا۔ وہی ایک شخص ہے جسے ایران کا سعدی اور انگلینڈ کا شیکسپیر کہہ سکتے ہیں۔ وہ نظمیں جو آج نیچرل کے نام سے مشہور ہیں جن پر جدید طرز کا انحصار ہے اُن کا موجد نظیر ہی کو ماننا پڑے گا۔ نظیر کے انتقال کو سو برس سے زیادہ کا زمانہ ہو گیا مگر اسکی زبان آج کی زبان ہے۔ اسکی بندش اتنی ہی چست ہے جتنی ہونا چاہیئے۔ اسکی مثنوی غزل رباعی اردو فارسی کا ایک درجہ ہے۔

نظیر کی ظرافت اگرچہ ہزل اور بعض دفعہ فواحش تک پہونچ جاتی ہے مگر اس کے الفاظ و خیالات اُسکو بے مزہ اور پھیکا نہیں ہونے دیتے۔ اسکی ظرافت میں تصنع اور آورد کا نام نہیں ہے جس طرح اُسکی صوفیانہ نظمیں اپنی روانی وغیرہ میں لاجواب اور عدیم المثال ہیں اسی طرح ظریفانہ اشعار جس طرح اُنمیں درد ہے اسیطرح ان میں اثر ہے وہ اور لوگوں کی طرح نہیں تھا جو طبیعت کو ظرافت گوئی کی طرف آمادہ اور مجبور کرتے ہیں۔ بلکہ طبیعت خود اسکو اُکساتی اور ظرافت کے وادی کی طرف لے آتی ہے۔ جس کا نمونہ جستہ جستہ درج کیا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظیر کی نظمیں جب پوری پوری لکھی جائیں تب خاص لطف آتا ہے۔ یا اگر اُن میں سے اسکی ظرافت کا انتخاب کم از کم پورا کر کے پیش کرنا چاہیئے۔ مگر دونوں صورتوں میں معمول سے زیادہ طوالت ہے لہذا

بہت ہے ہلکا اور کم انتخاب کرکے ہزلیات و فواحش کو نظر انداز کرتا ہوں۔

بڑھاپا

آگے تو پریزاد یہ کہتے تھے ہمیں گھیر — آتے تھے چلے آپ جو لگتی تھی کہیں دیر
لو آکے بڑھاپے نے کیا اور یہ اندھیر — جو دوڑ کے ملتے تھے وہ اب لیتے ہیں منہ پھیر
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

آگے تھے جہاں گلبدن اور یوسف ثانی — دیتے تھے ہمیں پیار سے پھولوں کی نشانی
مرجائیں تو اب منہ میں نہ ڈالے کوئی پانی — کس دکھ میں ہمیں چھوڑ گئی ہائے جوانی
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

ہم بھی تھے جوانی میں بہت عشق کے پورے — وہ کون سے گلرو ہیں جو ہمنے نہیں گھورے
اب آکے بڑھاپے میں کئے ایسے ادھورے — پر جھڑ گئے دم اُڑ گئی پھرتے ہیں لنڈورے
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

کیا یار گیا ہمسے الٹ ہائے زمانا — جو شخص کہ تھے اپنی نگاہوں کا نشانا
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے دادا کا بہانا — ہنسکر کوئی کہتا ہے کہاں جاتے ہو نانا
سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

پوچھیں ہیں جسے کہتا ہے کیا پوچھے ہے بڈھے — دیکھیں ہیں جسے کہتا ہے کیا دیکھے ہے بڈھے
بیٹھیں ہیں تو ہو دھوم کہاں بیٹھے ہیں بڈھے — آویں ہیں تو یہ غل کہ کہاں آوے ہے بڈھے

سب چیز کو ہوتا ہے بُرا ہائے بڑھاپا
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا

نظیر بلبلیں لڑاتے ہیں

کل بلبلیں جو نو دس قابو میں اپنے آئیں — اسمیں سے دو پکڑ کر کشتی میں دھر بھڑائیں
یہ شور سن کے خلقت دوڑائی دائیں بائیں — کوئی بولا واہ حضرت کوئی بولا واہ سائیں
سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

دس میں تو دو ازل کٹ کٹ لڑتی تھیں کے گڑا — جب تیسری کو چھوڑا پھر تو ہوا تنگڑا
خلقت یہ آکے ٹوٹی چھوڑا اپنا اپنا اڈا — کڑکی کسی کی پسلی ٹوٹا کسی کا ہڈا
سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اس ڈھب سے ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

تھی تین کی یہ کشتی چوتھی کو اسمیں چھوڑا — اُس نے تو خم بجا کر تینوں کو دھر جھنجھوڑا
پھر تو یہ پھٹکا آکر اُن کشتیوں کا کوڑا — چھوٹا کسی کا ہاتھی بھاگا کسی کا گھوڑا
سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اسطرح ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

اک کنکری جو ماری پڑھ ہمنے پھر فسوں کی — کشتی میں گٹھری بندھ گئی ان چاروں بلبلوں کی
سن سن کے چیخیں انکی لڑنے میں غرغوں کی — سب بولے واہ حضرت اچھی یہ پڑھ کے پھونکی
سو سو طرح کی دھومیں اکدم میں کر دکھائیں
اسطرح ہمنے یارو کل بلبلیں لڑائیں

بھنگ کی تعریف

ہیں اس نشے میں ظالم سو رنگ کے دھڑکے
کونڈی کی ڈھلکا ہٹ سونٹے کے سو کھڑکے
گرو دیکھتی ہیں تجھکو کچھ عیش کے جھڑکے
تو جھاڑ اپنے پنجے اور سر کو جھڑ جھڑ اسکے
پی عاشقوں میں آکر دو بھنگ کے پیالے
جو ایک دم میں تیرا گھر گھومے چھپر ہالے

کیوں بہت بیٹھا ہے ڈالے کان میں غفلت کا تیل
خلق میں کیا کیا مچی ہے سبزیوں کی ریل پیل
کھول زلف عیش کو اور ڈال بیلے کا پھلیل
پھر چڑھا دے آسمانی عیش پر عشرت کی بیل
کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

مرشد مولا سے پوچھا میں نے اے پیر زمن
میری کچھ لگتی نہیں اللہ سے دل کی لگن
ہنسکے بولے وہ بتائیں ہم تجھے اس کا جتن
جا شتاب اور جلد سبزی لیکے اک دو چار من
کونڈی سونٹے کو بجا اور دیکھ ٹک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو غافل بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

اندھیری رات

جب یار چلا اڈھر کے کالا سا دوشالا
کمبل کو ادھر ہمنے بھی کاندھے پہ سنبھالا
جا مل گئے اور دل کا بھی ارمان نکالا
منہ اسکے رقیبوں کا کیا خوب سا کالا
کیا وصل کی رکھتی ہے کرامات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

بوسہ لیا منھ موڑ الگ ہو رہے چپکے — چھاتی سے لگا چھوڑ الگ ہو رہے چپکے
سینے کا وہ پھل توڑ الگ ہو رہے چپکے — اغیار کا سر پھوڑ الگ ہو رہے چپکے
کیا وصل کی رکھتی ہے کرامات اندھیری

کل یار نے اور ہنسے چوپل مل کے گلابی — اور عیش لگے کرنے جو ہو ہو کے شرابی
اتنے میں رقیب آگیا بو سونگھ شتابی — گر چاندنی ہوتی تو بڑی ہوتی خرابی
ٹالے ہے سب آئی ہوئی آفات اندھیری

سوتے تھے جو ہم اُسمیں سُنے غیر کے کھٹکے — چھپ چھپ گئے اُٹھ دونوں ہیں نیچے پلنگ کے
ہم ہنستے رہے اُسنے ڈھیک ڈھوے جو مارے — کتنا ہی ٹٹولا جو اجالا ہو تو پاوے
چوری کی بھی رکھ لیتی ہے کیا بات اندھیری

بسنت

جب پھول کا سر سوں نے ہوا آکے کھنستا — اور عیش کی نظروں سے نگاہوں کا لڑنتا
ہم نے بھی دل اپنے کے تئیں کر کے نچنتا — اور ہنس کے کہا یار سے اے لکڑ ہونتا
سب کی تو بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

تھے اپنے گلے میں تو کئی من کے پڑے ہار — اور یار کے گجرے بھی تھے اگ دہون کی مقدار
آنکھوں میں نشے مے کے اُبلتے تھے دہاں دہا — جو سامنے آتا تھا یہی کہتے تھے للکار
روں کی بسنتیں ہیں پہ یاروں کا بسنتا

برسات کی بہاریں

جو کسبیاں جوانیں حسنو نمیں پرتیاں ہیں — سینوں میں لال انگیاں اور لال کرتیاں ہیں
نظریں بھی بدلیاں ہیں دلیں بھی سرتیاں ہیں — اک اک نگہ میں کافر بجلی بھی بھرتیاں ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

جو نوجواں ہیں انکی تیاریاں بڑی ہیں — ہاتھوں میں لال چھڑیاں کوٹھوں پر کھڑی ہیں
اور وہ جو آشنا سے جھگڑی ہیں یا لڑی ہیں — منھ کو چھپا پلنگ پر مچلی ہوئی پڑی ہیں

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کوئی اپنے آشنا سے کرناز کا جھپٹا — کہتی ہے ہنسکے کافر چٹکی لے یا نہٹا
تجھ سے تو دل ہمارا اب ہو گیا ہے کھٹا — تم آج بھی نہ لائے رنگوا مرادو پٹا

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

کتنوں نے قول باندھا معمولی ٹیکے پیسے — کہتی ہیں شاد ہو کے یوں اپنے آشنا سے
برسات بھر تو ہل کے سنتے ہو جاں پیارے — احمق ہو جو پلنگ سے اب موتنے کو اترے

کیا کیا مچی ہیں یارو برسات کی بہاریں

بھنگ

الفت کے زمرد کی یکجہت کی بوٹی ہے — پتوں کی چمک اسکی کمخواب کی بوٹی ہے
منھ جسکے لگی اُسکے پھر کا ہیکو چھوٹی ہے — یہ تان ٹکورے کی اس بات پہ ٹوٹی ہے

کونڈی کے نقارے پر ٹھنکے کا لگا ڈنکا
نت بھنگ پی اور عاشق و رات بجا ڈنکا

سخاوت و عشرت

یہ نعمتیں ہیں جتنی جو کچھ ملیں سو کھا جا — تاش اور بادلے میں اک بار جگ بگا جا
پاپی بخیل مت بن داتا سخی کہا جا — اکدم تو اپنا ڈنکا من مانتا بجا جا

دل کی خوشی کی خاطر چکھو ڈال مال دہن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھو کفن کو

ریچھ کا بچا

کہتا تھا کوئی ہمسے میاں آؤ قلندر
وہ کیا ہوئے اگلے جو تمھارے تھے وہ بندر
ہم اُن سے یہ کہتے تھے یہ پیشہ ہے قلندر
ہاں چھوڑ دیا بابا انھیں جنگلے کے اندر
جس دن سے خدا نے یہ دیا ریچھ کا بچا

روٹیاں

جب آدمی کے پیٹ میں آتی ہیں روٹیاں
پھولے نہیں بدن میں سماتی ہیں روٹیاں
آنکھیں پری رخوں سے لڑاتی ہیں روٹیاں
سینہ اُپر بھی ہاتھ چلاتی ہیں روٹیاں
جتنے مزے ہیں سب دکھاتی ہیں روٹیاں

نوچی اور نائکا کی لڑائی

مرتی نہیں بہنیا یہ گزرتی نہیں ڈھڈ ہو
اور قہر خدا سے بھی یہ ڈرتی نہیں ڈھڈ ہو
لب اپنے ذرا بند یہ کرتی نہیں ڈھڈ ہو
کیا سخت خرابی ہے یہ مرتی نہیں ڈھڈ ہو

ایسا جو مرے پاس لگے جا تگی جھاپو
اک روز مجھے گھر سے نکلوائیگی جھاپو

سب کھا چکی اب مجھکو بھی کیا کھائیگی جھانپو — وہ کون سا دن ہوگا جو مرجائیگی جھانپو

شام گزر گئی یار نہ آیا رات بھی آدھی آن ڈھلی — آؤ پڑوس کھیلیں ٹھالی سے بیگار بھلی

رنگیلا - محمد یوسف نام ہے - قدیم وطن شہر جونپور ہے - مگر آٹھ نو سال کی عمر تھی جب ۱۸۹۱ء میں اپنے نانا محمد خضر خاں مرحوم اور اپنے ماموں محمد اسمٰعیل خاں رنگیلے مرحوم کے پاس جونپور سے بمقام مین پوری چلے آئے - یہیں تعلیم و تربیت پائی اور بعدہ اپنے نانا کے پاس محرری کا کام کرتے رہے - چونکہ رنگیلے مرحوم کی صحبت تھی اس واسطے شعر و شاعری کا شوق ہوا - اور مدتوں تک چھپا چھپا کر شعر کہتے رہے - مگر ابھی تک رنگ قدیم عاشقانہ میں شعر کہتے تھے - جب رنگیلے مرحوم کو خبر ہوئی تو وہی اصلاح دیتے رہے اسکے بعد ۱۹۳۰ء میں جب رنگیلے مرحوم کا انتقال ہوگیا تو اُن کے احباب نے نکیلے صاحب کو اُن کے ماموں کا رنگ ظرافت اختیار کرنے پر مجبور کیا - چونکہ برابر رنگیلے کی صحبت رہی تھی اور وہ رنگ اچھی طرح ان پر اثر کر چکا تھا اس واسطے انھوں نے ظریفانہ رنگ اختیار کرلیا - مگر عوارض جسمانی اور افکار خانہ داری نے پورے طور سے ادھر متوجہ نہیں ہونے دیا - پھر بھی آپ کا رنگ ظریفانہ غنیمت ہے اور کم ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس رنگ کو تھوڑی بہت طبیعت سے مناسبت ضرور ہے چنانچہ کلام کا نمونۂ انتخاب یہ ہے -

یہ چلبلی طبیعت جب پھاندنے پہ آئی — پھر کیا ہے پھر تو کچھ ہو خندق ہو یا ہو کھائی
اب راہ پر کسی کو تقدیر کھینچ لائی — قسمت پھری کسیکی شامت کسیکی آئی
جب ایک کا بھی تمسے مطلب نہیں نکلتا — لے لیتے ہو تو پھر کیوں دنیا سے سفت سائی

نمناک شے چھپا کر برسات میں نہ رکھو — لگ جائیگی پھپھوندی کہتے ہیں جسکو کائی
دشمن کی آگ ابتو دشمن کو پھونکدے گی — اب ہوگئی اُسکی ڈبیہ دیا سلائی
اب تو مزاج دشمن ٹھیلو نپہ چل رہا ہے — اُسکے سگوں سے اسکی اچھی ہوئی لگائی
اُلو کے دم قدم کا اغیار میں شرف ہے — چنگی کے جیسے بھنگی ہیں مصدر صفائی
بے شبہ اے نکیلے تحقیق ہے سلف سے — جو ہیں بھلائی پیشہ کرتے نہیں برائی

پیر میخانہ نصیبہ سے اگر تو ہو جائے — بے پئے پھر تو عدو کا ٹھکانا ہو جائے
بات تو جب ہے کہ اک چھو میں نفر ہو جائے — میرے آگے سے عدو تو کدم آہو ہو جائے
دام تزویر اگر زلف پریرو ہو جائے — اس بھنور جال میں پھر الہی الہو جائے

شب وعدہ بہت رویا انیس زخم پنہانی — دنو شوق سے خلوت میں گھٹنوں ہو گیا پانی
چکیدہ بے محل ہے کار ہے اے ابر نیسانی — نہ ہو بطن صدف میں بوند جب لعل بدخشانی
عیاں تھیں ہر مسلماں میں کبھی اسلام کی شانیں — مگر اب تو رہی ہے صرف کہنے کو مسلمانی
بہت مشکل تھا راز آشنائی کا سمجھ لینا — مگر چالاک دشمن اور کسی کا وقت نادانی
کہیں تذکیر کی تعریف میں پھرتا ہے مستانہ — کہیں تانیث کے پردے میں ہے آوارہ مستانی
شب وعدہ ہوا یہ اہتمام دعوت مہماں — کبھی سبزی کبھی بھنڈی کبھی گوشت بریانی
نکیلے دست نازک کی جو انگلی ہاتھ آئی ہے — تو اب پہونچا پکڑنے کیجئے کانی ہے دربانی

رہنے والا عیش منزل کا نئے مسکن میں ہے — خون حسرت گردش ایام سے گردن میں ہے
پیٹ کی خاطر سپاہی سر بکف پلٹن میں ہے — نان نفقے کے بدولت موت کا دامن میں ہے
شہ سواری کا ہنر چابک سواری کا کمال — صرف اک راز خفی ہے جو نہاں آستیں میں ہے

اپنی آنکھوں کا اسے سمجھیں نہ کیوں عشاق نور
سوختہ پاپوش پائے یار کا انجن میں ہے

شیر بازاری کی کھرچن میں مزا تو ہے مگر
ذائقہ کچھ اور گھر کے دودھ کی کھرچن میں ہے

ہے مری فردِ خطا اللہ کی رحمت کے ساتھ
عفو کا فرمان نقشِ رشتۂ سوزن میں ہے

چلنے پھرنے میں نہیں محسوس ہوتا کچھ تکان
جنسِ ہستی کا ذخیرہ گوشۂ دامن میں ہے

مل نہیں سکتی جہاں میں اس مٹھائی کی مثال
جو نکیلے یار کے سنبوسۂ بیسن میں ہے

یہ بند بھبکیاں یہ ظلم بے بنیاد رہنے دے
نیامِ طیش میں شمشیرِ مادر زاد رہنے دے

چمن میں چار تنکوں سے بنا ہے آشیاں میرا
بچا کر اپنی جھاڑو سے انھیں صیاد رہنے دے

رہے تو جب کوئی آپے میں اپنے ہوش میں اپنے
نظر سے دور جب ساقی فیض آباد رہنے دے

زمیں اپنی اگر گوہاں کرنا چاہتا ہے تو
تو اپنے کھیت میں کچھ روز میرا کھاد رہنے دے

مجھے تاڑی مقطر دے اگر دینا ہے اے ساقی
مرے دشمن کو پینے کو تلی میں گاد رہنے دے

اگر جاتا رہا تو پھر کھچانے کا مزہ رخصت
نکر اسکا تدارک اے مسیحا داد رہنے دے

موج کا رسا کمر میں ٹاٹ کی دستار ہے
اس ادا کے بھیس میں کنجڑے کے میرا یار ہے

یہ نہ سمجھیں آپ ہستی تاڑ کی بے کار ہے
یہ تو تاڑی خانہ کا اک منزلہ مینار ہے

چار میں ننگا اسے ہو جانے میں کب عار ہے
بے حیا بھی کیسی پکی بے حیا تلوار ہے

یہ اگر سچ ہے کہ شملہ علم کی معیار ہے
تو ستارہ علم کی تقدیر کا دمدار ہے

نوجواں اب بھی بڑھاپے میں ہمارا یار ہے
یہ پرانی چال کا ٹھیلہ بھی موٹر کار ہے

پیار کرتے وقت تم کیوں کاٹ کھاتے ہو ہمیں
دوستی میں دشمنی کا کون سا بیوہار ہے

یہ لبادہ ہے پرانی چال کا اچھا لباس
کرتے کا کرتا ہے اور شلوار کی شلوار ہے

فرق اتنا ہے مرا کرتہ ہو یا کرتی تری
ایک ہے محروم دامن ایک دامن دار ہے

بانس کا ڈنڈا پرانا یا نیا جلسہ بھی ہو
یہ پرانا اور بے لیسنس کا ہتیار ہے

کان پر دھرتے تھے تم تو ہاتھ ذکر غیر پر
زیر دامن اب یہ کس کا تحفہ کردار ہے

آباد ہے الو سے ہر قصبہ ویرانہ
ہر ٹھونٹھ نشیمن ہے ہر تار ہے کاشانہ

حرکت کا تری صدقہ اے لغزش مستانہ
ٹھلیا کا ہر اک ٹکڑا ہے غیرت پیمانہ

ساقی کی عنایت سے ہر مست خرابانی
ہے رقص مسرت میں سر پر لئے میخانہ

دنیا میں زنانے کی مردانے کی ہستی ہے
آئینہ زنانہ ہے تصویر ہے مردانہ

بوتل مئے گلگوں کی ہے شیشۂ قارورہ
ہے اب تو چڑیل آسیب گھر تھا پریخانہ

کوئی بھی شب وعدہ مسرت نہ رہی باقی
لٹیا نہ ڈبو دینا اے ہمت مردانہ

جسطرح کمینوں سے رونق ہے مکانوں کی
آباد نکیلے ہے پاخانہ سے پاخانہ

دیکھو رہتے ہو کھلے بندوں بہت تم دیکھو
گرد گھمانہ کوئی دیکھے لٹو ہو جائے

اب طویلے میں نہیں آپ کے ٹانگن کوئی
آپ کے تھان کا ابتو مرا ٹٹو ہو جائے

آپ کے کھیت میں پڑتا ہے جو گھورا کوڑا
اسکی گرمی سے شکر قند نہ آلو ہو جائے

بے تلا پھر نہ رہے کوئی جگر کا ٹکڑا
ناوک ناز اگر دلبس ترازو ہو جائے

بیٹھا ہے بزم یار میں دشمن چچا کے ساتھ
بے شرم ہے جلیس بڑے بے حیا کے ساتھ

دشمن کو کہنہ مشق سواری پہ ناز ہے
منگنی ہوئی ہے جب سے کسی نائکہ کے ساتھ

صحبت سے بھاری پانوں ہوا ہے جو آپکا
شاید رہے ہیں آپ کسی فیل پا کے ساتھ

اک داغ دے کے چھوڑ دیا اسنے غیر کو
اب اور کیا سلوک کرے بے حیا کے ساتھ

ہے یہ بھی اک ہوا کہ زمانہ ہے آپکا
دنیا بھی آپ کی ہے مگر ہے ہوا کے ساتھ

نکتہ چینیں سابق اودھ پنچ کے پرانے فائلوں میں اس تخلص سے ایک صاحب
لکھتے ہیں جن کا پتہ کچھ ہے تو یہی ہے اپنی نظم کی تقریب میں کچھ عبارت بھی درج کی
ہے "مائی ڈیر مسٹر اودھ پنچ۔ گڈ مارننگ قران شریف جیسے آج کل کی نئی
روشنی کے محاورہ میں الکران کہتے ہیں اسمیں یا کم سے کم سیل کے ترجمہ میں آپنے
ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ شعراء کی شان میں خداوند عالم نے فرمایا ہے کہ یہ تو ہر میدان
میں بھٹکتے اور سرمارتے پھرتے ہیں (الم تر انھم فی کل وادٍ یھیمون) اتفاق سے
مجھے ایک شاعر کی بیاض مل گئی جسکی نقل ان سطروں کے ساتھ ہے اس سے
ظاہر ہوگا کہ یہ کلام معجز نظام کسقدر سچا ہے۔ میرے خیال میں ان خیالات پریشان
سے زیادہ کوئی سے اس کی تصدیق نہیں کر سکتی۔

غیرت نہیں اس سبب جئے جاتے ہیں — جو کام نہ کرنا تھا کئے جاتے ہیں
لازم تھا کہ دن رات وہ روتے بیٹھے — افسوس وہ آنسو ہی پئے جاتے ہیں

نزع سے مری یہ گھڑی چل رہی ہے — زباں وقت کی ہے پڑی چل رہی ہے
ہے کھٹ کھٹ یہ اسکی کوئی ذکر مخفی — یہ تسبیح کوئی پڑی چل رہی ہے
لگاتی ہوئی چاک غفلت میں ٹانکے — اگرچہ ہے سوئی چڑی چل رہی ہے
نہیں سیل سے ریت کی خوف اسکو — ہے کیا ڈر اگر ہے جھڑی چل رہی ہے

کریما بخشائے پکا پلاؤ — جو کھسے نہ پڑے تو ہمکو بلاؤ
کریما بخشائے پکے ہیں آم — نہ ہو پاس پیسا تو لو مجھسے دام
کریما بخشائے پکے ہیں بیر — کھلاتے ہیں ان کے کرو تم نہ دیر
کریما بخشائے پکی کھجور — بلاتے ہیں کھانے میں تمکو حضور

کریما بخشائے پکے کباب — بلاتے ہیں کھانے کو تمکو نواب
کریما بخشائے پکے کٹھل — اسے کھا کے ہو جاؤ گے تم اٹل
کریما بخشائے پکی ہے دال — اسے کھا کے ہو جاؤ گے کنبہ پال
کریما بخشائے پکی ہے نان — گئی واسطے جسکے مرغی کی جان
کریما بخشائے ٹوٹی ہے ٹانگ — گزر کرتے ہیں در بدر بھیک مانگ
کریما بخشائے ٹوٹے ہیں ہاتھ — نہ ہو سنگ بیوی نہ لڑکے ہیں ساتھ
کریما بخشائے پھوٹی ہے آنکھ — ملے رکھ کے روٹی پہ آلو کی پھانک
کریما بخشائے ٹوٹا ہے سر — کوئی آکے لے جلد میری خبر
کریما بخشائے دھوتی پھٹی — مری عمر دنیا میں یونہی کٹی

نداریم غیر از تو فریاد رس — مزا آئے ٹپکے جو گنے کا رس
نگہدار ما را ز راہ خطا — کوئی مجھکو کھانے کا رستہ بتا
زبان تا بود در دہاں جائے گیر — کھلایا کرو مجھکو روٹی پنیر
حبیب خدا اشرف انبیا — پڑا مجھکو جسکا بڑا آم کا
سوار جہان گیر یکراں براق — کھلا دو مجھے ایک روشن دماغ
چہل سال عمر عزیزت گزشت — بری ہے تری ابتلک سرگزشت
بہ باہوا و ہوس ساختی — ہمیشہ نظر تالتی جھانکتی
مکن تکیہ بر عمر ناپائدار — پہن کوٹ پتلون پھینکا کر اتار
دلا ہر کہ بنہاد خوان کرم — نہیں اسکی پاکٹ میں دام و درم

بوجھ تھا سر پہ جو اتار آیا — سر پہ احساں بڑا ہے نائی کا

دشمنی سے تو یوں نکاح ہوا — پر بندھا مہر ایک پائی کا
پیچھا جب چھوڑتی نہیں سوتی — چھوڑ دیجیا نہ تم رسائی کا
تیشروئی نہیں ترے منھ پہ — ہے پیالہ بھرا کھٹائی کا

خدا کی مہربانی قبر میں سیری سہیلی ہے — گھٹا چھائی ہے رحمت کی بوا اللہ بیلی ہے
شعر لکھتا ہوں مگر ملتی نہیں کوڑی کوئی — لے روپیہ کی تھیلیاں آتی نہیں دوڑی کوئی
پائی تھی ایک میں نے جو کتیا چلی گئی — مشہور یہ غلط ہے کہ فضا چلی گئی

نوائی — بابا سلطان قلندر کے نام سے مشہور تھا۔ شاہ عباس ماضی کے زمانہ کا ایک ظریف نکتہ سنج شاعر ہے حیدری خانہ چا۔ باغ کا تکیہ اس کی سپرد تھا اور اسی میں بسر اوقات کرتا تھا۔ ایک قطعہ بطریق مثنوی ظریفانہ رنگ میں دیکھا گیا جو اس کے نام سے مشہور ہے۔

عربے در میان مکہ و شام — کسب اسباب می نمود مدام
بہر تحصیل مال و کسب ہنر — از حضر رخت بست سوے سفر
مدتے سیر کرد و ہیچ نیافت — باز سوے مکان خویش شتافت
چند گہ راہ بادیہ بہ برید — تا بیک روزہ از وطن برسید
از کمر باز کرد انبانے — کہ درو بود یخنی و نانے
چوں بخوردن نشست آن سرمرد — عربے در رسید بادیہ گرد
بدوی چوں شنید بوے طعام — پیش رفت و ستادہ کردہ سلام
داد او را جواب و گفت کہ — پیش من ایستادہ بہر چہ
گفت من چاکر سرائے توام — دشت پیمائے از برائے توام

گفت از نیل من خبر داری — بدوی در جواب گفت آری
گفت چون ست احمد آن پسرم — که ز هجرش کباب شد جگرم
گفت از فضل و رحمت یزدان — باغ حسن ست خرم و خندان
گفت چون ست مادر احمد — گفت صد چون برابر احمد
گفت چون ست قصر و ایوانم — کز غمش بر فلک شد افغانم
گفت آن قصر دلکش و ایوان — داغ رشکی ست بر دل کیوان
گفت چون است آن سگ در من — که بود به ز شیر نر بر من
گفت او خاک آستانه تست — روز و شب پاسبان خانه تست
گفت آن بارکش شتر چون است — کز غمش دامنم چو جیحون است
گفت باوے که فربه است چنان — که مساوی است با پشت با کوهان
چون عرب قصه را شنید تمام — با دل جمع کرد مسیل طعام
خورد چندان که سیر گشت از آن — بدوی را نه داد و بست انبان
بدوی چون خساست او دید — بر خود از درد جوع می پیچید
ناگهان دید کز کنار دشت — آهوے در رسید و تند گذشت
بدوی چون بدید آهو را — از دل خسته جست آه او را
چون عرب آه دردناک شنود — گفت باوے که آه بهر چه بود
گفت ازین بود کان سگ در تو — گر نمی گشت صدقه سر تو
آهوک را نمی گذاشت کنون — که ازین دشت جان برد بیرون
گفت اے وای آن سگک چون مرد — گفت از لسکه خون اشتر خورد
گفت خون شتر که رخصت بگو — خاک بر فرق من که بیخت بگو
گفت کشتند اشتر سره است — که دهند آب آش همیشه است
گفت اے وای زوجه ام چون زد — رخت هستی حسان بخاک سپرد

گفت از بسکہ کوفت سر بزمیں | از غم فوت احمد مسکیں
گفت اے وائے چوں گذشت احمد | گفت قصرش بہ سر فرود آمد
چوں عرب قصۂ فراق شنید | خاک بر سر فشاند و جامہ درید
بعد ازاں راہ خیل خویش گرفت | بدوی ناں و گوشت پیش گرفت

نوح حافظ محمد نوح نام ہے نا۔ہ ضلع الہ آباد مولد و مسکن ہے۔ آپ زمانہ موجودہ کے نہایت مشہور و معروف شعراء میں سے ہیں۔ داغ مرحوم کے شاگردوں میں نہایت معزز مانے جاتے ہیں۔ زبان نہایت عمدہ لکھتے ہیں۔ محاورہ بندی میں اتنی کاوش کرتے ہیں کہ مشکل سے آپ کے یہاں کوئی شعر اس کے بغیر ملیگا۔ ملک کے مشہور مشہور مشاعروں میں آپ شرکت فرماتے رہتے ہیں نہایت خلیق اور زندہ دل ہیں۔ آپکے شاگردوں کی تعداد بھی بہت کافی ہے آپ کے نام کے ساتھ ناخدائے سخن بھی شامل کیا جاتا ہے ممکن ہے کہ کہیں سے یہ خطاب ملا ہو۔ حضرت داغ مرحوم کی جانشینی کے بھی آپ مدعی ہیں اور اگر زبان و سلاست کے اعتبار سے آپ کو داغ کا جانشین کہا جائے تو بجز اس کے کہ چند دوسرے زباندان اور کہنہ مشق شاگردان داغ کی حق تلفی ہو اور کوئی حرج نہیں ہے آپ کے دو دیوان شائع ہو چکے ہیں اور اطراف و اکناف میں پھیل چکے ہیں آپ تفنن طبع کے طور پر اکثر ظریفانہ اشعار بھی فرماتے رہتے ہیں۔ چنانچہ سفینہ نوح کے آخر میں کچھ ظریفانہ کلام دیا گیا ہے جس کا انتخاب لکھتا ہوں راقم الحروف کو بھی ایک دو مرتبہ آپ سے ملنے کا اتفاق ہوا اور آپ کی خوشخوئی و نیک مزاجی کا معترف ہو گیا۔ آپ کا ظریفانہ کلام اکبر کے اتباع میں زیادہ ہے۔ اور اکثر بلکہ اس اتباع کو نہایت حسن و خوبی سے نباہا ہے نمونہ کلام

یہ ہے —

یہ جو خواہش ہے کہ ہم صاحب بنیں — بولنا ہر شخص سے کم چاہیے
میز کرسی لمپ سگریٹ کیک توس — گھر میں تصویروں کا البم چاہیے
رنگ گورا اور قامت بھی بلند — جسم بھی کچھ بھاری بھرکم چاہیے
کیسی غفلت اور کیسی کاہلی — فطرتاً تھوڑا سا دم خم چاہیے
اور اگر دفتر سے ہو کچھ واسطا — ایک گھوڑا ایک ٹم ٹم چاہیے

آج ساقی کچھ کیا یہ رحمت یزداں ہوئی — پہلے خود لڑکی تھی اب دو لڑکیوں کی ماں ہوئی
مغبچوں کو دائیوں کی وضع داری چاہیے — بادہ خواری کی جگہ اب شیر خواری چاہیے
مے کدے میں سونٹھ گڑ کا ہر طرف سامان ہے — دودھ دانی بن گئے ساغر خدا کی شان ہے

خم کی صورت جام بھی چلنے سے عاری ہو گیا — پیٹ اس کا اور اس کا پانو بھاری ہو گیا

لوگ کہتے ہیں فلاں صاحب کی لڑکی ہوئی — ہم یہ کہتے ہیں فلاں صاحب کی آنٹی گرہی ہوئی

اے بی جو نہ کہتے بنے بی بی کہیے — وائن جو نہ کہتے بنے وہسکی کہیے
کم بھی ہو کوئی حرف تو کچھ ہرج نہیں — نکٹائی نہ کہتے بنے نکٹی کہیے

حضرت شیخ ہیں بہت محتاج — خوش ہے پیر مغاں بہت گھر سے
غرض اعلیٰ سے بڑھ گیا ادنیٰ — عطر شرما گیا لونڈر سے

یہی اچھے بُرے ہر حکم انجام دیتا ہے — اگر کوئی نہیں ہوتا تو کتا کام دیتا ہے

کہتا ہے کون ذکر رقیب حبیب کر — جورو کی مار کھا کے سعادت نصیب کر

جورو نحیف اس کو ضرورت دوا کی ہے — شوہر ضعیف آرزو اسکو طلا کی ہے
مائل مزاج کیا ہو کسی اور چیز پر — مرغی کڑک ہی مرغ الٰہی ہو کیز پر

اے مری طبع رسا وقت مبارک کیا ہے — عمر میں اپنے خسر سے بھی سوا دامادہے
عقد بوریے کا ہوا اک چھوکری سے شام کو — مل گئی اچھی پلوری مرغ بے ہنگام کو

آج دستار فضیلت بند ہو گئی — سر نرالے طور سے ڈھانکا گیا

کیونکر نہ بھیجے گی فیچ سے لیڈی کی رسم وراہ — موٹا سا ہے وہ بانس پہ چھوٹی سی کین ہے

الہ آباد کے ضلع میں دو پرگنے ہیں ایک کا نام کڑا ہے ایک کا نام کرارہی ان دونوں پرگنے والوں میں لڑائی ہوئی حضرت نوح نے یہ شعر لکھکر بھیجے

ہر آن دوستی ہے ہر وقت فوجداری — پتھر ہو یا ہو لوہا اپنی جگہ ہے بھاری
کیا دوستی بڑھائیں آپس کیا بنائیں — ان کا بہت کڑا ہے انکی بہت کراری

کیا لطف میل جول میں کیا تال میل میں — بندوق کی صفت نہیں ہوتی غلیل میں
کرتے ہیں غیر جنس میں جو اپنی شادیاں — وہ عطر کو ملاتے ہیں مٹی کے تیل میں

سنا ہے اب انھیں یہ مشورہ احباب دیتے ہیں — پرائی بدشگونی کے لیے کٹوا دو ناک اپنی

بڑے دن میں یہ کہکر لیڈیوں کے ساتھ سوتے ہیں — جو تم ہوا کی پوتی ہو تو ہم آدم کے پوتے ہیں
تصور جن مسلمانوں کو ہے لندن کی مسجد کا — عرب کے تخم کو یورپ کے بنگلے میں وہ بوتے ہیں

اس مس شیریں دہن کی گفتگو — مجھکو انگریزی مٹھائی ہو گئی
ہے نئی تعلیم کا یہ انقلاب — اپنی بی بی تک پرائی ہو گئی

تھی جوانی میں جو میڈم نان پاؤ — وہ ضعیفی میں ملائی ہو گئی

نوری - ملا حسین شاہ نام تھا - مشہد کے رہنے والے تھے - غزالی مشہدی کے ہمسن اور ہم بزم تھے - اکثر مشاعروں اور مطارحوں کی صحبت گرم رہتی تھی - نوری نہایت ظریف الطبع اور بذلہ سنج واقع ہوے تھے - مگر اتفاق سے نہایت بدصورت تھے اسکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اُن کے دانت اسقدر بڑے تھے کہ دونوں ہونٹوں سے گزر کر تھوڑی کے قریب آگئے تھے اور اُن کی صورت کو عجیب وغریب بنا دیا تھا - اسی وجہ سے نوری دندانی کے نام سے مشہور تھے - صادق علی خاں اختر نے اپنے تذکرہ عالمتاب میں دندانی کی یہ توجیہ کی ہے کہ دنداں توابع خراسان میں ایک قصبہ ہے - مگر یہ صرف توجیہ ہے نوری کا کلام ضایع ہو گیا صرف یہ دو شعر تذکروں میں ملتے ہیں -

وصیتے است کہ بعد از وفات من یاراں — کنند لوح مزارم ز ہر دو دندانم
سخن چگونہ کنم پیش خلق کیں دو نیم — بیکدگر نرسد گر بلب رسد جانم

حرف واو

واحی - مولوی عبدالاحد نام تھا یوسف پور تحصیل محمد آباد ضلع غازی پور کے رہنے والے تھے - آخر عمر میں اپنی اہلیہ کے تعلقات در شتہ داری کی وجہ سے خود بھی دہر مئو پور تحصیل زمنیہ میں جا رہے تھے علمی قابلیت بہت کافی تھی فاضلانہ استعداد رکھتے تھے - شعر و شاعری کا حداثت سن ہی سے شوق تھا - مگر اتفاق سے طبیعت کو ظرافت سے لگاؤ تھا - واحی تخلص کرتے تھے اور اسی رنگ میں شعر کہتے تھے - کچھ عرصہ تک یہ مشغلہ اسی تخلص کے ساتھ جاری رہا - اتفاق وقت سے کسی ضرورت خاص کی وجہ سے اسی ابتدائی شاعری کے زمانہ میں آپ کو دہلی جانے کی ضرورت پیش آئی اور طویل سفر کے بعد وہاں گئے دلی کی رونق اور آب و تاب اس زمانہ میں جو کچھ تھی اُسکا بیان کرنا ایک امر تحصیل حاصل ہے - مگر یہ کہنا ضروری ہے کہ اس زمانہ میں دلی کے مشہور و معروف شعراء غالب مومن ذوق شیفتہ صہبائی وغیرہ زندہ تھے دنیائے ادب میں اُن کے فضل و کمال کا ڈنکا بج رہا تھا - یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی ادبی ذوق رکھنے والا آدمی وہاں جائے - جامع مسجد - ہمایوں کا مقبرہ - قطب صاحب کی لاٹ دیکھے اور ان بزرگوں کی زیارت کو نہ جائے بلکہ اکثر شوقین پہلے انھیں لوگوں سے ملنے کے لئے جایا کرتے تھے - چنانچہ واحی جب دلی گئے تو سب سے پہلے اپنے ضروری کاموں سے فراغت کی اور اس کے بعد

پتہ پوچھتے پوچھتے مرزا غالب کے مکان پر پہونچے مرزا غالب نہایت خلوص اور محبت سے ملے۔ اور اپنا کلام سنایا۔ اور کہا کہ جب تمکو اس مزخرفات کا اشتیاق اتنی دور سے یہاں تک کھینچ لایا۔ تو میں یہ کیونکر ماں سکتا ہوں کہ تم خود کچھ نہ کہتے ہوگے سنا و ضرور سنا و۔ انھوں نے بھی انکار مناسب نہ سمجھا۔ اور وہی کلام سنایا مرزا نے تخلص سنا۔ تو پہلے کچھ بزرگانہ انداز سے ہنسے پھر کہا کہ کیا تخلص رکھا ہے واہی۔ تباہی۔ بدلو۔ اس تخلص کو بدلو۔ مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت میری عقل کی رسائی تو یہیں تک تھی اب آپ ہی کچھ تجویز کیجئے۔ مرزا تو ایک ظرافت مجسم اور ذکاوت کا پتلا تھے۔ ادائے تکلم اور انداز گفتگو سے تاڑ گئے کہ بدلنے کے لئے تو یہ میری خاطر سے بدل ہی دیں گے۔ مگر شاید دل سے نہ بدلیں۔ دوسرے یہ سوچا کہ ان کا کلام بھی اسی واہی تخلص سے مشہور ہو چکا ہوگا۔ لہذا اسکو اسطرح بدلنا چاہئے کہ ہماری بات بھی رہجائے ان کو زحمت بھی نہ ہو ناگوار بھی نہ گزرے۔ چنانچہ کہنے لگے کہ اب واحی تخلص رکھو۔ حقیقت یہ ہے کہ اب تخلص کا مرتبہ زمین سے آسمان پر پہونچ گیا اتفاق سے کچھ عرصہ تک مولوی صاحب دہلی میں مقیم رہے اور مرزا کے یہاں برابر روزانہ آیا جایا کرتے تھے۔ انھیں دنوں میں مرزا صاحب نے یہ غزل کہی تھی ؎

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے　　ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

مرزا صاحب نے یہ غزل ان کو بھی سنائی۔ سنا چکے تو ان سے کہا کہ اپنے رنگ میں تم بھی اس زمین میں غزل لکھو۔ انھوں نے پہلے تو انکار کیا۔ کہ استاد کی غزل پر غزل کہنا سوء ادب میں داخل ہے۔ مگر مرزا بھلا ایسے عذروں کے ماننے والے کب تھے وہاں تو ہنسی سے غرض تھی کسی طرح سے ہو۔ گھڑی بھر کے لئے دل بہل جانے سے مطلب تھا۔ کچھ ہو کہو ضرور کہو۔ مولانا نے بھی الامر فوق الادب کو ملحوظ رکھکر امتثال امر کے لئے پانچ سات شعر کی غزل کہی جسمیں ظرافت کے ساتھ پھکڑ اور فحش بھی شامل تھا

اس کے بعد معافی مانگ کر سنانے کی اجازت لی - مرزا نے اجازت دی - انھوں نے غزل سنائی - مرزا نے داد دی اور فوراً ایک شعر خود کہکر کہا کہ میاں واحی یہ شعر بھی تو تمھارا ہی ہے واحی بھی نکتہ سنج اور رادا فہم تھے سمجھ گئے کہ یہ مرزا صاحب کا عطیہ ہے سلام کیا اور شعر اپنی غزل میں شامل کرلیا - شعر یہ تھا -

عیاشی سیکھنے کے لئے تجھکو چاہیئے　　رنڈی وہ قحبہ پیر کہ دنیا کہیں جسے

واحی مرحوم نہایت شوخ طبع ظریف قابل اور قادر الکلام شخص تھے - آخر عمر میں مولانا شاہ عبد العلیم صاحب آسی غازی پوری سے صحبتیں رہتی تھیں - اسی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ صاحب سے اصلاح بھی لیتے تھے - مگر یہ غلط ہے انھوں نے ہمیشہ اپنے ذہن رسا کو اپنا استاد اور رہنما سمجھا - اور کسی کے سامنے کبھی زانوے تلمذ تہ نہیں کیا - ایسا البتہ ہوتا رہا کہ احباب میں سے جس کسی نے کوئی ظریفانہ شعر کہا وہ انھیں کی غزل میں شامل ہوگیا - واحی نے کافی عمر پاکر ۱۹۲۱ء میں بمقام دہرمپور انتقال کیا - آخر عمر تک اسی وضعداری کے ساتھ زندگی بسر کی جیسی کہ جوانی میں کی تھی - نمونہ کلام مولانا سید سبحان اللہ صاحب رئیس گورکھپور سے جو کچھ دستیاب ہوا وہ حاضر کرتا ہوں -

میرا وہی رقیب ہے بنوا کہیں جسے　　ایسا ہی روسیہ ہے کہ کوا کہیں سے
آئے طوفان جو وہ بت بہ تسلسل موتے　　ساری دنیا ہوتی آب اگر کل موتے
واحی کے گور سے یہ صدا صاف آتی ہے　　دہن تک دہناک تک دہری کٹ تک دہر آن تک
بل دکھائیں جو کہیں آپکے گیسوے دراز　　سانپ دہشت سے لگے خوف سے سنبل موتے
غسل کے بعد یہ قطروں کا تسلسل کیسا　　کیوں نہ حیرت ہو مجھے جب تیری کاکل موتے
ہو یہ معلوم ٹپکتی ہے قرع انبیق سے مے　　بادہ پی پی کے جو واحی بہ تامل موتے
قبر واحی کو سمجھتا ہے وہ اک ٹیلہ ہے　　کیا قیامت ہے کہ اسپر بہ تجاہل موتے

گُد ناگدار ہی ہے چماری جو ناک پر — تحریر ہو رہی ہے یہ تقدیر ناک میں
مجھکو ہوا گمان کہ مسجد میں بھوت ہے — ملاں نے کی شروع جو تکبیر ناک میں
واحی طرح ملی تھی مجھے آج بے طرح — دم آگیا مرا دم تسطیر ناک میں

واقف آپ کا نام سلطان احمد ہے۔ بسواں ضلع سیتاپور میں مکان ہے بارہ تیرہ برس سے شعر گوئی کا شوق ہے۔ نہایت عمدہ شعر کہتے ہیں اور ہمیشہ دوسروں کے اشعار کی نہایت فراخدلی سے داد دیتے ہیں۔ جناب ریاض سے مشورہ سخن کرتے ہیں۔ اور کبھی کبھی اقتضائے طبیعت سے ظریفانہ شعر بھی فرما لیتے ہیں۔ مگر بہت کم۔ شطرنج بہت عمدہ کھیلتے ہیں۔ ملازمت سے طبیعت کو نفرت اور تجارت کا شوق ہے۔ اسی وجہ سے آپ عرصہ سے بیکار خانہ نشین ہیں۔ ایک ڈیڑھ سال سے کیمیاوی ترکیبوں کے ساتھ آپ جدید دوات جو سونے کے مماثل ہے تیار کرنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ ابتک پوری کامیابی نہیں ہوئی۔ پھر بھی اپنی کوششوں میں آپ بہت کچھ کامیاب ہو گئے ہیں۔ راقم سے بھی عرصہ دس بارہ سال سے بے تعلقانہ ملاقات ہے اور جب آپ لکھنؤ تشریف لاتے ہیں تو اکثر ملاقات ہوتی ہے۔ نہایت نیک مزاج متحمل ظریف الطبع۔ خوش تقریر۔ اور علم مجلس کے ماہر ہیں۔ میں نے ترتیب تذکرہ کا ذکر کیا تو آپنے اپنے یہ دو تین شعر عنایت فرمائے تھے۔ وعدہ تھا کہ اور بھی کلام عنایت فرمائیں گے۔ مگر کچھ آپ کو یاد نہ رہا نہ کچھ مجھے اور یہ وقت پر یاد آگیا۔ واقف صاحب کی عمر اب تخمیناً ۴۵ - ۴۶ برس کی ہوگی۔ نمونہ کلام یہ ہے۔

عیش کرتے ہیں زمانہ میں یہ رنڈی لڑکے — کرنل کوٹ سے بہتر کوئی تھیٹر ہی نہیں
پیش رہتے ہیں ہر اک جا پہ فانوس سلکٹ — مستقل درد میں جنکے لئے فادر ہی نہیں
ان بڑی بی کو بھی ملتا کوئی شوہر ہی نہیں

علم کی ہو گئی ہے وہ بھرمار — ہیں برابر شریف اور چار
بی اے کرتے ہیں مُرمُرے کی دکان — ایم اے بیچیں چاروں میں اچار

صحبت میں اپنی ایسے بزرگ آپ ایک ہیں — ہنواس بیچیں گے خود نہ پئیں کیسے نیک ہیں

واہ ایک مجہول الاسم تخلص ہے جن کے یہ دو تین شعر میرے پیش نظر ہیں

ہمارا خط لئے جاتا تھا اور صیاد کے گھر پہنچا — کبوتر کیا تھا میرا نامہ بر الو کا پٹھا تھا
ذرا میں بھی تو سن لوں کیوں مجھے محفل سے اٹھوایا — نہ لنجا تھا۔ نہ گنجا تھا۔ نہ کانا تھا نہ نکٹا تھا
نہایت شان سے میخانہ میں آیا کل اک واعظ — بغل میں بوریا تھا کان میں مسواک تھی ہاتھوں میں لوٹا تھا
خدا معلوم کیوں بدنام کر رکھا ہے دنیا نے — نہ لیلیٰ اُن کی نانی تھی نہ مجنوں میرا دادا تھا

واہ ۔ وحید الحسن نام ہے ۔ ایک زمانہ میں کیننگ کالج لکھنؤ میں تعلیم پاتے تھے زیادہ حالات معلوم نہیں ایک غزل کے چند اشعار مل سکے ۔

کبھی دیکھی جو صورت صبح کو اس آفتِ جاں کی — ملا کھانا نہ پانی ہم نے دن بھر خاک ہی چھانکی
ہمارے یار کی بادِ صبا اک موتہ ابنی ہے — صفائی روز کر جاتی ہے اگر کوے جاناں کی
دکھائی دور سے ارماں کی گٹھری بڑھ کے مجنوں نے — کبھی لیلیٰ سفر میں پردہ محمل سے گر جھانکی
شباہت چھوٹی آنکھوں میں تری تھوڑی سی ہاتی ہے — ہوئی ہے گرم بازار اسی باعث سے ٹیاں کی
خدارا بھیجیے سمجھا کے لیلا گھر میں تو اُسکو — بری حالت ہوئی ہے ہجر میں مجنوں کی اماں کی
منڈا کر داڑھی مونچھیں پاؤں کرتے بیٹھا ہوں ایسا — ادھر تصویر بنجاتا ہے کالج کوے جاناں کی
وہ تتلا کر کبھی کچھ بولنے لگتے ہیں جب کی محبت — خدا رکھے زباں اب کھل رہی ہے میرے ٹیاں کی
لدا پھرتا ہے وہ بھر داہ کی ہو جاں آفت میں — کریں کیا یار کو چھٹ پن سے عادت ہے گھڑیاں کی

وجود سید محمد علی نام تھا۔ بنارس کے رہنے والے تھے۔ غزل گوئی کے مشاق تھے۔ شاگردی کا سلسلہ صاحبقراں تک پہونچتا ہے۔ صرف ایک شعر اُس کا گلستان سخن میں ملتا ہے۔

رکنے جرف میں جب جھکایا　　بتوں کی بندگی گویا ادا کی

وجاہت۔ آپ کا نام وجاہت حسین ہے۔ جہنجانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے اور ملک کے مشہور ادیبوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے ۱۸۹۲ء سے شعر گوئی کا شوق پیدا ہوا۔ اور ابتداءً وہی قدیم روش اختیار کی۔ مگر امتداد زمانہ کے ساتھ جیسے جیسے زمانہ کا رنگ بدلتا گیا۔ آپ کی طبیعت قدیم طرز تغزل سے متنفر ہو کر جدید رنگ کی طرف کھنچتی آئی اور سمجھ لیا کہ طرز قدیم کی شاعری لایعنی سے کم نہیں ہے۔ اگرچہ یہ بات نفس الامر اور واقعہ کے سراسر خلاف ہے۔ مگر پھر بھی آپ کا عقیدہ یہی رہا۔ سنہ ۱۹۰۰ء کے بعد قومی اخلاقی اور ظریفانہ رنگ کی طرف توجہ فرمائی۔ اور اسمیں ایک حد تک کامیابی حاصل کر لی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۱۳ء میں آپ کا مجموعۂ کلام شائع ہو گیا۔ وجاہت صاحب ایک قابل ذہین اور طباع شخص ہیں زبان اردو سے آپ کو خاص محبت اور خلوص ہے۔ چنانچہ آپ نے زبان کے بارہ میں ایک نہایت مبارک اور مستحسن کوشش کی اور ایک رسالہ لکھا جسمیں لکھنؤ اور دہلی کی زبانوں کا فرق دکھایا تھا۔ گو بمقتضائے بشریت اسمیں بعض بعض اغلاط باقی تھے۔ مگر پھر بھی مستقلاً اور مجموعی حیثیت سے وہ ایک بہترین تصنیف ہے آپ نے مختلف اخباروں میں ایڈیٹری بھی کی۔ چنانچہ مدت تک آپ زمیندار اخبار کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بحیثیت اسسٹنٹ ایڈیٹر کے کام کرتے رہے۔ اسوقت نہ معلوم کہاں ہیں۔ مشاغل علمی سے آپ کو نہایت

انس اور دلچسپی ہے - میں آپ کی قدیم غزلوں سے بھی ظریفانہ شعر چنکر پیش کرتا ہوں اور اُن اشعار کا بھی نمونہ دکھاتا ہوں جو آپ نے ظرافت کے نام سے نظم و جاہت میں لکھے ہیں - نمونہ کلام

واعظ اور سرسیّد

تضمین بر نظم اکبر مرحوم الٰہ آبادی

شہرہ جب اُن کے وعظ کا لوگو نہیں ہو چلا — پھر تو وہ خود کو دلمیں سمجھنے لگے ذرا
اب کیا تھا بڑھتے بڑھتے بڑھا ایسا حوصلا — سید سے جا کے حضرت واعظ نے یہ کہا
چہ چاہیے جا بجا ترے حال تباہ کا

اے مرد آدمی یہ تجھے ہو گیا ہے کیا — شاید ترا دماغ ٹھکانے نہیں رہا
قسمت کا تو مقر ہے نہ قائل نصیب کا — سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا
دل میں خیال بھی نہ رہا لا الٰہ کا

کہتا ہے تو زبان سے دن کو تو قوم قوم — سوتا ہے خوب رات کو ہو ہو کے مست لوم
یاد خدا میں کوئی گزرتا نہیں ہے یوم — ہے تجھ سے ترک حج و زکوٰۃ و صلوٰۃ و صوم
کچھ ڈر نہیں جناب رسالت پناہ کا

تیری یہ رسم کیا ہے یہ تیرا ہے کیا رواج — سارے جہان سے تو نے نکالا نیا رواج
دنیا و دیں کا تیرے ہے بالکل جدا رواج — آتے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج
راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

درس و حدیث و فقہ میں کاہے زندگی بسر — کھوئی ہے ایک عمر بخاری میں بیٹھ کر
برسوں سے روشنی اب تو ہے جلوہ گر — افسوس ہے کہ آپ ہیں دنیا سے بیخبر

دیکھا نہیں ہے رنگ جو شام و پگاہ کا

حجرہ نہیں مسجدوں میں رہے آپ عمر بھر — یہ زہد خشک آب وضو سے ہوا نہ تر
سب حال ہو عیاں جو سمندر سے ہو گزر — یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر

گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

یورپ کی لیڈیوں سے ہو صورت ملاپ کی — چینی کی مورتیں ہیں عجب ٹیپ ٹاپ کی
ہوٹل میں جا بیٹھ سیر کریں کافی شاپ کی — دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی

کم سن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

خوش وضع خوش کلام خوش انداز مہ جبیں — میں چند لفظ بھول گیا ہوں نہیں نہیں
دلدار دلستان و دلارام و دلنشیں — نوخیز جامہ زیب گل اندام نازنیں

عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا

پر جائے پھر تو سایہ سے پریوں کا واسطا — اندر کے بھی اکھاڑے میں آئے نہ یہ مزا
اس بے تکلفی پہ بھی اے مرد پارسا — رہ گئے اگر تو ہنسکے کہے ایک مہ لقا

دل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا

دنیا میں اس سے کوئی بھی اچھا نہیں ہے کام — افسوس ہے کہ اسکو سمجھتے ہو تم حرام
پی لو ہمارے ہاتھ سے وہسکی کا ایک جام — اسوقت قبلہ آپ کو جھک کر کروں سلام

پھر نام بھی حضور جو لیں قبلہ گاہ کا

ہم کیا ہیں

تابع احکام قرآنی ہوں میں — پیرو دین مسلمانی ہوں میں
دیکھنا دھوکا نہ کھا جانا کوئی — صبح کاذب کی درخشانی ہوں میں

معتکف حجرے میں رہتا ہوں مدام
معتکف یا قطب ربانی ہوں میں

آگیا ننانوے کے پھیر میں
حافظ اسمائے یزدانی ہوں میں

نفس امارہ کا دشمن بن گیا
یہ جو روسی ہے تو جاپانی ہوں میں

کیوں نہ درد قوم کا دورہ اٹھے
غمگسار نوع انسانی ہوں میں

ہوشیار اے اہل دنیا ہوشیار
افتراد مکر کا بانی ہوں میں

یہ مری ریش مقدس واہ واہ
خضر ہوں الیاس کا ثانی ہوں میں

کام آجاتی ہے اس ٹٹی کی آڑ
اک مجسم شکل شیطانی ہوں میں

اے وجاہت ہے یہ میرا اصل مآل
سچ یہ ہے ننگ مسلمانی ہوں میں

ہندوستانی اور یورشین مس کی نوک جھوک

کہا جو لیلیٰ نے یہ بدر النساء سے
کہ موجودہ تہذیب سے تم ہو عاری

نیا کوئی انداز تم میں نہیں ہے
پرانی ہیں ساری ادائیں تمہاری

سمجھتی ہو زیور کو زینت کا ساماں
خوشی سے اٹھاتی ہو یہ بوجھ بھاری

بناوٹ سے تم چاہتی ہو چمکنا
لگاتی ہو کپڑوں پہ گوٹا کناری

وہی کرتی انگیا وہی بند محرم
چلی جاتی ہے حسن کی پردہ داری

لڑائی میں بڑھکر ہو بھٹیاریوں سے
چلاتی ہو بیڈ ہب چھری اور کٹاری

نہیں تم میں مغرب کا کوئی قرینا
نئی روشنی میں چلیں ہیں گنواری

ہو پردہ کے زندان میں تم مقید
تمہارا نہیں کوئی فعل اختیاری

مصیبت کے دن کاٹتی ہو جہاں میں
یہ جینا ہے یا نزع کی دم شماری

تمہیں جیتے جی مار رکھا ہے اس نے
پڑے بھاڑ چولہے میں یہ ضعداری

کہا سن کے بی بی نے لے میم صاحب
بس اب چپ ہو آئی اب میری باری

نئی روشنی کے نئے گیت گائے — بہت تم نے بڑھ چڑھ کے فیشن بگھارا
تماشا تو دیکھو کہ پردہ اٹھا کر — بنی پھرتی ہے میم میری بچاری
نظر پڑتی ہے غیر لوگوں کی ہر دم — تمہارا یہ چہرہ ہے یا چاند ماری
کیا کرتی ہو غیر مردوں سے باتیں — جھجکتی نہیں پاس تک سرمساری
ہوئی ڈولی اور بند گاڑی سے نفرت — پسند آئی بائیسکل کی سواری
نہ اترا ؤ میموں کا سایہ پہن کر — کہ صورت ہے کالی کلوٹی تمہاری
چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھولا — نہ کام آئی کوے کی کچھ ہوشیاری
خطابوں کی شیدا ہوئیں عورتیں بھی — بیاہی مسز اور مس ہے کنواری
ترقی کرو علم شائستگی میں — نہ چھوڑو مگر اپنی تم وضعداری
اسے کہتے ہیں لوگ تقلید بیجا — بناوٹ ہے یہ سادگی بھی تمہاری
کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا — حکومت کا میموں کی سکہ ہے جاری
ہے زیبا انھیں کے لئے بے حجابی — ہے شایاں ہمارے لئے پردہ داری
نہیں ملک میں رعب اپنا کچھ بھی — حکومت سے پھبتی ہیں باتیں ہماری
مبارک انھیں مغربی پورٹ منٹو — ہمیں ایشیا کی پرانی پٹاری

جھکا ضعیفی میں قد شیخ کا — کبھی تیر تھا اب کماں ہو گیا
گرے اس میں عشاق کے دل بہت — ذقن ایک خونی کنواں ہو گیا
میر ساماں ہیں میکدے کے شیخ — ان کے گھر کی دکان ہے گویا
خوبرو میرے دل میں رہتے ہیں — یہ حسینوں کی کان ہے گویا

فلک کیوں زمیں کا سہارا نہ لے — یہ بوڑھا بہت ناتواں ہو گیا

زال دنیا بھی ہے بڑی چنچل — ہے نیا ڈھنگ اس پرانی کا
آسماں بھی ہے پیر نابالغ — وقت دیکھا نہیں جوانی کا
ناز سے ڈال لو بل ابرو میں — پیچ کس دو ذرا کمانی کا
تھیں دیوانگی کی حالت میں — راجہ تھا بن کی راجدھانی کا
ہوت کرتی ہے چاروں خانے چت — ہے رواں داؤ پہلوانی کا

مقتل میں غیر آنہ سکا ڈر کے ہٹ گیا — بزدل نہیں تھا بزدلی کیوں منہ کٹ گیا
حاضر ہوا نہ حشر میں اچھا نبٹ گیا — اس غیر حاضری میں مرا نام کٹ گیا
نام رقیب میں نے لفافہ پہ لکھدیا — کچھ غم نہیں ہے خط جو انھیں بے ٹکٹ گیا
واعظ کی گت بنائی تھی رندوں نے بیطرح — ق یہ جانتے تھے اسکا بس اب پاپ کٹ گیا
لیکن وہ دم چرائے پڑا تھا زمین پر — رندوں نے پشت پھیری تو اٹھکر جھپٹ گیا

دل ہے برسات میں بھی پژمردہ — سوکھ کر یہ شجر ہرا نہ ہوا
ہم نے کتنی ہی التجائیں کیں — وہ مگر ٹس سے مس ذرا نہ ہوا

اب ٹھکانا ہے یہیں عشق کے دکھیاروں کا — کوچۂ یار شفاخانہ ہے بیماروں کا
پاس شیریں تھا جو فرہاد نے کاٹا کہسار — ورنہ یہ کام ہے مزدوروں کا معماروں کا

قتل کر ڈالیں جو وہ مجھکو تو میرے خوں سے — توسنِ عمر رواں بنجائے دلدل کا جواب
ہے خم محراب ابرو سے صنم کیا خوشنما — بحر عالم میں کہیں دیکھا نہ اس پل کا جواب
بعد مردن بھی رہیگی انکی باہم لاگ ڈانٹ — برہمن کے پھول ہوں گے شیخ کے قل کا جواب

جنت سے آئے حضرت آدم زمین پر — نکلی ہوئی تھی پہلے ہی انکی وطن کی شاخ
دلچسپ ہے یہ پھولوں کی چھڑیوں سے کھیلنا — دولہا کے منہ پہ لگتی ہے اگر دلہن کی شاخ

رند دیکھو کہ شیخ کی پگڑی بکے گی آج — نیلام ہوگا پیرِ مغاں کی دکان پر

مرے دل کی پریشانی ابھی کچھ نا مکمل ہے — ذرا تو گیسوؤں میں اور ابھی لہراں پیدا کر
حمائل ڈال رکھی ہے گلے میں اس کے کیا حاصل — اٹھا لے ہاتھ میں جسکو تو وہ قرآں پیدا کر
ترے گھر اب تو دشمن بھی چلے آتے ہیں بے کھٹکے — جو روکے دور سے غیروں کو وہ دربان پیدا کر

مر گیا میں تو ہنس کے وہ بولے — دم چرانے کے ہیں ہزار طریق

نہایت بے تکلف ہے مے آشاموں کی صحبت بھی — ادھر دو چار لیٹے ہیں ادھر دو چار بیٹھے ہیں
ذرا میخانے میں دیکھو جناب شیخ کی سج دھج — کہ باندھے پُر تکلف لٹ پٹی دستار بیٹھے ہیں
عدو کی موت نے مخبوط کر دیا بالکل — وہ اسکی قبر پر مونی رمائے بیٹھے ہیں
کہا یہ شیخ نے زاہد سے سن کے ہجر کا ذکر — اسی پہ ہم بھی سر اپنا منڈائے بیٹھے ہیں

وہ میرے پاس آتے نہیں بھولکر کبھی — میں اُن کے پاس جاؤں تو کہتے ہیں دور ہو
کر ڈالو آج عشق کے مجرم کا فیصلہ — ہم حسن کی کچہری کے صدر الصدور ہو
سنتے ہیں جو واعظ سے کبھی مے کی مذمت — سب رند یہ کہتے ہیں کہ سمجھیں گے خدا کو

مرغ کے ہمراہ دیتا ہے اذاں بھی اذاں — آدمی کوئی اگر ہو جانور اتنا تو ہو

بابا آدم خلد سے نکلے تھے ہم گھر سے تنے — قصہ کوتہ باپ کا پیر و پسر اتنا تو ہو

نقد جاں تک لوٹ لیتے ہیں حسیں — عشق میں چنگیز خانی اور ہے

ملک عدم آباد میں ہے سخت حکومت — پرچہ کوئی نکلے تو وہاں سے خبر آئے

جان ہے بس دم کی سچی جاں نثار — ساتھ راجہ کے یہ رانی جائیگی

ضرور اس کے رخ صاف پر نقاب ہے — جو قیمتی ہے وہ جزدان میں کتاب ہے

جنت میں بسر ہوگی نہ حوروں سے ہماری — سنتے ہیں وہاں کا تو رواج اور ہی کچھ ہے

نظام ملک جفا میں جو ابتری ہوگی — رقیب کو وہ مدار المہام کر لیں گے

سوڈا واٹر ہو کہ انگور وغیرہ کا نچوڑ — پیاس لگتی ہے تو پی لیتے ہیں ہم ہر پانی

سانپ زلفوں کے پال رکھے ہیں — وہ حسیں کیا ہے اک سپیرا ہے
مل گیا نامہ بر ہمیں سستا — ایک کوڑی کا ایک پھیرا ہے
پھاڑ کھائیگا قیس کو اکدن — سگ لیلی کا نام شیرا ہے
دیکھی رفتار ابلق ایام — چاق چوبند یہ بچھیرا ہے

حواس اُن کے جاتے رہے صبح وصل
مرے گھر نئی پچھلی پڑی رہ گئی

جلے دل جگر جان جلنے کو ہے
یہ اب آخری پھلجھڑی رہ گئی

نہ ٹھہرا کوئی عشق کے دشت میں
وجاہت ہی کی جھونپڑی رہ گئی

دل رہا بچ کر نگاہ ناز سے
لے گیا بازی کبوتر باز سے

جان دی ہے ہمنے کوے دلربا کے سامنے
تعزیہ ٹھنڈا ہوا ہے کربلا کے سامنے

وحید کوئی صاحب بدایوں کے رہنے والے اور موجودہ شعراء میں سے ہیں۔ صرف ظرافت کی طرف میلان طبع ہے۔ یہ دو شعر جناب قمر بدایونی نے سنائے تھے۔ جو درج کرتا ہوں۔

ہوئی تکرار مجھسے اور اُن سے رات میلے میں
میں کہتا تھا یہیں مل لو وہ کہتے تھے اکیلے میں

کہا میں نے کہ اک بوسہ کف پا کا مجھے دیدو
لگا کر لات وہ کہنے لگا سالا کف پا کا

وصل۔ مرزا محمد اسحاق نام تھا حاجی ابراہیم خلف آغا قدیر اصفہانی کے بیٹے اور شرف الدین ملول لکھنوی کے شاگرد تھے۔ شعراء متقدمین کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخ وفات باوجود تلاش دستیاب نہیں ہوئی۔ بیشتر و اکثر حصۂ عمر مرثیہ کہنے میں گزارتے تھے۔ مگر کبھی کبھی اقتضائے طبیعت اور تفنن کے طور پر شعر مذاقیہ بھی کہتے تھے۔ دو تین شعر مل سکے۔

لیا تک جو آغوش میں تو بولا
ابے چھوڑ کب تک مسلتا رہے گا

ہاتھ میں ہاتھ لے غیر دل کا پڑے پھرتے ہو
ہم جو دامن چھوئیں تو آپ جھٹکتے جاویں

وصل کی شب میرا انگیا پر اگر ہو دسترس — میں یہ سمجھوں آگئی سونے کی چڑیا ہاتھ میں

وفا تخلص ہے نواب محمد عمر خاں صاحب بہادر خلف برق الدولہ بہادر رئیس اعظم حیدرآباد کا۔ آپ نہایت قابل اور مشہور نثر نویس ہیں چنانچہ عاشق ناشاد۔ ناصر حمید۔ گلزار وفا۔ وغیرہ ناول آپ کی تصنیف سے ہیں ایک نظم بعنوان۔ نئے تعلیم یافتوں کا فوٹو۔ آپ کی تصنیف سے نظر سے گزری۔ اگرچہ اس نظم کو کوئی ظریفانہ نظم کہنا غلطی ہے۔ مگر چونکہ اکثر جگہ بیان میں شوخی اور شگفتگی ہے اسی لئے اس کے بعض اشعار درج کرتا ہوں۔

عجب انداز سے کچھ آج ہم فریاد کرتے ہیں — نئی تعلیم والوں کی بیاں روداد کرتے ہیں
نئی تعلیم پاکر کالجوں سے جو نکلتے ہیں — صلاح قوم کی وہ ہر جگہ فریاد کرتے ہیں
بدل کر ٹھاٹ اپنا اسطرح گھر سے نکلتے ہیں — زمیں تک کانپتے ہیں بوٹ بھی فریاد کرتے ہیں
چرٹ منھ میں تو سر پر ٹرکی ٹوپی ہاتھ میں ہنٹر — چڑھا کر آنکھوں پر عینک نظر برباد کرتے ہیں
اگر رستہ میں ملجاتا ہے اگلی وضع کا کوئی — تو ہنسکر اولڈ فیشن کہہ کے اسکو یاد کرتے ہیں
کمر پر ہاتھ رکھکر جب کمیٹی میں کھڑے ہونگے — پکاریں گے کہ آ قوم کو ہم یاد کرتے ہیں
ترقی کر گئی ہیں غیر قومیں تم بھی اب جاگو — فصاحت سے بلاغت سے یہی ارشاد کرتے ہیں
یہ سب کچھ کہہ کے جب تقریر اپنی ختم کرتے ہیں — تو پھر جاتے ہیں میخانوں کو وہ آباد کرتے ہیں
پسند آتی نہیں ہے قوم کی صنعت انھیں کوئی — برانڈی اور چرٹ سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں
ڈرا سے شکل پیکر کے اٹھا کر دیکھ لیں سارے — کہ شاعر ہی زمین شعر کو آباد کرتے ہیں
حضور آداب تسلیمات کہنے پر تو یہ خوش ہیں — اگر یاد کہے کوئی تو بس فریاد کرتے ہیں
بظاہر شاعروں کی ہجو میں مصروف ہیں لیکن — بھلا کیوں ناولوں سے اپنے دل کو شاد کرتے ہیں
نہ ہو جب تک چھری کا شاید کھانا کھا نہیں سکتے — اگر چمچہ نہ ہو تو ہر گھڑی فریاد کرتے ہیں

پلاؤ اور مطنجن قورمے سے انکو نفرت ہے
ڈبل روٹی اور آلو ہو تو دل کو شاد کرتے ہیں

انھیں نفرت نہ کیوں ہو باپ دادا کے مذہب سے
کہ ان کو تو یہ ہر دم فول کہکر یاد کرتے ہیں

یہی تہذیب ہے، تو ہمکو کچھ مطلب نہیں اُنسے
ہم اُن کی وضع پر بھی دور ہی سے صاد کرتے ہیں

حرف ہائے ہوز

ہاشمی گیارہویں صدی ہجری کا شاعر نصرتی کا معاصر ہے۔ مادرزاد نابینا تھا۔ مگر عقل و ذہانت اور طباعی میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا چنانچہ ۱۰۹۹ھ میں ایک مثنوی یوسف زلیخا کے نام سے لکھی جس سے اسکی ذہانت پر روشنی پڑتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ زبان اردو کے شروع زمانے میں بھی یہ اسی طرح زبان پر قدرت رکھتے تھے جیسے کہ لوگ آج اسپر ناز کرتے ہیں۔ بہ لحاظ قدامت ریختی کا موجد انھیں کو تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ نمونہ کے طریقہ پر ان کے اشعار جو درج کیے گئے ہیں وہ میں بھی ذیل میں لکھتا ہوں ہاشمی نے ۱۱۰۹ھ میں انتقال کیا اور آخر تک برابر یہ رنگ کہتے رہے۔

اگر کوئی آکے دیکھے گا تو دل میں کیا کہے گا — مجھے بدنام کیا کرتے کہیں میں جاؤنگی چھوڑ
رضا گر مجھکو دیتے ہی کرونگی گھر میں جا دارو — اگر مجھ ہو دیگی فرصت صبح پھر آؤنگی چھوڑ

ہائے واے۔ تخلص تو خیر یہ کیا ہوگا۔ مگر اسی تخلص سے ایک منچلے شاعر نے اپنی طباعی اور ذہانت کے جوہر دکھلائے۔ اودھ پنچ سابق کے ایک نامہ نگار ہیں۔ جس زمانہ میں داغ مرحوم کا انتقال ہوا ہے۔ اُس وقت خدا معلوم اڈیٹر مرحوم کی ذاتی اغراض سے یا اور کسی سبب سے اودھ پنچ میں ظریفانہ تاریخوں کا وہ طومار بندھا تھا کہ سننے والوں نے کانوں میں انگلیاں

دے لی تھیں۔ جذبات ظرافت میں ایک حشر و نشر کا عالم برپا تھا۔ جس کسی کو خبر ہوئی۔ سو ضروری کام چھوڑے مگر داغ کے لئے ایک ظریفانہ تاریخ ضرور لکھدی۔ اونمیں اکثر تہذیب کے درجہ سے بھی گر گئیں۔ مدتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا چونکہ داغ مرحوم ایک مسلم الثبوت۔ استاد اور ملک کے نامور شعراء میں سے تھے۔ اس لئے اکثر حضرات کو اپنا صحیح نام و تخلص تو لکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ سمجھے تھے کہ داغ کے ایک دو شاگرد تو ہیں نہیں سب تعداد میں بے شمار ہیں۔ اگر ذرا بھی کسی کو معلوم ہو گیا تو آفت آجائے گی۔ اسی لئے عجیب و غریب تخلصوں کے ساتھ سب چیزیں لکھی جاتی تھیں چنانچہ ان صاحب نے اپنے لئے ہائے والے تخلص پسند کیا ہے۔ تاریخ میں امیر و داغ دونوں کو لیا ہے اور اودھ پنچ سابق مطبوعہ ۱۶۔ مارچ ۱۹۰۵ء میں تھوڑی سی نثر کے ساتھ یہ تاریخ شائع کرائی ہے۔ ممکن ہے کہ اور بھی کچھ ظریفانہ کلام ہو۔ مگر مجھکو صرف یہی ملا۔ جو معہ نثر نقل کرتا ہوں۔

حضرت سنئے یوں تو لوگ روز ہی روتے ہیں لیکن بندہ درگاہ کا رونا کوئی ایسا ویسا معمولی محرم و حرم کی مناسبت سے نہیں۔ کیا معنی لوگ صرف دس دن محرم ہی میں سینہ کوبیاں کر کے روتے رولاتے سعادت دارین حاصل کرتے ہیں لیکن آپ جانئے ہمارے شہر میں سدا سہاگنوں میں بھی سال بھر تک محرم ہی محرم رہتا ہے اجنبی آدمی تو یہ جانتا ہے محرم ہے غم حسین میں لوگ بلک رہے ہوں گے مگر حقیقت حال معلوم ہونے پر اپنی حماقت ہی پر رونا آتا ہے یعنی جس کو لوگ تابوت خیال کرتے ہیں وہ ہمارے شہر کا طاعونی مردہ ہوتا ہے۔ اور گھر والیوں کا رونا جو سوز و نوحہ سمجھا جاتا ہے صرف خدا واسطے کا رونا ہوتا ہے۔ علی ہذا القیاس یہاں کی حالت دیکھئے میرے نزدیک رونا ایک معمولی مشغلہ ہے۔ اسیوجہ سے بھلا اور موقع کا کیا ذکر اللہ بخشے مرنے والی کے نام پر بھی میں نے دو آنسو نہیں بہائے۔ ہاں خوب

یاد آیا - عمر بھر میں صرف ایک بار رویا ہوں اور وہ بھی غمی میں نہیں - بلکہ شادی میں - کب جب میں بنا تھا - بلنے سے یہ نہ خیال فرمائیے گا بنا بنا تھا - بلکہ اور لوگوں نے بنایا تھا - الحمد للہ وہ بگڑ گئیں میں آدمی بن گیا - یا اس مرتبہ حضرت داغ کے مرنے کا قلق ہوا - لوگوں کی شرا شرمی دیکھا دیکھی میں بھی روتا ہوں - ہاں اور سنئے اگرچہ میں خاندانی شاعر نہیں اور نہ خدانخواستہ ملک کے مشہور شاعروں میں میرا شمار ہے - لیکن موزوں طبع ضرور ہوں اسوجہ سے ذرا نظم کہتے نوحہ پڑھتے ہوئے جھجکتا ہوں - اور پھر ایسے شہر میں جہاں کے تعیش اور خلقت کا یہ حال ہے دس دن محرم میں بھی شواہد پرستی سے باز نہیں رہتی بجائے غزل ٹھمری ٹپہ خیال کے غم حسین کے پردے مرثیوں کی اوٹ میں کھلم کھلا گانا سنتے سونو و ساز کے لطف چھیڑ چھاڑ کے مزے لوٹتی ہے - پس بندہ بھی قیود شاعری کو سلام کر کے نوحہ یا حضرت داغ کی وفات کا قطعہ تاریخ لکھتا اور خوب جی کھول کے روتا ہے - اور اگر روتے نہ بنے تو بقول شخصے ع نوگرفتار ہوں آتی نہیں فریاد مجھے -

روتا ہوں بھئی روتا ہوں

دیکھئے داغ امیر و داغ ہائے امیر وائے داغ
دل کو ہو غم سے کیا فراغ ہائے امیر وائے داغ

کس کو غزل سنائیے داد کہاں سے پائیے
روئیے اور رولائیے ہائے امیر وائے داغ

کوتی ہیں بندیاں ہیں چوکس ہیں اکثر شوخ و حسین
غل ہے بجائے یا حسین ہائے امیر وائے داغ

کام ہے اپنے کام سے ورنہ غرض سلام سے
کہدے کوئی نظام سے ہائے امیر وائے داغ

وہ جو ہمیں سنائیں گے ہم بھی دکن ہی جائیں گے
مر کے تو نام پائیں گے ہائے امیر وائے داغ

ہائے مجھے ملال ہے رنج و الم کمال ہے
غم سے برا یہ حال ہے ہائے امیر وائے داغ

بسکہ مرض تھا لاد وا ہونا تھا جو وہی ہوا
دا با اجل نے ٹینٹوا ہائے امیر وائے داغ

اب نہ وہ مرثیہ ہے اور نہ غزل ہی باقی ہے — رنج یہ مستزاد ہے ہائے امیر و ہائے داغ
غم سے جو آپ میں نہ آئے سال وفات کیا سناؤں — کہتا ہے دل کہ ہائے ہائے امیر و ہائے داغ

داغ صاحب مر گئے شرم و حضوری رہ گئی — کیا کہوں اک حسرت عرض ضروری رہ گئی
میرے دل سے پوچھیے صدمے ہیں کیا کیا جان پر — مارے غم کے زندگی اپنی ادھوری رہ گئی
یہ خبر سنکر کوئی گھر سے ہمارے چل دیا — میرے ذمہ اُن کی باقی کچھ مزدوری رہ گئی
مجھ سے گھبرا کے کہی ہاتف نے جلدی سے یہ بات — سال تاریخ مسیحی سے جو دوری رہ گئی
پر کتر کے لے گئے داغ اور از روئے تلوق — شاعری ہندوستان میں اب لنڈوری رہ گئی

ہجر آپ کا نام پنڈت تربھون ناتھ والد کا نام پنڈت ایشور ناتھ صاحب سپرو تخلص صابر تھا حضرت ہجر ۱۸۵۳ء میں تحصیل چنپا میں پیدا ہوئے۔ مگر زیادہ تر سکونت فیض آباد میں رہی۔ علوم مشرقی زمانہ کے دستور کے مطابق مکتب میں پڑھے پھر متعدد جگہ انگریزی علم کی تحصیل کر کے کیننگ کالج لکھنؤ میں ایف۔ اے تک تعلیم پائی مگر چونکہ امتحان میں پاس نہ ہوئے اس لئے دل ٹوٹ گیا۔ اور تعلیم کے سلسلہ کو ختم کر دیا۔ بعدہ تلاش معاش اودھ کے مختلف اضلاع میں گھوم کر گونڈہ میں مستقل سکونت کا قصد کیا تھا اور دو برس تک وہاں مسلسل رہے بھی۔ مگر گردش تقدیر سے زانو کا درد پیدا ہوا اُسنے مدتوں پریشانی کا سلسلہ اور علالت کا تسلسل قائم رکھا تا اینکہ اسی کے علاج کے لئے فیض آباد آئے۔ آخر کار یہیں چھ ماہ بیمار رہ کر بعمر ۳۹ سال ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا۔

بقول منشی سجاد حسین مرحوم سابق اڈیٹر اودھ پنچ اس اخبار کے سب سے پہلے قدردان اور خریدار ہجر تھے۔ ایک سال تک مختلف نمبروں پر آپ کے مضامین اودھ پنچ

میں شایع ہوتے رہے۔ نہ صرف اودھ پنچ بلکہ ملک کے مشہور مشہور اخبارات و رسائل میں آپ کے نہایت معرکۃ الآرا مضامین شائع ہوئے اور پبلک نے مخصوص قدردانی کے ساتھ ان کو پڑھا۔

جیسے کہ آپ ایک کامل نثار تھے اسی صورت سے آپ کو شعر گوئی کا شوق تھا۔ حضرت قدر بلگرامی کے شاگرد تھے۔ اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں فکر شعر کرتے تھے اور دونوں میں نہایت اچھے شعر نکالتے تھے۔ مگر زیادہ تر میلان طبع ظرافت کی طرف تھا۔ اسی سبب سے اکثر متین اشعار میں بھی یہ رنگ ظاہر ہو جاتا تھا۔ مگر افسوس ہے کہ آپنے اپنے کلام کو کبھی جمع نہیں کیا۔ یہی سبب ہے کہ اب مشکل سے چند شعر دستیاب ہو سکے جو درج ذیل ہیں۔

مرے ساقی چانڈو کا چھٹا پلا — کہ ہستم اسیر کمند ہوا
مزا کڑوا ہو گیا دے چرس — نداریم غیر از تو فریاد رس
خوش از چانڈو بازی دگر کار نیست — وزیں گرم تر ہیچ بازار نیست
مدک چوں مس قلب را کیمیاست — کہ افیوں ہمہ درد ہا را دواست
جو تو چانڈو بازی کرے اختیار — شود خلق دنیا ترا دوستدار
یہ افیونیوں کی کمر خم نہیں — نہد شاخ پر میوہ سر بزمیں
کمر خم ہوئی۔ ہٹ گیا مغز و پوست — تواضع ز گردن فرازاں نکوست
مدک کش لگائے اگر دم سجل — زند سوز او شعلہ در آب و گل
ادھر لاؤ حقہ لگاؤ نہ دم — کہ ناگہ شود سر بسر کالعدم
جو افیوں پئے۔ ہے وہی آدمی — نہ زیبد نہ مردم بجز مردمی
میاں ہجر پینک میں آٹھوں پہر — بغفلت مبر عمر در دے بسر

- ہجر مرحوم نے ایک مرتبہ ایک۔ قومی اتفاق کے موقع پر ایک صاحب

کی شان میں حالی کے مسدس کے طریق پر جو ایک نظم لکھی تھی اُسنے خصوصیت کے ساتھ شرف قبول حاصل کیا۔ جسکے چند بند تفنن طبع کے طور پر ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں

سنبھل قومی اعزاز کے کھونے والے — زمانے میں تخم حسد بونے والے
جہالت کے چشمے سے منھ دھونے والے — خبردار او بے خبر سونے والے
گھٹا کی طرح چھا رہی ہے تباہی
تری قوم پر آ رہی ہے تباہی

عداوت کے شعلے کو بھڑکانے والے — جہالت کی زنجیر کھڑکانے والے
دلوں کو ضعیفوں کے دھڑکانے والے — نیا روز اک جوڑ پھڑکانے والے
یہ کیا نت نئی شعبدہ بازیاں ہیں
یہ کیا قوم میں رخنہ اندازیاں ہیں

اگر لکھنؤ میں تمہیں با خدا تھے — بڑے نیک طینت بڑے پارسا تھے
اگر قوم میں تم ہی دھرم آتما تھے — بڑے پاک باطن بڑے پارسا تھے
تو بہتر تھا گھر بار سب تیاگ دیتے
چلے جاتے کاشی میں سنیاس لیتے

یہ ذاتی تشخص یہ نخوت کہاں تک — یہ پندار یہ عجب و نخوت کہاں تک
یگانوں سے اپنے یہ نخوت کہاں تک — یہ مینڈھے لڑانے کی عادت کہاں تک
ذرا کھول کر کان سن اس سخن کو
ہے درپیش چہ آخرش چاہ کن کو

ہدایت خواجہ ہدایت اللہ کے عرف سے مشہور تھے ممکن ہے کہ یہی نام بھی ہو۔ شاہ طہماسپ اور شاہ عباس ماضی کے اصطبل خانے کے داروغہ تھے

شعر و شاعری میں شہر بھر میں مشہور تھے۔ شدہ شدہ یہ خبر بادشاہ کے کانوں تک پہونچی پوچھا کہ کیوں ہدایت تم شعر کہتے ہو۔ انہوں نے اقرار کیا۔ جہاں پناہ نے کہا کہ اگر شاعر ہو تو سکندر نامہ نظامی کے وزن پر کم سے کم پانچ سات شعر بے معنی کہکر ہمکو سناؤ۔ انہوں نے کہا کہ حضور پانچ سات شعر کیا معنی اگر حکم دیجئے تو خمسہ نظامی کے جواب میں ایک بے معنی خمسہ کہدوں۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگرچہ مشکل ہے مگر حضور کے اقبال سے غلام آسانی کے ساتھ اس فرض کو ادا کر سکتا ہے حضور انعام مقرر فرمائیں۔ بادشاہ نے ہر بیت کے صلہ میں ایک عباسی دینے کا وعدہ فرمایا۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی شرط کر لی کہ اگر کوئی شعر با معنی خمسہ بھر میں نکل آئیگا۔ تو ہر شعر کے عوض آپ کا ایک دانت توڑ دیا جائے گا۔ ہدایت نے اقرار کر لیا اور اسکے بعد قلیل عرصہ میں ایک خمسہ مہمل کہکر نذر گذرانا۔ تمام خمسہ میں تین شعر با معنی نکلے اُسکے بدلہ میں وعدہ کے موافق تین دانت اکھڑوا دیئے گئے۔ اور بقیہ اشعار کے عوض میں وعدہ عطائے یک عباسی فی شعر پورا کر دیا۔ چنانچہ اُس کے سکندر نامہ مہمل کے تین شعر یہ ہیں۔

اگر عاقلی بخیہ بر مو مزن — بجز پنبہ بر فصل آہو مزن
برغم ملک ترکتازی مکن — بآہنگ ما ہیچ بازی مکن
کہ نعل از تبسم مرا باشود — بصبر آسیا کہنہ حلوا شود

نمونہ ہفت پیکر مہمل

شاش سر مدعاے گوز مکن — رخنہ در ہر جوال دوز مکن
دم بخر طوم زندہ پیل مزن — سائباں بر سر خلیل مزن

نمونہ شیریں خسرو مہمل

منہ چوں میل سرور پائے خشخاش — مکن چوں سرمہ داں جائے نقاش
بیاباں وقت گل دروازہ دارد — کلید بوریا آوازہ دارد
نہ تنہا دوستی در کاہداں است — کہ ایں ناداں جائے عاشقاں است

ہُدہُد ان کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ اور پورب وطن۔ مگر جس زمانہ میں دلی کی شاعری عروج پر تھی اور باکمالوں کا مجمع اس کے وقار و عزت کا ضامن ہو گیا تھا اسی زمانہ میں کسی خاص وجہ سے یہ اپنا اصلی وطن ترک کر کے دلی چلے آئے تھے اور کہیں حکیم آغا جان عیش کے مکان کے قریب آ کر رہے۔ اس زمانہ میں معلمی بڑا چلتا دھندا تھا۔ کچھ لڑکے لئے اور پڑھانے بیٹھ گئے۔ پڑھاتے رہے۔ مگر اسی طرح جیسے پہلے لوگ پڑھایا کرتے تھے۔ اتفاق وقت سمجھئے یا شامت اعمال کہئے ایک روز کسی لڑکے کو مولانا نظامی کی مشہور تصنیف سکندر نامہ کا سبق پڑھا رہے تھے۔ اُدھر سے حکیم آغا جان عیش گزرے چلتے چلتے کان میں اُن معانی اور مطلب کی بھنک پڑ گئی جو میاں جی اپنے ہونہار شاگرد کو بتا رہے تھے۔ حکیم صاحب تو خود زعفرانی زاہد تھے سنتے ہی ٹھہر گئے۔ پھر تو کھڑے ہو کر پورا سبق سنا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ ذہانت کے عجائب خانہ کا منظر سامنے آ گیا۔ جو مطلب سنا عجیب و غریب۔ جو معنی کان تک پہونچے انوکھے۔ اب کیا تھا۔ سامان تفریح یا روحانی غذا ہاتھ آ گئی چپکے سے ہاتھ کا اشارہ کر کے ایک لڑکے کو الگ بلایا اور تاکید کر کے کہدیا کہ آج اپنے مولوی صاحب سے ہمارا سلام کہنا اور کہدینا کہ آپ سے کچھ ضروری کام ہے بلایا ہے۔ یہ کہکر چلے گئے۔ اُدھر لڑکے نے حکیم صاحب کے الفاظ آموختہ کی طرح مولوی صاحب

کو سنا دئے دوسرے روز حکیم صاحب سے ملنے کے لئے گئے۔ حکیم صاحب نے باتوں باتوں میں لیاقت علمی کا حال معلوم کیا تو دھول میں پول نکلے۔ پس پھر کیا تھا۔ ابتو ایک چیز ہاتھ لگ گئی۔ حکیم صاحب نے پھر پوچھا کہ کیوں بھلا جناب کو کچھ شعر و شاعری کا بھی ذوق ہے یا نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا مشکل ہے نہیں ہے تو اب ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا آپ غزل کہئے تو آپ کو مشاعرہ لے چلیں۔ انھوں نے مشاعرہ کی صورت پوچھی۔ حکیم صاحب نے وہ صورت بھی کھینچ کر دکھائی دوسرے ہی دن یہ حکیم صاحب کے تعمیل ارشاد کے لئے ایک کھرے کا کھرا غزل کہہ لائے۔ مولوی صاحب کی کہی ہوئی غزل حکیم صاحب کے لئے کشت زعفران تھی اسمیں کچھ اپنا تصرف کرکے بالکل دیوار قہقہہ بنا دی۔ آئے دن مشاعرے ہوا ہی کرتے تھے۔ کسی مشاعرے میں اپنے ساتھ لے گئے۔ مولوی صاحب کا ہدہد تخلص قرار دیا گیا۔ مگر مشاعرے کے روز ان کی جو وضع تھی۔ لینی لوکدار ڈاڑھی۔ گھٹا ہوا سر۔ اسپر عمامہ۔ بالکل کھٹک بڑھیا معلوم ہوتے تھے۔ حکیم صاحب تو ظرافت کے نباض تھے کہنے لگے کہ مولوی صاحب کوئی ظریفانہ تخلص رکھئے انھوں نے جواب دیا کہ تجویز کر دیجئے۔ انھوں نے وضع قطع کے موافق ہدہد تجویز کر دیا۔ انھوں نے منظور فرما لیا۔ انھوں نے مشاعرے میں ان کی پوری پوری تعریف کرکے موجودہ تخلص کا اظہار کر دیا۔ ظریفوں کی خصوصاً اور سامعین کی نظریں عموماً ادھر متوجہ ہو گئیں۔ جب غزل پڑھی تو وہ چل پوں مچی کہ حکیم صاحب کیا۔ مولوی صاحب تک خوش ہو گئے۔ اور مشاعرہ کی واہ واہ سبحان اللہ نے وہ منظر دکھایا کہ عمر بھر نہ دیکھا تھا چند روز کے بعد حکیم صاحب کو ایک اور مذاق سوجھا۔ بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہلایا اور انہیں دربار میں لے پہونچے۔ اور جہاں پناہ کے سامنے وہ قصیدہ پڑھوایا۔ جس میں کے چند شعر یہ ہیں۔

جو تیری مدح میں میں چونچ اپنی وا کروں — تو رشک باغ ارم اپنا گھونسلا کر دوں
جو آکے زیر کرے میرے آگے ذوالفقار — تو ایسے کان مروڑوں کہ بے سرا کر دوں
جو سرکشی کرے آگے مرے ہما آکر — تو اسکے نوچ کے پر شکل نیولا کر دوں
میں کھانے والا ہوں نعمت کا اور تیرے لئے — فلک کے ہے مقدر میں باجرا کر دوں

بادشاہ سلامت نے قصیدہ بڑے غور سے سنا۔ مشکل سے اس سے پہلے کوئی ایسی مدح سنی ہوگی۔ باغ باغ ہوگئے۔ اور فوراً طائر الاراکین۔ شہپر الملک۔ ہدہد الشعرا منقار جنگ بہادر خطاب دیا اور سات روپیہ ماہوار چگنے کے لئے مقرر کر دیئے۔ پھر تو ہدہد کے چند روز میں اور ہی ٹھاٹ ہوگئے۔

ایک دفعہ برسات زیادہ ہوئی۔ مکانات گرے۔ حویلیاں تباہ ہوئیں انھیں میں میاں ہدہد کا بھی مکان نذر سیلاب ہوگیا۔ انھوں نے حکیم صاحب سے کہا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ شہر میں سیکڑوں مکان پڑے ہیں کیا ان میں سے ہدہد کے گھونسلے کو کوئی جگہ نہ ملے گی دیکھو کوئی بندوبست کئے دیتے ہیں۔ جھٹ پٹ ایک عرضی نظم کر دی۔ پوری درخواست اب کہاں ملتی ہے بعض شعر یہ ہیں۔

جز تیرے شاہنشا کہہ کسکے آگے روئے — کس سے جاکے کہئے یہ غم کو ہمارے کھوئے
بھیجا ہے حق نے کیا ملک سخن کا شہسوار — ہیں بجا کرنے سمند طبع کے یہاں پولئے
حیف آتا ہے کہ فن شعر میں کیوں کھوئے عمر — کاشکے ہم سیکھتے اس سے بنانے بولئے
سنگلاخ ایسی زمیں ہے دیکھ اے دل تا کجا — فکر کیجئے صرف آئیں اور پتھر ڈھوئیے
رشتۂ عمر شہنشاہ جہاں ہووے دراز — یا خدا کھلتے رہیں جبتک جہاں میں موئیے
دیدے اسکو بھی زمیں تھوڑی کہ بن گر گھونسلے — مارتا پھرتا ترا ہدہد ہے ٹابک ٹوئیے

ایک دفعہ تنخواہ کے لئے دیر ہوگئی۔ انھوں نے ایک درخواست نظم کرکے نذر گزرانی

اب درخواست کا پتہ نہیں۔ مگر نتیجہ معلوم ہے کہ تنخواہ مل ضرور گئی۔

راجہ دیبی سنگھ خانساماں کی خدمت پر مامور ہوئے تو بارگاہ کے طریق پر یہ شعر لکھے۔

جہاں میں آج دیبی سنگھ تو راجوں کا راجہ ہے — خدا کا فضل ہے جو تو لوں تو آپ راجا ہے
سلیماں نے ہے تیرے ہاتھ میں ہی رزق کی کنجی — تو سرداروں کا سردار اور مہاراجوں کا راجا ہے
حکم اہل جہاں کے سب ہیں شکرانے بجا لاتے — دمامہ تیرا جا کر گنبد گردوں سپہر با جا ہے
کسی کو دے نہ دے تنخواہ تو مختار ہے اسکا — مگر ہدہد کو دیدے کیوں یہی ہدہد کا کھاجا ہے

حکیم صاحب ہمیشہ ہدہد کے لئے ظرافت کا سرچشمہ کھود کھود کر مضامین کے دریا بہاتے رہتے تھے اور ہدہد کے مذاق سخن کو سیراب کر دیتے تھے۔ بعض شعر یہ ہیں۔

ہدہد کا مذاق ہے نرالا سب سے — انداز ہے اک نیا نکالا سب سے
سر دفتر لشکر سلیماں ہے یہ — اڑتا ہے سخن میں بالا بالا سب سے

راست آئینوں کو نفرت ہے کج آئینوں سے — تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا
آشیاں سے جو غزل پڑھنے کو ہدہد آیا — غل پڑا پیش رو ملک سلیماں نکلا

حکیم صاحب نے ساتھ ہی ساتھ ایک اور دلگی کی۔ غزل میں دو ایک شعر ایسے بھی رکھ دیتے تھے جنہیں معاصرین پر چوٹیں ہوا کرتی تھیں۔ مثلاً جب غالب پر چوٹیں کیجاتیں تو ہر ہر مشاعرہ کہتے کہ یہ غزل مرزا غالب کے رنگ میں ہے پوری غزل پڑھ جاتے نہایت چست بندش اور رنگین الفاظ ہوتے۔ مگر معنی ندارد۔ بعض شعر یہ ہیں۔

مرکز محور گردوں بہ لب آب نہیں
ناخن قوس قزح سنبلہ مضراب نہیں

غالب مرحوم خود ایک ظریف اور دریا دل آدمی تھے اُن پر ان باتوں کا کیا اثر ہوتا۔ ہنستے اور ٹال دیتے۔ مگر اور لوگوں نے ہدہد کے جواب کے لئے ایک شخص کا تخلص باز رکھا۔ اور مشاعرے میں لائے۔ باز نے اپنی بازی دکھائی اور مشاعرہ کو بازی گاہ بنا دیا۔ مگر قبول خاطر لطف سخن خدا داد ست۔ بیچارے باز کے شعروں میں سے ایک شعر بھی مشہور نہ ہوا۔ اور میاں ہدہد نے جو اُسکے جواب میں غزل کہی اس کے کئی شعر اب بھی لوگوں کے نوک زبان ہیں۔

جسے کہتے ہیں ہدہد وہ تو نر شیر نکا داد ہے — مقابل تیرے کیا ہو تو لڑاکا چڑیہ کی مادہ ہے
گر اب کے باز ٹرتی میدان میں آئی سامنے میرے — تو دم میں پر نہ چھوڑوں گا یہی میرا ارادہ ہے
مقرر باز جو اپنا تخلص ہے کیا تو نے — ہوا معلوم یہ اس سے کہ کفر ہے کشادہ ہے
ادب لے بے ادب ابھی تک نہیں تجھکو خبر اسکی — کہ ہدہد سب پرندوں کے طائروں کا پیر زادہ ہے

جب وہ دو چونچیں ہو گئیں تو چند روز میں باز اڑ چھو ہو گیا۔ اور ہدہد نے بالا جیت لیا۔ مگر یار لوگ فکر میں لگے ہوئے تھے انھوں نے ہدہد کے مقابلہ کو ایک کالا بھجنگا تیار کیا اور زاغ تخلص رکھا۔ ہدہد نے اسکی بھی خبر لی چند روز میں وہ بھی ففرو ہو گیا اسی زاغ کے لئے انھوں نے یہ شعر لکھے تھے۔

جو آیا ہے مدد واسطے بدل کوے کی — اسکی ہے پانوں سے تا سر وہی خو کوے کی
وہی کاں کاں وہی کیں کیں وہی ٹیں ٹیں اسکی — بات چھوڑی نہیں ہاں کی سو کوے کی
پہلے جانا تھا یہی سب نے کہ کوا ہوگا — پھر جو معلوم کیا ہے یہ ہو کوے کی

بن کے کوا جو یہ آیا ہے تو اے ہدہد شاہ
دم کتر دینے کو کچھ کم نہیں لو کوے کی

غرض کہ باری باری سے جو جو جانور ہدہد کے مقابل ہوتے گئے اس نے
مارے چونچوں کے سب کا بھرکس نکال دیا۔ اور آخر وقت تک بادشاہ کے یہاں سے
وہی اذوقہ جاری رہا۔ جو ایک دفعہ جاری ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ ادھر اُدھر سے
بھی کچھ نہ کچھ مل رہتا تھا۔

ہمسر چند۔ عبدالکریم نام ہے بارہہ ضلع ایٹہ کے رہنے والے ہیں۔
زمانہ حال کے خوش فکر ظریف شعراء میں ہیں مگر افسوس کہ کلام زیادہ نہ مل سکا صرف
ایک شعر ہدیہ ناظرین کر سکتا ہوں۔

ہم جو کم ہے عیاش فیض تنگدستی ہے ۔۔۔ ورنہ ۔۔۔ واے تیری کوئی ہستی ہے

خواجہ محمد شریف نام تھا۔ مرزا غیاث بیگ کے باپ اور نور جہاں
بیگم انیسہ جہانگیر بادشاہ کے دادا تھے نہایت ظریف خندہ پیشانی بذلہ سنج لطیف
گو تھے۔ شاہ طہماسپ ماضی کے زمانہ میں زندہ و سلامت موجود تھے ایک ضخیم
دیوان ان سے یادگار رہے۔ مگر ناپید ہے اسی لئے ان کی ظرافت کے پورے پورے
نمونے نہیں دیئے جا سکتے صرف ایک قطعہ نمونتاً درج کیا جاتا ہے۔ جو اس وجہ
سے کہا گیا تھا کہ ایک مرتبہ سلامی اور کلامی نے جو دونوں بھائی تھے اور مشہور
شاعروں میں گنے جاتے تھے خواجہ مذکور کی تعریف میں بہ امید انعام ایک قصیدہ
کہا۔ خواجہ نے انعام دیا اور یہ قطعہ نظم کر کے ان کو سنا دیا۔

دو چیز ست بدتر ز تیر حرامی ۔۔۔ سلام سلامی کلام کلامی

باوجود تلاش کے مجھے ان کا نام و مقام معلوم نہ ہو سکا۔ البتہ ایک مجموعہ
ہزلیات میں ایک غزل ظریفانہ رنگ کی دستیاب ہوئی۔ مگر افسوس ہے کہ

فواحش سے سرتاپا لبریز ہے ۔ اس لئے صرف دو تین شعر صاف لکھتا ہوں۔

جتنے ہیں اسرار ہو جائیں گے تجھ پر منکشف
اے منجم جب فنا فی ..... تو ہو جائیگا

خوش گپی میں دل لگی یوں ہی اگر ہوتی رہی
اے ہزل کامل غزل گوئی میں تو ہو جائیگا

میم صاحب نے نہا کر جو بنائے گیسو
جرم سنگین تھا باندھے گئے زنجیر میں ہاتھ

حرف یا

یار۔ محمد رفیق تخلص ہے اصلی وطن ضلع پرتاب گڈھ میں ہے۔ مگر چونکہ بسلسلۂ ملازمت ان کے والد کا قیام لکھنؤ ہی میں رہا۔ اسی وجہ سے اوائل عمر سے یہیں رہتے رہے۔ اب دو تین برس ہوئے کہ ان کے والد کا انتقال بھی ہوگیا مگر اس شہر کی دامنگیر خاک نے وطن جانے کی اب بھی اجازت نہ دی اب بھی یہیں محلہ حسین گنج میں رہتے ہیں اور مری کمپنی میں ملازم ہیں شعر و شاعری کا مدتوں سے شوق ہے۔ ہشیار تخلص ہے اور راقم تذکرہ کو اپنی غزلیں دکھاتے ہیں۔ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتے ہیں اسوقت یار تخلص کرتے ہیں۔ نہایت نیک طینت سلیم المزاج پابند صوم و صلوٰۃ متشرع ہیں اب تقریباً ۲۸ برس کی عمر ہوگی۔ چند شعر رنگ ظریفانہ درج کرتا ہوں۔

جو ان کو چکھتا ہے کہتا ہے انکو وہ شیریں — لبوں میں آپکے شکر کا کارخانہ ہے
نگل کے چھوڑ دیگے مجھکو وہ ایکدن اے یار — میں دبلا پتلا ہوں اُن کا بڑا دہانہ ہے

ادا و ناز کی دونالی سے وہ بکو قتل کرتے ہیں — نہ چوکیدار کا غم ہے نہ تھانیدار کا ڈر ہے
نتیجہ کیا ہے آخر محبت اس لاٹھی چھینگے سے — مرے حصے میں بھی ہے ترے حصے میں کمر ہے
ملا ہے جان دیکر یوسف کے لال گالوں کا — بہت میٹھا سہی لیکن بڑا مہنگا چقندر ہے
اٹھا کر لیگیا آئینہ اُن کے قصر عالی سے — یہ اب بندر نہیں اپنے نصیبے کا سکندر ہے

ہم نے الفت کا حسینوں کی نتیجا دیکھا — موت کی دھار میں بہتا ہوا پیسا دیکھا
ناز دیکھا ترا نخرا ترا اٹھنا دیکھا — کیا کہیں ہم کہ شب وصل میں کیا کیا دیکھا

بس یہی طائر دل کی ہے نشانی اے یار — رہگزر کی شب ہجر ہے ٹھونٹھ پہ الو ہو کر

خانہ درویش اسے کہتے ہیں اے زلفت دونا — اپنے کندھے پہ اٹھاتا ہے جو چھپر اپنا
بری آوارہ ہے یہ دختر رز بھی اے یار — ڈھونڈھ کر چھوڑتی ہے آپ یہ شوہر اپنا

لیلی کی اماں نے یہ مجنوں کے ابا سے کہا — آپ سمجھائیے گا اپنے برخوردار کو
[illegible] — [illegible] لینا چاہیے سرکار کو

یاسمن - ایک شاعرہ تھی جسکا نام چنبیلی تھا - یاسمن نام کی مناسبت سے تخلص اختیار کیا تھا - سید انشا کی کنیز تھی - جوان العمر تھی - مگر مرد کی صحبت سے اس قدر متنفر تھی کہ اس کی طرف کبھی رخ بھی نہ کرتی تھی - مگر سید انشا نے بموجب اتباع شریعت اسکا نکاح کر دیا تھا - حالانکہ جس شخص سے نکاح ہوا تھا وہ شخص نہایت معقول اور معقولیت پسند تھا - مگر چونکہ چنبیلی بالطبع مرد کی صحبت سے سہمتی اس لئے اس کی صحبت راس نہ آئی اور نکاح کے تیسرے روز بغیر کسی ناراضگی فوت ہو گئی - اس عورت کی طبیعت نہایت موزوں تھی اور عاشقانہ شاعری کے علاوہ کبھی کبھی ظرافت بھی کہتی تھی - چنانچہ اس کا ایک شعر مل سکا -

[illegible] — شیخ جی کی مگر وضع نہ گیا

بیل — عبدالقادر نام تھا۔ دہلی کا رہنے والا۔ اور وہاں کے نہایت مشہور و معروف پہلوانوں میں تھا ایک مرتبہ اپنی پہلوانی کے غرور پر کسی شخص سے لڑا۔ اگرچہ وہ شخص زور میں اس سے زیادہ نہ تھا مگر چونکہ فن کشتی سے اچھی طرح واقف تھا اسی لئے اس پر غالب آیا۔ اس معرکہ میں پچھڑنے کے بعد اس پر ایسی غیرت کا غلبہ ہوا کہ شہر چھوڑ کر نکل گیا اور پھر کبھی عمر بھر دہلی میں نہ آیا۔ شعر و شاعری سے بھی شوق تھا اور بہ سبب کم علمی کے اکثر ظریفانہ شعر کہتا تھا۔ چند شعر یہ ہیں۔

کہہ دو رقیب سے کہ وہ باز آئے جنگ سے
ہرگز نہیں ہیں یار بھی کم اس دبنگ سے

پھرتے ہو بیل بنے ہوئے تم کچھ دبنگ سے
مطلب نہ نام سے ہے نہ غرض ہے نہ ننگ سے

لب کا کٹرا دیا ہے [illegible] سبز
[illegible] پست ہی مے فروش تو بنگ سے

دو چار صورتیں کہیں آتی ہیں گر نظر
والا ہم بھی جا دھمکتے ہیں دلکی بنگ سے

آجائیے نہ بیچ میں ظالم نے دیکھنا
یارو اگر تم نے کی ہے بیل [illegible] جنگ سے

DUE DATE

Date	No.	Date	No.